اسلامی افکار، سیرت طیبہ، تربیت نفس اور اصلاح معاشرہ پر مشتمل عصر حاضر کے
تقاضوں کے عین مطابق دلنشین، ایمان افروز اور راہنما مضامین کا مرقع

نقوشِ اسلام





شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

اسلامی افکار، سیرت طیبہ، تربیت نفس اور اصلاح معاشرہ پر مشتمل عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق دلنشین، ایمان افروز اور راہنما مضامین کا مرقع

نقوشِ اسلام

شیخ الحدیث حضرت مولانا
زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد
ملتان پاکستان
+92-61-4396067

نام کتاب: نقوشِ اسلام

مصنف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

کمپوزنگ: مولانا محمد ہاشم

ڈیزائننگ: مبشر کلیم، وحید پلازہ، حسن پروانہ روڈ، ملتان

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ملتان پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ پرانا ملتان روڈ شجاع آباد ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 061-4396067, 0322-6102570
0301-6361990, 0300-4396067

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے۔ قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہو سکتی ہے۔ (ادارہ)

فہرست

نمبر شمار .... عنوانات .... صفحہ نمبر

ا ...... تقریظ: شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ ۶
ب ...... تقریظ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہٗ ۷
ج ...... تقریظ: برادر محترم مولانا مُفتی محمد ارشد (چیف امام ہانگ کانگ) ۸
د ...... نقشِ آغاز ۱۱

باب اول: سیرت و متعلقات

۱ ...... کعبۃ اللہ کی حسین یادیں ۱۴
۲ ...... صلِّ علیٰ محمد ﷺ ۲۲
۳ ...... اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصلاحِ معاشرہ ۲۷
۴ ...... حالاتِ حاضرہ اور ربیع الاول کا پیغام ۳۳
۵ ...... خطبہ حجۃ الوداع راہنمائے انسانیت ۴۵
۶ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں، ام العیال (خیمہ ام معبد) ۵۷
۷ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں، ابواء (مقبرہ سیدہ آمنہؓ) ۶۳
۸ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں، بدر (مقبرہ شہداء) ۶۶
۹ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں، میدان بدر ۷۰
۱۰ ...... غزوۂ بدر: معرکہ حق و باطل ۷۵
۱۱ ...... اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف و امتیاز ۷۹
۱۲ ...... حضرات صحابہ کرامؓ کا احترام کیوں ضروری ہے؟ ۹۷
۱۳ ...... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا طرزِ حکومت ۱۱۰
۱۴ ...... مجبور کر رہی تھی شریعت حسینؓ کو ۱۲۵
۱۵ ...... افتم بہ پائے خود کہ کوبیت رسیدہ است (دار العلوم دیوبند میں حاضری) ۱۲۸

باب دوم: اخلاق واعمال

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	نسلِ نو کو تباہی سے بچائیں!	۱۳۶
۲	تربیت اولاد کیوں اور کیسے؟	۱۴۵
۳	عدم برداشت اور تشدد کا بڑھتا ہوا خطرناک رجحان	۱۵۴
۴	فحاشی کی اشاعت، بدکاری اور بہتان تراشی سنگین جرائم	۱۶۱
۵	عفت وحیاء کی برکات	۱۷۱
۶	حلال وحرام پہچانئے!	۱۷۷
۷	امانت ایک شرعی وانسانی فریضہ	۱۸۶
۸	بد دیانتی کے دنیوی اور اُخروی نقصانات	۱۹۲
۹	کروناوائرس وبا، اسباب، سدباب، طریق علاج	۲۰۲
۱۰	کروناوائرس کے بعد ٹڈی دل خطرہ کی گھنٹی!	۲۱۱
۱۱	سیلاب 2010ء	۲۱۸
۱۲	مروجہ نعت خوانی چند قابل اصلاح پہلو	۲۲۲
۱۳	رمضان المبارک اور عید کا پیغام	۲۲۹
۱۴	رمضان المبارک: ماہ عزم وعزیمت	۲۳۴
۱۵	قربانی کثیر الجہت عبادت	۲۴۶
۱۶	علاماتِ قیامت	۲۵۱
۱۷	”کافر فیکٹری“ یا ”کفر شناس لیبارٹری“	۲۵۶
۱۸	قمری کیلنڈر امت مسلمہ کی ضرورت	۲۶۳
۱۹	6 ستمبر یوم تجدید عہد تحفظ ختم نبوت	۲۷۴
۲۰	سستی اور بے بسی	۲۷۸

باب سوم: بحث ونظر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	میری نہیں رب کی مرضی	۲۸۶
۲	گستاخ رسول کی سزا کے خاتمے کا مطالبہ اور اس کا جائزہ	۲۹۲
۳	۔۔۔مذہب جو نہیں تم بھی نہیں!!!	۳۰۶
۴	ماہ رمضان وعید کا مجوزہ قمری کیلنڈر	۳۱۴
۵	داڑھی ضروری کیوں......؟	۳۱۹
۶	پردہ ضروری کیوں......؟	۳۴۴
۷	معاشرتی جرائم کی بہتات، ذمہ دار کون؟	۳۶۰
۸	غیر مسلموں کے ساتھ، تعلقات کی شرعی حدود	۳۶۵
۹	گھریلو تشدد کا مجوزہ بل انجام کیا ہوگا؟	۳۷۱
۱۰	علمائے دیوبند فرقہ یا ملت؟	۳۷۶
۱۱	تقسیم وراثت میں شریعت سے انحراف اور اس کے دنیوی واخروی نقصانات	۳۸۳
۱۲	چار شادیوں کا تاریخی، شرعی، معاشرتی جائزہ اور پہلی بیوی کی اجازت کا شرعی حکم	۳۹۱
۱۳	آجر واجیر کے حقوق وفرائض	۳۹۷
۱۴	کیا سود ناگزیر ہے؟	۴۰۳
۱۵	ذرائع ابلاغ اور آزادئ اظہار رائے	۴۱۰
۱۶	فحاشی وعریانی کی ترویج اور ہماری ذمہ داریاں	۴۱۶
۱۷	کیا پیری مریدی شریعت سے مبرا ہے؟	۴۲۳
۱۸	غامدی فتنہ	۴۳۳
۱۹	شجرکاری دین ودنیا کے تناظر میں	۴۴۰
۲۰	توہین قرآن کریم بائبل کی بھی توہین ہے	۴۴۶
۲۱	روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو	۴۵۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ:

شجاع آباد ملتان کے قریب ایک شہر ہے، جسے ابتک ہم اس کی صنعت سے پہچانتے رہے ہیں کے وہاں کے آم بڑے لذیذ ہوتے ہیں اور سارے ملک میں وہاں کے ان پھلوں کا بہت شہرہ ہے، لیکن اب کچھ عرصے سے یہ احساس قوی ہو رہا ہے کہ ماشاء اللہ یہ شہر علم و ادب اور حکمت کے باغات سے بھی آباد ہو رہا ہے۔ الحمد للہ! یہاں دینی ادارے پھل پھول رہے رہیں اور ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں جو پوری ملت کے لیے علم و عمل کی آبیاری کرنے میں مصروف ہیں۔

ان میں حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب کا نام سرفہرست ہے، جو وہاں ایک موقر دینی ادارے جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے شیخ الحدیث ہیں اور علم دین کے طلبہ کو دینی تعلیمات اپنے موثر انداز میں پھیلا رہے ہیں۔ ان کی زندگی بذاتِ خود اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت کا ایک عجوبہ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک انتہائی شدید بیماری کے بعد نئی زندگی عطا فرمائی اس کی حیرت انگیز داستان انہوں نے خود اپنے قلم سے اسی کتاب کے آغاز میں لکھی ہے جو نہ صرف پڑھنے بلکہ سبق لینے کے لیے ایک غیر معمولی داستان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں تدریس اور خطابت کے علاوہ حسن تحریر سے بھی نوازا ہے، وہ ملک و ملت کے مسائل پر مختلف اخبارات میں اور خود اپنے جاری کردہ ماہنامے میں مضامین لکھتے رہے ہیں، ان کے انداز تحریر میں پختگی، سلاست اور شگفتگی جلوہ افروز نظر آتی ہے، اب ان کے متفرق مضامین کا یہ مجموعہ اہل ذوق کی خاطر داری کے لیے مرتب اور شائع کیا جا رہا ہے۔ بندہ کو خواہش کے باوجود ان تمام مضامین کو پڑھنے اور ان سے استفادے کا موقع تو نہیں مل سکا، البتہ جستہ جستہ بعض مضامین سے لطف اندوز ہوا، جن میں سلامت فکر اور افادیت خوش بیانی کے ساتھ گندھی ہوئی نظر آئی، باقی مضامین کے بارے میں بھی یہی امید ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ مضامین ان شاء اللہ تعالیٰ قارئین کو بہت سی معلومات اور بہت سے رہنما اصول عطا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو نافع اور سبق آموز بنائیں اور یہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو۔ آمین

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالعلوم کراچی

۲۴ ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ

تقریظ

قائد مدارس دینیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم العالیہ

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

Wifaq-ul-Madaris-il-Arabia, Pakistan.

مرکزی دفتر: گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون، فیکس: 061-6514525-26-27 / 061-6539485

351/WMA/2021 — 01-12-2021

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، اما بعد،

حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جنوبی پنجاب بلکہ پنجاب بھر کے علمائے کرام میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، شجاع آباد کا زرخیز اور مردم خیز علاقہ آپ کی دینی، دعوتی، تدریسی اور رفاہی خدمات کی جولان گاہ ہے، "جامعہ فاروقیہ شجاع آباد" کے نام سے ایک موقر دینی ادارہ آپ کے اہتمام اور حسن انتظام کا گواہ ہے، یہ ادارہ جس طرح دینی تعلیم وتربیت کا مرجع ہے، اسی طرح رفاہی خدمات اور علماء وطلبہ کی کردار سازی کا بھی مرکز ہے۔

حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی دینی وملی خدمات صرف درس وتدریس، دعوت وتبلیغ تک محدود نہیں بلکہ آپ کو حالات حاضرہ پر اپنے مافی الضمیر کا تحریر کے ذریعے اظہار کا ملکہ بھی حاصل ہے، ملک بھر کے موقر دینی وسیاسی جرائد ومجلات میں وقتاً فوقتاً آپ کی تحریریں نظر نواز ہوتی ہیں اور عوام وخواص کے دل ودماغ کو متاثر کرتی ہیں۔ ان متاثر کن بکھری تحریروں کو جمع کر کے "نقوشِ اسلام" کے نام سے آپ نے زیرِ نظر مجموعہ مضامین کو تین بنیادی عناوین کے تحت ترتیب دیا ہے۔

پہلے عنوان "سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ومتعلقات سیرت" میں اسوۂ حسنہ اور متعلقات سیرت پر فکر انگیز مضامین یکجا کیے ہیں،

دوسرے عنوان "اخلاق واعمال" کے تحت وہ مضامین لائے ہیں جن میں معاشرتی برائیوں پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔

تیسرے عنوان "بحث ونظر" میں ملکِ عزیز میں آئے روز پھیلتے فتنوں کی سرکوبی کی ہے۔

مضامین کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، قرآن وحدیث اور مستند حوالوں سے مزین یہ گلدستہ نقوش اسلام مصنف دامت برکاتہم کی ایک قابل تحسین کاوش اور علماء وطلبہ، خطباء ومقررین کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ امید واثق ہے کہ علماء وطلباء اس سے خوب استفادہ فرمائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف دامت برکاتہم کی دیگر خدمات کی طرح اس کاوش کو بھی قبول فرمائے اور طالبانِ علوم نبوت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، یا رب العالمین۔

والسلام

محمد حنیف جالندھری

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث ورئیس جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ — یکم دسمبر ۲۰۲۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقریظ

برادرِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد ارشد صاحب دامت برکاتہم العالیہ

چیف امام ہانگ کانگ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی کو اللہ تعالیٰ نے مختلف الجہت شخصیت کا حامل بنایا ہے، مسندِ تدریس پر براجمان ہوئے تو شاگردوں کی صورت میں پروانوں کا جمِ غفیر اپنے گرد کر دیا، تدریس میں تنوع ایسا کہ صرف ونحو سے لے کر ادب، فقہ، حدیث اور اب تفسیر تک مرحلہ آن پہنچا۔ ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے کام کا آغاز کیا تو مدرسہ فاروقیہ سے جامعہ فاروقیہ بن گیا۔ اپنی انتھک اور مسلسل محنت سے شہر کے ایک چھوٹے مدرسے کو ضلع بھر کے ہی نہیں، بلکہ جنوبی پنجاب کے چند بڑے بڑے اداروں میں لا کھڑا کیا، مدرسوں کی ترقی میں بنیاد میں للّٰہیت، اخلاص، قربانی، دیانت اور محنت کا گارا، پتھر اور پانی شامل ہو تو پھر دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ آج کا جامعہ بیس برس قبل کے جامعہ سے کتنا مختلف ہے، واقفانِ مدرسہ بخوبی آگاہ ہیں، پھر جس ادارے اور شخصیت کی پشت پر درویش صفت والدِ گرامی حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ کی راتوں کی تڑپ، دن کی دعائیں اور زندگی بھر کی قربانیاں ہوں، اسے رب الارباب کیسے بلند نہ فرماتا۔

تدریس کے بعد مرحلہ انتظامی گرفت کا آتا ہے، جو تدریس سے کہیں زیادہ مشکل امر ہوتا ہے، اس میں بھی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اللہ نے مولانا کو اپنوں اور غیروں میں قبولیت نصیب فرمائی، پھر ایک کے بعد ایک ادارہ، مدرسہ، مکتب، مسجد اور بنات کی درس گاہیں بنتی چلی گئیں، آج شہر کے کونے کونے میں، دیہات اور شہر میں جامعہ فاروقیہ اور مولانا کی برکت سے دین کی خدمت کے قابلِ قدر مراکز وجود میں آچکے ہیں۔

تعلیم کے میدان میں کامیابیوں کے پرچم گاڑتے گاڑتے قلم کو جو تھاما تو ایسے لگا کہ قلم سے

روشنائی توختم ہوجائے گی لیکن ہاتھ چلتے چلتے نہ تھکیں گے۔الفاروقیہ کے نام سے اپنے رسالہ کا آغاز کیا، ابتداء میں خود ہی مدیر، خود ہی قلمکار، خود ہی مرتب، خود ہی پبلشر اور خود ہی تقسیم کنندہ رہے، پھر اللہ نے اپنے بھائی (عزیزم مولانا مفتی محمد طیب معاویہ زید مجدہم) کی صورت میں ایک معاون مرحمت فرمایا، کام کی تقسیم تو شروع ہوئی مگر قلم آب رواں بنتا چلا گیا۔ایک کے بعد دوسرا مضمون، تحقیقی مقالہ جات سے اسفارنامے، اصلاحی مضامین اور حالات حاضرہ پر بھرپور اور موثر تبصرے نہ صرف اپنے ادارے کے ماہنامہ میں شائع ہونے لگے، بلکہ ملک کے معروف وکثیر الاشاعت اخبارات وجرائد میں باقاعدگی سے اشاعت پذیر ہونے لگے اور اب تک ہو رہے ہیں، گویا کہ تدریس، انتظامی اور رفاہی امور کے ساتھ ساتھ صحافت کا بھی میدان مارلیا اور تصنیف وتالیف کے میدان میں اپنا انمٹ نام ثبت کرلیا۔

زیر نظر یہ کتاب مولانا کی اپنی صلاحیتوں کا جہاں واضح اور منہ بولتا ثبوت ہے تو وہاں طالبان علم اور صاحبان ذوق کی علمی تشنگی کی سیرابی کا ایک شیریں چشمہ بھی ہے۔

مولانا کے مضامین، بے لاگ تبصروں اور تحقیقی مقالہ جات میں توازن واعتدال کا پہلو واضح نظر آتا ہے، جو عموماً لکھاری حضرات میں کم ہوتا ہے، پھر لکھنا اور لکھتے چلے جانا، زیادہ کمال نہیں ہوتا، بلکہ تحریر میں جب دلیل کی قوت اور مطالعہ کی گہرائی جھلکتی ہو تو وہی حقیقی معنوں میں تصنیف کہلاتی ہے۔

جو اچھا مدرس ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اچھا منتظم بھی ہو، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص اچھا منتظم ہو اور اچھا محرر بھی ہو اور فن خطابت میں ایسی مہارت کہ جہاں اچھے اچھے لکھنے والے اسٹیج کے میدان میں مات کھاجاتے ہیں وہاں ان کے نام کا طوطی بولتا ہو۔

آج ملک پاکستان کے نامور خطباء میں مولانا کا نام صف اول کی فہرست میں موجود ہے، خطابت کے اس جوہر میں قرآن وحدیث کے مطالعہ اور علوم دینیہ پر دسترس نے گفتگو میں قوت رکھ دی ہے، ان بیانات میں نئے فضلاء، ائمہ حضرات اور مدرسین کے لیے ایسا قابل اعتماد مواد موجود ہے، جو ان کی روزمرہ ضرورت کے لیے کافی وشافی ہے، مولانا کے یہ وقیع اور علمی بیانات اب کتابی شکل میں بھی موجود ہیں۔

مذکورہ بالا تمام خدمات اللہ نے ایک ایسے شخص سے لی ہیں جسے گزشتہ 26 سال سے گردوں کے عارضے کا مرض لاحق ہے کہ دومرتبہ موت کے منہ سے واپس آیا ہے اور دومرتبہ گردوں کی پیوندکاری کراچکا ہے، جو صبح سے شام تک درجن کے قریب گولیاں پھانکتا ہے اور اپنی بیماری کے غم میں گھلے جانے

کی بجائے ہر وہ کام اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے، جس سے اللہ کی مخلوق کو اور اللہ کے مہمان طلباء کو کوئی فائدہ مل جائے، اس مہلک ترین بیماری اور اس کے علاج کے مرحلے میں بھی الفاروقیہ ٹرسٹ جیسے فلاحی ادارے کو قائم کر کے اسے اس نہج تک پہنچا دیتا ہے جس کی نظیر شہر شجاع آباد تو کیا پورے ڈویژن میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی، جس بیماری کے اندر مولانا خود مبتلا رہے، اس بیماری کے علاج کو تمام مخلوق کے لیے بلا معاوضہ مہیا کرنا اپنی زندگی کا مشن بنا دیا۔ پھر بیٹے (عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی سلمہ) کی صورت میں ایک معاون ہاتھ میسر آ گیا، جس سے اس فلاحی ادارے کو مزید ترقی کرنے اور پروان چڑھنے کا موقع بھی مل گیا۔

زیرِ نظر کتاب مولانا کے فکری اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، جو قاری کو خوشبودار افکار، عشقِ رسول ﷺ، عشقِ صحابہ و اہلِ بیت ؓ، مسنون اعمال اور اسلام کے معاشرتی، معاشی اور انتظامی کمالات کی خوبیوں سے اشکار کرتی ہے۔ کتاب کیا ہے؟ حقیقی معنوں میں اصلاحِ فکر کا وردِ دل ہے جسے مولانا نے الفاظ میں پرو دیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام و خواص کے لیے مفید اور اللہ کے ہاں مقبول فرمائے۔ آمین!

(مفتی) محمد ارشد
چیف امام و مفتی اعظم ہانگ کانگ
2021-10-19

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نقشِ آغاز

اس عاجز کو رحمن ورحیم ذات کے بحرِ بے کراں سے جو عظیم الشان نعمتیں نصیب ہوئیں، ان میں سے الثاسیدھا قلم چلانا بھی شامل ہے، حق تعالیٰ نے گزشتہ ڈیڑھ دہائیوں سے مختلف ملی، قومی، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور دیگر اہم عصری موضوعات پر مضامین لکھنے کا شرف وموقع نصیب فرمایا۔ عاجز کی یہ تحریریں ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ شجاع آباد'' مختلف روزناموں (روزنامہ جنگ ملتان، روزنامہ اسلام اور نوائے وقت ملتان وغیرہ) متعدد جرائد ورسائل میں شائع ہوتی رہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تحریریں نہ تو ادبی ہیں اور نہ ہی مسجع ومقفیٰ نثر، نہ ہی انشاء پردازی کی شکل وصورت، عاجز کو ان تحریروں کے علمی وتحقیقی ہونے کا زعم ہے اور نہ ہی دعویٰ۔ محض جذبۂ خیر خواہی سے دل کے درد وارمان کو الفاظ کی شکل دی گئی ہے، الفاظ بھی سادہ اور عام فہم ہیں، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عاجز کی اس خامہ فرسائی کے قارئین بھی پیدا فرمادیے، اور قارئین میں بہت سے محبین بھی ہیں جو حوصلہ افزائی اور تشجیع فرماتے رہے، ان کی حوصلہ افزائیوں سے لکھنے کا کام جاری رہا۔

ایک عرصہ سے ہمارے بعض قارئین کی جانب سے ان مضامین کو مرتب ومدون کر کے شائع کرنے کا تقاضا شروع ہوا، عاجز اپنی بے مائیگی اور کم علمی کی وجہ سے اس تقاضے پر تبسم کے ساتھ خاموش ہوجاتا، ہمارے بعض احباب کا تقاضا اصرار اور حکم کی حد تک پہنچ گیا، جن میں ہمارے محب ومحبوب جناب ڈاکٹر عظمت علی عابدی، سابق ڈائریکٹر لیاقت نیشنل ہسپتال کراچی، حال ڈائریکٹر لیق رفیق ہسپتال لاڑ، ملتان اور شجاع آباد کے بہترین ادیب، نثر نگار وشاعر اور نظریاتی صحافی جناب سلیم اختر قریشی بھی شامل ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں شخصیات کے اصرار پر بندہ نے ان کے حکم کی تعمیل کا وعدہ کرلیا۔

بندہ نے اپنے احباب سے گزشتہ سالوں میں لکھے گئے جملہ مضامین جمع کرائے، اول ارادہ ہوا کہ یہ مضامین دس عنوانات کے ساتھ تین جلدوں میں شائع کردیے جائیں۔ چنانچہ کتاب کا نام ''نقشِ قلم'' تجویز کر کے تبویب بھی کرادی گئی، بعض اہل قلم کے سامنے جب اس ارادہ کا اظہار کیا تو ان کا مشورہ سامنے آیا کہ تین جلدوں کا بوجھ قاری پر ڈالنے کی بجائے متعدد موضوعات پر الگ الگ کتابیں شائع کردی جائیں، چنانچہ اس رائے پر استقرار رہا، اس سلسلہ کی پہلی کتاب جو سیرت طیبہ، اصلاح

اعمال واخلاق اور بحث ونظر کے تین ابواب پر مشتمل ہے، پیش خدمت ہے۔اس کتاب کا نام ”نقوشِ اسلام“ تجویز ہوا ہے۔

اس کتاب میں مجموعی طور پر ۵۶ مضامین شامل کیے گئے ہیں، سیرت طیبہ کے عنوان میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، آثار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، عظمت صحابہ کرام واہل بیت اطہار اور چند مقدس مقامات کے تذکرے پر مشتمل مضامین مذکور ہیں، جبکہ دوسرے باب میں اعمال واخلاق سے متعلق اصلاحی اور بحث ونظر کے عنوان میں معاشرتی مضامین شامل ہیں۔

ان مضامین کو جمع کرنے، کمپوز کرنے اور تیار کروانے میں ہمارے عزیز مکرم حضرت مولانا محمد ہاشم سلمہ رفیق دفتر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کی جفاکشی، پروف ریڈنگ اور نظر ثانی میں جامعہ کے مدرسین حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زید مجدہ، مشرف تخصص فی الفقہ، حضرت مولانا مفتی محمد صدیق مظفری زید شرفہ، مشرف تخصص فی الحدیث اور حضرت مولانا مفتی محمد عامر شعیب ڈیروی زید مجدہ کی کاوشیں شامل ہیں، جبکہ ترتیب، تدوین وطباعت میں برادر عزیز حضرت مولانا مفتی محمد طیب معاویہ زید مجدہم اور عزیز مکرم حضرت مولانا محمد عمیر صدیقی سلمہ کا تعاون شامل رہا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔آمین!

یوں یہ کتاب تیار ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے، باقی مضامین پر مشتمل تین مزید کتب بھی ان شاء اللہ جلد منظر عام پر ہوں گی۔اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت نصیب فرمائے اور قارئین کے لیے باعث صلاح وفلاح فرما کر بندہ اور بندہ کے متعلقین کے لیے ذریعہ نجات اور ذخیرہ آخرت بنائے۔آمین!

والسلام



(مولانا) زبیر احمد صدیقی

خادم: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدیر ماہنامہ ”صدائے فاروقیہ“ شجاع آباد

۱۰ ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ بمطابق 16 نومبر 2021

باب اوّل

سیرت ومتعلقات

کعبۃ اللہ کی حسین یادیں

مکہ مکرمہ بلاشبہ دنیا کے تمام شہروں سے افضل و مبارک شہر ہے، یہی وہ مقدس سرزمین ہے، جو زمینوں میں سب سے پہلے وجود میں آئی۔ یہیں پر اولِ بیت (پہلا گھر) کی تعمیر ہوئی، اس ارض پاک کو مبارک اور ہدی للعالمین قرار دیا گیا۔ اسی پاک دھرتی میں آیات بینات، مقام ابراہیم، صفا مروہ اور دیگر شعائر اللہ موجود ہیں۔ اسی سرزمین کو روزِ اول سے "حرم" قرار دے کر اس ارض حرم میں موجود ہر شخص اور بہت سی مخلوقات کو مامون و محفوظ قرار دے دیا گیا۔ ارض پاک میں شکار ممنوع، نباتات کا کاٹنا ناجائز، جنگلات کی قطع و برید حرام اور پرندوں کو بھگانا بھی ناجائز ہے۔ اسی کو وادیٔ غیر ذی زرع کہا گیا۔ اسی شہر قدیم سے انبیاء علیہم السلام، ان کے متبعین کی یادیں وابستہ ہیں۔ یہی وہ مقدس دھرتی ہے، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے فرزند اور محبوب بیوی کو توکل علی اللہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ یہیں پر سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کی حسین یادگاریں ہیں۔ ماء زمزم، صفا مروہ، منیٰ، جمرات سبھی انہی دونوں ماں بیٹے کی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ یہیں پر مقام ابراہیم، بیت اللہ اور حجر اسود ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جہد فی الدین اور رضاء حق کی جستجو کی نشاندہی کر رہے ہیں، اسی کے جوار میں منیٰ، مزدلفہ اور عرفات ہیں۔

یہی سرزمین مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، اسی کے گلی کوچہ اور مضافات میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پلے، بڑھے اور جوان ہوئے۔ اسی کے ویرانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریاں چرائیں۔ یہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان، کنبہ آباد رہا، یہیں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطاء ہوئی، انہیں کوہساروں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کے زمزموں سے مخلوق خدا کے کانوں میں محبت الٰہی کے رس گھولے۔ یہیں

پر نزولِ وحی اور جبرائیل کی آمد کی ابتدا ہوئی۔ اسی شہر کے وسط میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کعبۃ اللہ کے سائے میں نمازیں ادا فرماتے، اسی کے پہاڑوں میں خلوت اور شہر میں جلوت کے لمحات گزارتے، اسی شہر سے بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی داستان وابستہ ہے، اسی کی گھاٹی ''شعب ابی طالب'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صبر و تحمل کی عظیم یادگار ہے۔ یہیں پر سمیہ، زنیرہ، خباب، عمار، یاسر رضی اللہ عنہم جیسے جانباز، اسلام کی خاطر ظلم سہتے رہے۔ یہیں پر ابوذر رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں چھپتے چھپاتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقاتیں کرتے، یہیں سے ہجرت ہوئی، یہیں سے اٹھنے والے مخالفتوں کے طوفان جہاد فی سبیل اللہ کی قوت سے روک دیے گئے اور بالآخر یہاں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ تین سو ساٹھ بتوں کو پاش پاش کیا گیا، تصویریں مٹائی گئیں، عام معافی کا اعلان کیا گیا، اور اسی میں بیت اللہ کی چھت پر حبشہ کے کالے بلال رضی اللہ عنہ کو چڑھا کر بصورت آذان توحید اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صدائیں بلند کرائی گئیں۔ الغرض! یہ بلد امین خاصان خدا کی ان گنت تاریخیں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس کی برکات و رحمتیں چار سو پھیلی ہوئی ہیں، یہیں سے دین متین کی کرنیں پھوٹیں اور یہیں سے آج بھی چہار دانگ عالم رحمتوں کی برسات پہنچتی ہے، جملہ مسلمان اس کی جہت، نماز میں اپنا رخ کرتے ہیں۔ اسی میں ہمارا قبلہ کعبہ ہے۔ یہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں، آرزوؤں کی تکمیل ہوتی ہے، نہ ہونے والے کام یہاں کی دعاؤں سے ہو جاتے ہیں، اسی دھرتی کو ''خیر ارض اللہ'' اور ''احب البلاد'' کا خطاب ملا ہے۔

عاجز بندے کی عصیان وخطاؤں کے فلک بوس پہاڑوں کے باوجود، اس روسیاہ کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت سے اب تک لگ بھگ ایک درجن مرتبہ یہاں حاضری کی توفیق بخشی۔ ان اسفار میں اس مقام کی برکات ولذتوں کا گناہگار آنکھوں کو متعدد بار مشاہدہ کا موقعہ ملا ہے۔ آج کی حرم کی حاضری کے موقع پر ان برکات کا استحضار ہو رہا ہے اور ان کے اظہار کو دل مچل رہا ہے، اس پاک سرزمین میں کعبۃ اللہ کے سامنے یہ سطور زیر قلم ہیں، اس اظہار کی غرض حاشا وکلا ریا یا خود پسندی نہیں اور نہ ہی راقم کا ایسا کوئی کمال ہے، یقیناً یہ اسی مقام کی برکات ہیں، جن کا اظہار ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

زندگی نصیب ہوگئی:

۱۹۹۶ء کے اوائل میں عاجز کے گردے فیل ہو گئے، تکلیف ۱۹۹۵ء میں جیل سے رہائی پاتے ہی شروع تھی، رفتہ رفتہ مرض بڑھتا گیا، حتیٰ کہ ۱۹۹۶ء کے آغاز سے ہی گردوں نے کام چھوڑ دیا، اس پر مستزاد یہ کہ ہڈیوں کی ٹی بی کی بھی تشخیص ہوئی۔ ڈاکٹروں نے گردوں کی صفائی (ڈائیلائیسز) تجویز کر دی۔ ڈائیلاسز کے لیے C.M.H ملتان کا اس بنیاد پر انتخاب کیا گیا کہ فوجی فرض شناس اور دیانتدار ہوتے ہیں۔ گردوں کی صفائی کے لیے گردن کے قریب یا ٹانگ میں ران کی جڑ سے گزرنے والی ورید (وین) میں کینولا (لمبی تار نما سوئی) پاس کرنا پڑتا ہے، میجر رینک کے ڈاکٹر نے دائیں ٹانگ کی جڑ میں بہت کوشش کی، شاید بوجہ ناتجربہ کاری کافی دیر اور بہت زور آزمائی کے بعد بجائے ورید (وین) کے شریان (آرٹری) میں کینولا پاس کر دیا۔ پہلی ڈائیلائیسز تو ہوگئی، ہم لوگ اس بیماری سے بالکل ناواقف تھے، سبھی کا خیال تھا کہ گردوں کی ایک آدھ مرتبہ صفائی سے معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، یہ کس کو معلوم تھا کہ پہلی ڈائیلائیسز غیر متناہی سلسلہ کا نقطۂ آغاز ہوگی۔ کچھ روز بعد ڈاکٹروں نے دوسری مرتبہ یہی عمل دہرانے کا حکم دیا، اس کے ساتھ ہی رگ سے خون رواں ہوگیا، شدید درد اس کے علاوہ تھا۔ کراچی کے معروف ڈاکٹر ''ادیب رضوی صاحب'' کو چیک کروانے کی تجویز آئی، احباب نے وقت بھی ان سے لے لیا۔ کراچی پہنچے، اپنے قدیمی میزبان الحاج نواب محمد زکی رحمہ اللہ اور ان کے صاحبزادگان کے ہاں قیام ہوا، رات سوتے میں اس قدر خون جاری ہوا کہ بستر اور کمرے کا فرش خون آلود ہو گئے، صبح چیک اپ کرانے سول ہسپتال پہنچے، ڈاکٹر نے بڑی مضبوط پٹی باندھ کر بھیج دیا، نیز گردے کی تبدیلی کے لیے تیاری کا لمبا عمل شروع کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ مایوس ملتان لوٹے۔ ٹانگ کی تکلیف غالب آئی، سوئی نکال لی گئی، آپریشن تجویز ہوا۔

معلوم ہوا کہ ڈاکٹر نے غلط رگ میں سوئی ڈال دی تھی، بایں وجہ انفیکشن ہوگیا اور خون بھی رواں ہے۔ آپریشن کیا گیا، تین روز بعد آپریشن ناکام ہوگیا، خون رواں ہوا ٹانکے کھل گئے، ایمرجنسی میں دوسرا آپریشن کیا گیا، نو روز بعد ہسپتال سے گھر پہنچے۔ پہلی ہی رات دوبارہ آپریشن

ناکام ہوا، کمرہ خون سے بھر گیا، اس قدر تیزی سے خون رواں تھا کہ کاٹن کا رول رکھے دو افراد زور لگائے کھڑے تھے، خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ رات کو ہی نشتر ہسپتال ملتان پہنچے۔ اللہ بھلا کرے نشتر ہسپتال کے معروف سرجن ڈاکٹر مشتاق خان کا جو شجاع آباد کے بیٹ کے علاقے کے رہائشی ہیں، ہمارے والد محترم رحمہ اللہ کے معتقد بھی ہو گئے تھے، انہوں نے پوری جانفشانی سے ایک ٹانگ سے رگ کاٹ کر دوسری ٹانگ میں رگ جوڑی۔ آپریشن ناکام ہونے کی صورت میں ٹانگ کٹنے کا اندیشہ بھی بتایا، لیکن حق تعالیٰ کی عنایت سے آپریشن کامیاب ہو گیا، پرانا مرض اسی طرح قائم تھا، ہفتہ میں تین بار گردوں کی صفائی کا عمل ہوتا رہا، تقریباً ڈیڑھ سال گزر گیا۔

گردے کی تبدیلی بھی کوئی سہل کام نہیں، یہ نہایت مشکل، نہایت مہنگا، مشکل اور خطرناک ترین آپریشن ہوتا ہے، گردوں کی صفائی اور دیگر ادویات پر کم و بیش چالیس ہزار روپیہ ماہوار خرچ ہو جاتے تھے، دیگر سفری اخراجات اس کے ماسوا تھے۔ گردے کی تبدیلی کے لیے سی ایم ایچ راولپنڈی کا رخ کیا، ٹیسٹ ہوئے تو معلوم ہوا ہیپاٹائٹس سی (کالا یرقان) کا مرض لاحق ہو چکا ہے۔ خاتون ڈاکٹر نے انجکشن لگوانے کا مشورہ دیا، تقریباً چھ ماہ تک انجکشن لگوانے کے بعد چیک اپ کے لیے دوبارہ جانا ہوا، پی سی آر ٹیسٹ کرایا گیا، معلوم ہوا کہ مرض ابھی جوں کا توں ہے۔ اس خاتون ڈاکٹر نے گردے کی تبدیلی کے آپریشن کا امکان مسترد کرتے ہوئے لاعلاج قرار دے دیا۔ میرے والد محترم حضرت مولانا رشید احمد رحمہ اللہ باوجود اپنی نقاہت، ضعف اور پیرانہ سالی کے اپنے ستائیس سالہ جوان بیٹے کی زندگی اور صحت کے لیے اپنا مرض، ضعف اور پیرانہ سالی بھول چکے تھے۔ وہ دن رات میری صحت کے لیے کوشاں تھے، کبھی دعاؤں میں مشغول ہوتے، کبھی عملیات کا سہارا لیتے، ساتھ ساتھ علاج معالجہ، طب یونانی، ہومیو پیتھک وغیرہ کرواتے رہے۔ ابھی علاج تو جاری تھا، ڈاکٹر کے اس جواب پر پورا خاندان اور گھرانہ ایک لمحے کے لیے سکتہ میں آ گیا۔ مایوسی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

راولپنڈی سے واپسی پر برادری کے ایک بزرگ جناب خواجہ حاجی عبدالرزاق مرحوم جو میری والدہ کے پھوپھا، بڑے بھائی مفتی محمد ارشد زید مجدہم کے دادا سسر اور حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کے مسترشد تھے، گھر تشریف لائے، دلاسہ دیا اور ساتھ ہی مشورہ دیا کہ حرمین

شریفین جا کر حق تعالیٰ سے دعائیں کریں، اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، ہمارے والد محترم رحمہ اللہ تو پہلے سے ایک گونہ مطمئن تھے، یہ سنتے ہی فوراً تیار ہو گئے۔ ویزہ کی درخواست دے دی گئی، احقر تو کئی مہینے اپنی لاچاری کی وجہ سے زمین پر پاؤں نہ رکھ سکا، اتنے لمبے اور کٹھن سفر کا عمل بظاہر سمجھ سے بالا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ بلاشبہ استقامت کا پہاڑ تھے، انہوں نے عزم بالجزم فرمالیا، ساٹھ سال کی عمر میں اپنے جواں سال بیمار بیٹے کو وہیل چیئر پر عمرہ کرانے کا عزم کیا اور احقر کو لے کر حرمین آ گئے۔

یہ عاجز وہیل چیئر پر تھا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ وہیل چیئر چلا رہے تھے، طواف شروع کیا، باپ بیٹے پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ ایک صاحب نے بوڑھے باپ کو جواں سال بیٹے کی کرسی چلاتے دیکھ کر کہا، معاملہ الٹ ہونا چاہئے تھا، جواں بیٹا بوڑھے باپ کو وہیل چیئر پر طواف اور سعی کرواتا..... تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور ساتھ ہی میرا دل بھی غم سے بھر آیا۔ طواف و سعی کی، عمرہ مکمل ہوا، مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت مقام زمزم تہہ خانہ میں باقی تھا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کرسی پر ہی نیچے لے گئے، زمزم نوش فرمایا، مجھے بھی پلایا، حالانکہ پانی پینا منع تھا، پیشاب بالکل بند تھا، اس کے ساتھ ہی گردوں کے مقام پر پانی چھڑکا، رات کو حطیم میں کھڑے ہو کر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بتائے گئے طریقے کے مطابق صلوۃ الحاجات ادا فرمائی اور مسلسل ایسا کرتے رہے۔ حرمین میں ہر مقبول مقام پر ہم دونوں اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہے، والد گرامیؒ نے ایک شب لمبی دیر حطیم میں نوافل، اذکار اور دعاؤں کا اہتمام کیا۔ واپسی پر تقریباً ۸۰ لیٹر زمزم بھی ساتھ لائے، اور تقریباً ایک سال تک احقر یہی پانی استعمال کرتا رہا۔ چونکہ پانی کم پینا ہوتا اس لیے بھی پانی کافی ہو گیا۔ اس مقام اور دعاؤں کی برکت، بحمد اللہ! یہ عاجز اٹھارہ سال گزر جانے کے باوجود زندہ ہے۔ بحمد اللہ صحت بھی واپس مل گئی ہے، حق تعالیٰ نے ان ہونے کام کو وجود بخشا۔

۱۹۹۷ء میں ایام علالت میں حرمین شریفین کے دو سفر ہوئے، ایک سفر تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی معیت میں تھا، جس کی تفصیل گزشتہ سطور میں تحریر کی جا چکی ہے، اس سفر سے واپس آ کر ایک بار پھر حرمین شریفین کی حاضری کا داعیہ پیدا ہوا۔ ضلع لیہ سے ہمارے

جامعہ کے ایک طالب علم مولوی محمد طارق سلمہ (جس کے بھائی مفتی ضیاء الحق عرصہ تقریباً دس سال ہمارے جامعہ میں زیر تعلیم رہے) کے والد محترم جناب محمد اقبال صاحب نے محمد طارق کو اپنے خرچہ پر خدمت کے لیے ساتھ کرنے کی پیشکش کر دی۔ کچھ دیگر اعزہ بھی حرمین کے سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حرم مکہ میں حاضری ہوئی اور حاضر ہوتے ہی ابتلاء میں آ گئے۔ حسب دستور مسجد حرام میں قائم وہیل چیئر کے ادارہ میں احباب میرا پاسپورٹ جمع کرا کر وہیل چیئر عاریتاً لے آئے۔ ابھی وہیل چیئر پہنچی ہی تھی، طواف کا ارادہ کر رہے تھے کہ یہاں مقیم کچھ احباب ملاقات کرنے تشریف لائے۔ ترکی برآمدہ میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا، وہیل چیئر ساتھ ہی کھڑی کر دی گئی، ابھی حال احوال جاری تھے، اچانک نظر پڑی تو وہیل چیئر غائب تھی۔ کوئی شخص شاید چرا کر لے گیا۔ فوراً احباب اٹھے اور دائیں بائیں تلاش شروع کر دی۔ تلاش بسیار کے باوجود وہیل چیئر نہ ملی، سبھی احباب نے کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس پریشانی کا عارضی حل تو یہ نکالا گیا کہ رفیق سفر کا پاسپورٹ جمع کروا کر ایک اور وہیل چیئر لی گئی، عمرہ کی تکمیل ہوئی، وہ دن گزر گیا، اگلا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ پاسپورٹ کی واپسی اس بات پر مشروط تھی کہ وہیل چیئر واپس لائی جائے، دوسری جانب گردوں کی صفائی کا عمل ہر دوسرے دن کروانا پڑتا تھا۔ مکہ مکرمہ کے معروف ہسپتال مستشفیٰ الظاہر میں گذشتہ سفر میں یہ عمل جاری رہا، اب کی بار بھی ہسپتال جانا تھا، لیکن ہسپتال میں پاسپورٹ کے بغیر علاج ممکن نہ تھا، چنانچہ گردوں کی صفائی کے عمل میں پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے ایک دو روز کی تاخیر ہو گئی، بایں وجہ طبیعت میں اضطراب اور بے چینی بڑھ گئی۔ بلڈ پریشر اور سوجن میں اضافہ ہو گیا، جسم میں پانی بھر جانے کی وجہ سے چہرہ اور پاؤں پھول گئے تھے۔

عصر کی نماز حرم میں ادا کی، نماز سے فراغت پر اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا آ گیا، سامنے بیت اللہ تھا، حضرت ام ہانیؓ کے مقام پر بیٹھا ہوا تھا، جو باب عبدالعزیز (سابقہ) سے گزر کر ترکی برآمدہ سے ذرا پہلے اونچے برآمدہ میں تھا۔ حرم کی توسیع میں یہ مقام بھی دیگر تاریخی مقامات کی طرح معدوم ہو گیا۔ روتے ہوئے دل وزبان پہ آیا: اے اللہ! کعبہ میں تو مسلمان آپ کا مہمان ہوتا ہے، اپنے ایک لاچار معذور اور بے بس مہمان کے ساتھ یہ سلوک؟...... دعا ختم کی اور وہیں لیٹ گیا۔

حق تعالیٰ کے ساتھ مؤدبانہ گلہ کر کے کسی بھی شخص سے بات کیے بغیر غالباً منہ پر کپڑا ڈالے لیٹا تھا، بے چینی واضطراب کی وجہ سے رونا آرہا تھا، مرض کا کرب اور سفر کی مشقت اس تکلیف میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر گزری، ایک صاحب جو غالباً میرے گردونواح میں کہیں تشریف فرما تھے، نہ میں ان سے واقف تھا، نہ وہ مجھ سے واقف تھے، اٹھ کر میرے پاس آگئے سلام کیا اور عربی میں سوال کیا: اتعبان انت؟ کیا تم بیمار ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا، اس نے بیماری پوچھی، میں نے عربی میں اسے بتادی، اس نے پریشانی کا سبب دریافت کیا، میں نے پاسپورٹ کی کہانی اسے سناڈالی، اس نے میرا نام پوچھا اور اٹھ کر چلا گیا۔ ٹھیک دس منٹ بعد واپس آیا اور کہا: لیجیے پاسپورٹ! پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا، احقر نے پاسپورٹ لیا اور خالق کی مہربانی اور میزبانی، حاجت روائی اور مشکل کشائی پر ایمان میں اضافہ ہوا۔ نیز یقین ہو چلا کہ جو رب تیرا پاسپورٹ اس طریقے سے تجھے واپس دلا سکتا ہے، وہ تجھے صحت بھی عنایت کر سکتا ہے۔

بندہ نے تو اللہ تعالیٰ سے اس موقعہ پر پاسپورٹ کا سوال کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہمان نوازی کا اندازہ لگایئے کہ اس سارے سفر کی جملہ ضروریات کا خزانہ غیب سے انتظام بھی کر دیا۔ وہ یوں کہ اگلے روز اسی مقام پر ایک اجنبی شخص میرے لیے فولڈنگ فرشی کرسی لائے، جس پر سہارا لے کر حرم میں بیٹھنا آسان ہو گیا۔ وہ کرسی بحمد اللہ ابھی تک میرے پاس موجود ہے، جس پر بیٹھ کر عاجز متعدد بار تفسیر قرآن کریم کے تین تین گھنٹوں پر مشتمل دروس پڑھا چکا ہے۔ پھر ایک آدھ روز بعد یہی شخص یا کوئی اور میرے رفیق سفر کو اپنے ہمراہ کسی بلڈنگ میں لے گئے اور مستقل وہیل چیئر ہدیہ کی۔ یوں حق تعالیٰ نے کمال درجہ کی مہمان نوازی فرمائی۔

آئندہ سال شعبان المعظم میں میرا آپریشن ہوا، اس موقع پر میرے ایک بزرگ جناب خواجہ احسان الحق مرحوم عمرہ پر گئے ہوئے تھے، ان سے اسی صاحب نے میرے متعلق دریافت کیا، انہوں نے بتایا کہ اس کے گردے کی تبدیلی کا آپریشن ہوا ہے، اس پر اسی شخص نے مبلغ پندرہ سو ریال ہدیہ ان کے ہاتھ مجھے ارسال کیے۔ نجانے اس شخص کا کیا نام تھا، اور وہ کون تھا۔ حقیقت میں یہ حرم کی میزبانی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے۔

اگر میرا نظریہ درست ہے تو ایک بار ٹھیک فرما دیجئے!

یہ عاجز شروع ہی سے دینی اُمور میں مصروف تھا۔ 1989ء میں فراغت تعلیم سے ہی تدریس وتبلیغ دین شروع کر دی تھی۔ ہر اہم موضوع پر بیان، ہر فتنہ کا رد جوانی میں زوردار ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے کئی طبقوں کے ساتھ فکری محاذ آرائی بھی تھی۔ جنون اور جوش جوانی نے اس میں کچھ شدت بھی پیدا کر دی تھی۔ عین عنوان شباب میں لاحق اس مرض پر کئی لوگوں نے آوازے کسے۔ کسی نے تقریر میں اپنی مخالفت کا نتیجہ قرار دیا، کسی نے اپنے بڑوں کی توہین پر ''عذاب خداوندی میں گرفتار'' قرار دیا، تو کسی نے مسرت کا اظہار کیا۔ یہ باتیں جب پہنچتیں تو بیماری کے درد سے بڑھ کر الم وکرب محسوس ہوتا۔

اس طرح کا ایک واقعہ حرم میں بھی پیش آیا۔ ایک مسلک کے احباب جن سے ایک گونہ تعلق بھی تھا، نے مشورہ کیا کہ ''زبیر'' شاید ہماری مستقل مخالفت اور ہمارے فلاں بزرگ کی تردید کے جرم میں ماخوذ ہے۔ کسی طرح اس سے کہو یہ حرم آیا ہوا ہے، توبہ کر لے۔ چنانچہ کچھ حضرات نے بندہ کے پاس آ کر کنائی الفاظ میں اس مفہوم کی گفتگو کی، شاید تم نے کبھی کسی بزرگ کے خلاف باتیں کی ہوں، شاید یہ کہا ہو، شاید یہ کہا ہو...... توبہ کرنی چاہیے...... بندہ نے انہیں بتایا کہ بحمد للہ! میں بزرگوں کا احترام کرتا ہوں اور کبھی حق کی مخالفت نہ کی ہے نہ کروں گا، میرے سامنے تفصیل نہ تھی۔

ایک نوجوان میرے پاس آئے اور انہوں نے میرے سامنے اس طبقہ کے مشورہ کی پوری روئیداد بیان کی، بندہ نے سن کر غلاف کعبہ پکڑ کر حق تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میری بیماری میں کوئی مجھے توحید کا منکر، کوئی گستاخ رسالت، کوئی گستاخ اہل بیت کے جھوٹے الزام لگا رہا ہے، اے اللہ! بیماری تو آپ نے دی ہے اور آپ ہی شفا دینے والے ہیں، اے اللہ! اگر میری زندگی پوری بھی ہو چکی ہو تو مجھے ایک بار ضرور شفا عطا فرما دیجیے، تا کہ میں اسٹیج پر آ کر قرآن و سنت بیان کروں۔ ان طعنہ زن لوگوں کا جواب بھی ہو جائے، حق واضح ہو اور ان طعنہ زنوں کی حوصلہ شکنی ہو جائے، پھر مجھے آپ موت دے دیں۔ حق تعالیٰ نے کرم فرمایا، صحت نصیب ہوئی اور قرآن وسنت جو اپنے اسلاف ومشائخ سے سمجھا، اسے ہر فورم پر واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/ مارچ 2015ء)

صلِّ علیٰ محمد ﷺ

سرورِ کونین، امام الانبیاء، سید المرسلین، فخرِ موجودات حضرت "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداہ ابی وامی کی ذاتِ بابرکات کو آپ کے خالق ومالک، محب اور محبوب نے بھلا کونسی رفعت اور کس کمال سے نہیں نوازا؟۔ کمالِ علمی، کمالِ عملی، کمال جسمانی، کمالِ روحانی، کمالِ نبوت، کمالِ رسالت، تکمیلِ شریعت، کمالِ کتاب، کمالِ سنت، کمالِ امت، کمالِ قبلہ، کمالِ رفقاء، کمالِ اہل خانہ، کمالِ شہر، کمالِ معجزات، الغرض آپ کو مجموعۂ کمالات بنادیا۔ بقول حضرت نانوتویؒ:

جہاں کے سارے کمالات اک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

ایک موجد جب کوئی عجیب وغریب چیز اختراع کرتا ہے، تو سب سے پہلے خود ہی اس کا تعارف اور اس کی تعریف وتوصیف کیا کرتا ہے، خالق لم یزل نے بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سراپا کمال بنا کر اپنی کتابِ لم یزل میں مختلف اسلوب وانداز بیان کے ساتھ تعارف کروایا ہے۔ خود بھی تعریف وتوصیف فرمائی اور اپنے ملائکہ وخواص کی حمد وثناء کا ذکر فرما کر اہلِ ایمان سے بھی اسی کارِ خیر کا تقاضا فرمایا۔

قرآن کریم کی سورۃ الاحزاب اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آداب وحقوق کے بیان پر مشتمل ہے، اس سورۃ میں حق تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو خصوصی حکم بھی ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (الاحزاب:۵۶)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے یہ خدائی اعزاز آپ کے اعجاز کی بین دلیل

ہے، اہل علم نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلوٰۃ بھیجنے کے مفہوم و معنی کو واضح فرمایا ہے۔ ابو العالیہؒ نے اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف کرنا اور ذکر کرنا کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے صلوٰۃ اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے خاص مغفرت اور رحمت سے کیا ہے، اسی طرح صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہے، اس کا مفہوم اللہ کی جانب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کے اظہار سے بھی کیا گیا ہے، گویا کہ مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی تعریف وتوصیف اور تعظیم کرتے ہیں، اپنے نبی کو مغفرت و رحمت کے ساتھ متصف کرتے ہیں۔

فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی اہل علم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے دعائے برکت کرنے، دعائے مغفرت کرنے اور دعائے تعظیم کرنے سے کیا ہے، گویا کہ ملائک وفرشتے ہمہ وقت بارگاہِ ایزدی میں مشغول دعا رہتے ہیں کہ رب العالمین اپنے حبیب کو ڈھیروں برکتیں اور رفعتیں عطا فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کو بلند فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رحمت خاصہ سے نوازیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وتوقیر میں اضافہ فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو غلبہ نصیب فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمنوں کو خائب وخاسر فرمایئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گستاخوں کو ناکام ونامراد فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی سنت مطہرہ کے بیان کے بعد ایمان والوں کو یہ حکم دیا گیا کہ:

''اے ایمان والو! تم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ''صلوٰۃ'' بھیجو''

عموماً صلوٰۃ کا ترجمہ ''درود'' سے کیا جاتا ہے، حقیقت میں صلوٰۃ کا مفہوم تعظیم وعظمت ہے، ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم وتوقیر فرما، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم دنیوی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کو بلند کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کو غالب کردیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت مطہرہ کو بقاودوام بخشیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُخروی تعظیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ڈھیروں بدلے عطا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو شافع بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

شفاعت کو قبول فرمائیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنت کا مقام عالی اور مقام محمود نصیب فرمائیں، غرض "صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" کے مختصر سے جملے میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ڈھیروں دعائیں رب تعالیٰ سے طلب کی جاتی ہیں۔

حضور علیہ السلام کے لئے تعمیل ارشادِ خداوندی میں نماز میں دورد پاک اور "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" کے جملے سے اور نماز سے باہر "صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" وغیرہ کے جملے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے صلوٰۃ وسلام کو مختص کیا جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ سلام کا کیا مفہوم ہے؟

اہل علم نے ذکر فرمایا کہ لفظ "سلام" اسماء خداوندی میں سے ہے جس کا معنی ہے سلامتی، جس کا مفہوم ومطلب واضح ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کے لیے سلامتی کی دعا ہے کہ اے اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہر آفت، ناپسندیدگی، دکھ، تکلیف سے محفوظ فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو کمی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کو کمزوری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کتاب وسنت کو مٹنے، اور بدلنے سے محفوظ رکھ۔

یقیناً حق تعالیٰ نے دونوں نعمتیں اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہلے سے مرحمت فرمائی ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تعریف وتوصیف سے بھی نوازا ہوا ہے، قرآن کریم میں جابجا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وثناء کا مضمون مذکور ہے، اذان، نماز، کلمہ سبھی مقامات پر حضور علیہ السلام کی ثناء کی گئی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقامِ عالی بھی بیان کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے رحمت خاصہ اور مغفرت کا اعلان بھی کر دیا گیا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہر آفت،، بلا، مصیبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو مٹ جانے سے بھی محفوظ رکھا ہوا ہے، لیکن درود وسلام کے ذریعہ اہل ایمان کے لئے بلندی درجات، مغفرت ذنوب اور حصول رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا، یہی وجہ ہے کہ جو مسلمان جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کثرت سے درود وسلام کا اہتمام کرتا ہے، اسی قدر اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، درجے بلند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں درود وسلام یقیناً دربارِ حق تعالیٰ میں قبول ومنظور

ہوتا ہے، اس لیے درود وسلام کی برکت سے دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، اور عبادات بھی، درود وسلام کے ساتھ قبولیت دعا کی مثال بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہ چند بے قیمت چیزوں کو نہایت ہی قیمتی فائدہ مند چیز کے ساتھ فروخت کیا جائے تو لوگ اس قیمتی چیز کی وجہ سے بے قیمت اشیاء بھی خرید لیا کرتے ہیں، اہل ایمان کی ناقص عبادتیں، دعائیں اور اعمال بھلا کیسے بارگاہِ ایزدی میں شرف قبولیت پا سکتے تھے، یہ تو کرم ہوا ربِ محمدؐ کا کہ اس نے ہمیں صلوٰۃ وسلام کا حکم دیکر ہماری ناقص عبادات، ادعیہ اور معمولات کی قبولیت کا ذریعہ بنا دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(سنن الترمذی ۱/ ۶۱۴)

"دعا آسمان وزمین کے درمیان موقوف رہتی ہے جب تک کہ تم اپنے نبی پر صلوٰۃ نہ بھیجو"

اہلِ علم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حقوق ذکر فرمائے ہیں، ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود بھیجا جائے۔

صاحبِ حق کا حق ادا کرنے کی صورت میں صاحبِ حق کا قرب نصیب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنے کی برکت سے روزِ محشر آپ علیہ السلام کا قرب نصیب ہوگا۔ اس حقیقت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود یوں بیان فرماتے ہیں:

أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً

(سنن الترمذی: ۲/ ۳۵۴)

"روزِ محشر لوگوں میں سے میرا سب سے قریبی وہ ہوگا جو کثرت سے مجھ پر درود بھیجے گا۔"

جو اِر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سعادت عظمیٰ کا مستحق کثرت سے درود بھیجنے والا

شخص ہے، علامہ سخاویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''القول البدیع'' میں بشارت کا سب سے زیادہ مستحق ان علماء کو قرار دیا ہے، جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث مبارک کے خادم ہیں اور دن رات درسِ حدیث میں مشغول رہتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ سب سے زیادہ درود پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کذب وافترا کی نفی کرتے ہیں، صحیح اور ضعیف احادیث میں تمیز کرتے ہیں، من گھڑت اور اصلی احادیث کا فرق بھی امت کو بتاتے ہیں، گویا کہ یہ لوگ قولاً وفعلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور دن رات صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر صلوٰۃ بھیجنے والوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے بے شمار انعامات نصیب ہوتے ہیں۔ایک حدیث میں ارشادِ گرامی ہے:۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا

(سنن ابی داؤد:۱/ ۵۶۲)

''جس کسی نے مجھ پر ایک مرتبہ صلوٰۃ بھیجا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔''

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود شریف بھیجنے کی مقبول نیکی پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے دس نیکیاں یعنی دس گناہ معاف ہوتے ہیں نیز دس درجے بلند ہوتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ربیع الاول/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ/فروری/ مارچ 2013ء)

اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
اور اصلاحِ معاشرہ

بلاشبہ انسانیت ایک بار پھر سے ہوا وہوس، حرص و طمع، اخلاقی گراوٹ، معاشی ناہمواری، معاشرتی جبر، ظلم واستبداد، مکروفریب، قتل وغارت گری، لوٹ مار، ناانصافی، جہالت، اعتقادی زبوں حالی، شیطان پرستی، اور باطل پرستی کا شکار ہو چکی ہے۔ لوگ درندگی پر اُتر آئے ہیں، عزتیں تار تار ہو رہی ہیں، خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کے لیے چار، چار، پانچ، پانچ سال کی معصوم بچیوں کو تختہ مشق بنا کر بے دردی سے قتل کیا جارہا ہے، چند روپوں کے حصول کے لیے بے دریغ انسانی خون بہایا جارہا ہے، دو نوالوں کی خاطر ماں اپنی ممتا کو چیر پھاڑ رہی ہے، روٹی مانگنے پر سنگدل باپ اپنی اولاد کو قتل کر رہا ہے، قوم کے راہنما لٹیرے بنتے جارہے ہیں، استاذ کا مقدس رشتہ طمع ولالچ اور درندگی کے ساتھ آلودہ ہو گیا ہے، فراڈ، ناپ تول میں کمی، بددیانتی اور خیانت کو مہارت، جبکہ حیوانیت کو انسانی عروج سمجھا جارہا ہے، حق گو اور سچ بولنے والوں کو نادان و بے وقوف سمجھا جاتا ہے، اللہ ورسول کی بات کرنے والوں کو دیوانہ اور خبطی کہا جانے لگا ہے، زر اور زور کامیابی کے ہتھیار بن گئے ہیں، دنیا کی ایک دوڑ ہے، مرنے کے بعد زندہ ہونے اور جواب دہ ہونے کو بھلایا جاچکا ہے۔

حکمران بے رحم، گونگے، بہرے اور اندھے نظر آتے ہیں۔ تھانے عقوبت خانوں اور رشوت کدوں میں تبدیل ہو چکے ہیں، عدالتیں ظلم کدہ بن گئی ہیں۔ غریب غریب تر اور امیر امیر تر بنتا جارہا ہے۔ سود اور جوئے جیسی لعنتیں معاشرے کے رگ وریشہ میں پیوست نظر آتی ہیں۔ شراب پانی کی طرح عام ہو چکی ہے۔ مذہب کے نام پر فرقہ واریت اور جہاد کے نام پر فساد بپا ہے۔ پیری مریدی کے نام پر مال وعزت کی لوٹ مار بھی کسی سے مخفی نہیں۔ تعلیم جیسی بنیادی اور

ضروری چیز کو صنعت و تجارت بنا دیا گیا ہے۔ صحت کا حصول عنقا ہو چکا ہے۔ غریب بے چارہ علم اور صحت سے محروم نظر آتا ہے۔ آزادی کے نام پر آوارگی اور انسانی حقوق کے نام پر مذہب بیزاری پھیلائی جا رہی ہے۔

الغرض! یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک بار پھر زمانہ جاہلیت لوٹ کر آیا ہے۔ اس جہالت سے نجات بھی صرف اور صرف اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہی ممکن ہے۔ "جہالت اولیٰ" کا وہ عہد جو بعثت نبوی سے قبل تھا۔ اس میں بھی حالات اس قدر زیادہ برے تھے، انسانیت کے لیے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نجات نہ دولت کے ذریعہ ممکن تھی، نہ کسی فلسفہ اور نہ ہی کسی انسانی فکر و نظریہ سے۔ ان مایوس کن حالات میں حق تعالیٰ نے شمع نبوت کو روشن کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انقلاب بپا ہو گیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی ایمان و اخلاق کی ایسی مبارک ہوائیں چلیں، جن سے بداعتقادی، بدعملی، بے حیائی، طمع و لالچ، جنگی جنون، ہوا پرستی، شہوات و لذات کی حرص، اولاد سے نفرت، ماں باپ سے بغاوت، بے حسی، خود غرضی، قتل و غارت گری، معاشی ناہمواری، لوٹ مار، درندگی، فتنہ و فساد، شراب و سود، جوئے بازی، حرام خوری، شیطان کی پوجا، بتوں کی پرستش، اوہام پرستی، سبھی کا خاتمہ ہو گیا۔ برائیوں کی جگہ نیکیوں نے لے لی۔ طمع و خود غرضی کے خاتمہ کے ساتھ نئے معاشرے میں ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوا۔ خدا خوفی اور تقویٰ سے لوگ مزین ہو گئے۔ گمراہ لوگ ہادی بن گئے۔ مدینہ منورہ میں ایک مثالی اور فلاحی ریاست قائم ہوئی، جس کے نتیجہ میں انسانیت نے امن اور سکون کا سانس لیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی انسانیت کی ہدایت کے لیے خدائی ہدایت نامہ یعنی قرآن کریم کا نزول شروع ہو گیا۔ کتاب خداوندی کی تشریح، تفسیر، توضیح اور عمل درآمد کے لیے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب اطہر پر "وحی غیر متلو" کا فیضان بھی جاری کیا گیا۔ وحی الٰہی کے علوم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علم و معرفت کے دریا جاری فرما کر پیاسی انسانیت کو سیراب فرما دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں: مکی زندگی اور مدنی زندگی۔ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکی زندگی کا حاصل وخلاصہ نظریات وعقائد کی تطہیر، حق تعالیٰ کی معرفت، تعلق باللہ، نبوت کی ضرورت اور عقیدہ آخرت کی اہمیت وتفصیلات تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دلائل وبراہین، آیات بینات، حیران کن طرز کلام اور مسکت دلائل سے شرک کے ماحول میں توحید خداوندی کو کھول کھول کر بیان فرمایا اور اس بات پر زور دیا کہ بندہ کا تعلق خدا تعالیٰ سے کیسے ہونا چاہیے؟ اس کی بندگی وعبادت کے بغیر اس کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ذات واحد عبادت وریاضت کے لائق ہے۔ وہ وحدہ لاشریک، نفع ونقصان کی مالک ذات ہے۔ ان کے سوا کوئی معبود والٰہ نہیں ہے۔ یہی جملہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا حاصل اور خلاصہ ہے اور یہی عقل ودانش کا تقاضا۔

معبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ جملہ مخلوقات کے حالات سے واقف اور باخبر ہو، نیز اسے ہر چیز پر قدرت ہو، وہ نیست کو ہست اور بود کو نابود، عدم کو وجود اور وجود کو عدم میں تبدیل کر سکتا ہو۔ اسے کسی کی احتیاج نہ ہو، اس کی رحمت بھی کامل اور فیاضانہ ہو۔ ہمہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اس کا علم کامل ہے، اس سے کوئی خبر مخفی نہیں، باقی ساری کائنات کا علم محدود ہے، اس کا علم غیر محدود ہے۔ وہ علی کل شئی قدیر ہے، وہ ارحم الراحمین ہے، لہٰذا معبود برحق صرف اللہ ہے۔ اسی سے لو لگاؤ، اسی پر توکل کرو، اس کا تقویٰ اختیار کرو، اسی کے لیے زندہ رہو، اسی کے لیے جیو، اسی کے لیے مرو۔ اسی کا ہر لحہ وہر دم لحاظ رکھو۔ ہر نعمت اس کی عطاء ہے، لہٰذا اس کا شکر کرو۔ اسی سے اپنا رشتہ ناطہ جوڑو، باقی سب ناطے توڑو۔ یہ عقیدہ توحید کا خلاصہ ہے۔ جسے مکی زندگی میں پیش کیا گیا۔ اس مبارک عقیدہ کو اختیار کرتے ہی بندے سے آدھی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ تقویٰ اور خوفِ خدا کی برکت سے ہمہ قسم کی برائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بندہ قانون سزا اور خوف خدا کے سبب جرائم سے باز آ جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ہمہ وقت ذکر خداوندی کی تلقین ہے۔ اذان، نماز، تلاوت قرآن کریم اور تسبیحات مختلف اوقات ومواقع کی دعائیں سبھی یہی درس یاد دلاتی ہیں کہ اسی سے ڈرو۔ اسی کا حکم مانو۔ اس کی نافرمانی سے باز آ جاؤ، مخلوق کی بجائے خالق کی پوجا کرو۔

عقیدۂ توحید کے ساتھ عقیدۂ آخرت بھی جڑا ہوا ہے، اس لیے قرآن کریم نے توحید اور عقیدۂ قیامت کو یکساں ایک ساتھ بیان کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر انسان کو مرنے کے

بعد اللہ تعالیٰ نے قبر عطا کی ہے، قبر ایک انتظار گاہ ہے، قبر میں سوال و جواب ہونا ہے، نیز دنیا کے حسن اعمال کی وجہ سے قبر جنت کا باغ اور سوء اعمال کی وجہ سے قبر دوزخ کا گڑھا بن جاتی ہے۔ پھر ایک روز صور پھونکا جائے گا، جس سے پوری کائنات ہلاک ہو جائے گی، دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا، تو سب لوگ زندہ ہو جائیں گے اور انہیں وہی رب زندہ کرے گا، جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں، پھر سب لوگوں سے ان کی زندگی سے متعلق حساب و کتاب ہوگا، سبھی کے اعمال ان کے اعمال نامہ میں محفوظ ہوں گے اور ہر چھوٹا بڑا عمل اس میں مکتوب ہوگا، ان اعمال کا وزن ہوگا، کامیاب لوگ دائمی زندگی حاصل کر کے جنت میں اور ناکام دوزخ میں جائیں گے، جنت ہر خواہش کی تکمیل کا نام اور دوزخ دکھ، درد، خطرناک آگ، دھویں، گرم پانی اور خاردار جھاڑیوں کا نام ہے۔

عقیدۂ آخرت کی برکت سے انسان بدعملی، ظلم و ستم، حق تلفی جیسے جرائم سے باز آ جاتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، کل مجھے اس کا جواب دینا ہے، میری خلوت ساری دنیا کے سامنے جلوت میں بدل جائے گی، میرا ہر ہر عمل مکتوب ہے، نیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نکل نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ تو سفارش ہوگی، نہ فدیہ وزور چل سکے گا اور نہ ہی دولت وہاں پر کام آئے گی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان نظریات کو دلوں میں پیوست فرما کر عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح فرمائی، اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عقیدہ رسالت اور قرآن کریم کی حقانیت کو واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا۔ مدینہ منورہ میں ایک نئی ریاست قائم فرمائی، یہاں عرب کے مختلف قبائل کو جمع فرمایا، ان میں بیشتر قبائل وہ تھے، جو صدیوں سے ایک دوسرے سے برسرپیکار اور کئی نسلوں سے کشت و خون کر رہے تھے، یہ لوگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کو بھی تیار نہ تھے، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کی برکت سے شیر و شکر ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں ریاست کے قائم ہوتے ہی اسلام کے لیے ہجرت لازمی قرار دے دی گئی، اس کے نتیجہ میں اطراف عرب سے لوگ اپنا گھر بار ترک کر کے مدینہ منورہ جان گزین

ہو گئے۔ ان نئے خالی ہاتھ مہاجرین کی سکونت، روزگار اور گھر بار کی فراہمی ایک بڑا مسئلہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بے گھر اور بے روزگار مہاجرین کے لیے مدینہ منورہ کی مقامی آبادی میں اس قدر جذبہ ایثار و خدمت پیدا فرما دیا کہ انصار مدینہ نے ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی قرار دے کر اپنی جائیداد اور اپنی رہائش میں حصہ دار بنا دیا۔ ان میں اس قدر "اخوت" قائم فرمائی کہ ابتدا میں تو ان میں باہمی طور پر وراثت کو بھی جاری فرما دیا، یعنی مہاجر و انصار ایک دوسرے کے وارث بھی قرار دیے جاتے تھے، بعد میں وراثت کا حکم منسوح ہو گیا۔ اس اخوت کی برکت سے ان میں باہمی رقابت، عصبیتیں، جاہلانہ حمیت و غیرت سبھی ختم ہو کر رہ گئیں۔ یوں فتنہ و فساد، قتل و غارت گری، جنگوں کا لامتناہی سلسلہ، جیسے مسائل دنوں میں قابو میں آ گئے۔

اس سب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کی تعلیم، تربیت، تزکیہ اور تطہیر اخلاق کی بھرپور جدوجہد فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی برکت سے روز افزوں اخلاقی ترقیات نصیب ہوتی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایذاء مسلم کی حرمت، دوسروں کو نفع پہنچانے کی اہمیت، سلام کے افشاء، بھوکوں کو کھانا کھلانے، ننگوں کو کپڑے پہنانے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کا خیال کرنے، اسلامی اخوت و بھائی چارے، ظلم نہ کرنے، دوسروں کی حاجات کو پورا کرنے، رحم و نرمی کرنے، دوسروں کی پردہ پوشی کرنے، گالم گلوچ سے دور رہنے، تکلیف دہ چیزوں کو راستے سے ہٹانے، صبر و قناعت، حلم و حوصلہ جیسے انسانی کمالات کو لوگوں کے دل و دماغ میں پیوست فرما دیا۔ حب جاہ اور حب مال جیسے موذی امراض، ان کے قلوبِ مبارکہ سے کھرچ لیں۔ انہیں اخلاق عالی کا پیکر بنا دیا، وہ خدا کے عبادت گزار اور مخلوق کے خدمت گزار بن گئے۔ بزدلی اور بخل کو بہادری اور سخاوت میں بدل کر انہیں اعلیٰ اقدار مرحمت فرمائیں، ساتھ ہی ساتھ جاہلانہ عصبیتیں، رنگ و نسل کا امتیاز، دولت و سطوت کا غرور، سبھی کا خاتمہ فرمایا اور یہ حقیقت دل و دماغ میں پیوست فرما دی کہ سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے تخلیق ہوئے، کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر اور سرخ کو سفید پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت صرف اور صرف تقویٰ، خوف خدا، اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی وجہ سے ہے۔

تقویٰ اور خوف خدا کے احیاء کے علاوہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جزا اور سزا کا

منصفانہ نظام جاری فرمایا۔ اس نظام میں نہ تو رشوت کا تصور تھا، نہ سفارش کا، نہ ہی انتقام کا عنصر اور نہ ہی کسی کی رعایت کا۔ انصاف فوری ہر ایک کے لیے جاری فرما دیا۔ سنگین جرائم کی سزائیں بھی سنگین مقرر کی گئیں۔ معمولی جرائم کی سزائیں حاکم وقت کی صواب دید پر چھوڑ دی گئیں۔ معاشی لحاظ سے سود سے پاک معیشت کا اجراء کیا گیا۔ تجارت کی خوب حوصلہ افزائی کی گئی۔ مدینہ منورہ میں یہودی تسلط سے آزاد مارکیٹ قائم کرائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی کی۔ تجارت میں صداقت، امانت، ناپ تول میں برابری کو رواج دیا۔ ملاوٹ اور دھوکہ دہی کی حرمت کو واضح فرمایا۔ اس سب کی برکت سے تنگدستی، خوشحالی میں بدل گئی۔

انصار مدینہ کا پیشہ زراعت تھا۔ زراعت کو بھی بہترین اصولوں پر استوار فرمایا۔ دھوکہ پر مبنی زراعت کو ناجائز قرار دیا۔ باغات اور فصلوں کے اگنے سے پہلے خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا، تاکہ کسی فریق کا نقصان نہ ہو۔ پھلوں کو اس وقت تک درختوں پر فروخت کرنے سے منع فرمایا، جب تک کہ وہ کارآمد نہ ہو جائیں۔ مزدور کے حقوق متعین فرمائے۔ مزدور کی مزدوری کی فوری ادائیگی کی تاکید فرمائی۔ اس کی مزدوری ہڑپ کر جانے پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائیں۔ اس سب سے معیشت مضبوط ہوئی۔

تعلیمی میدان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام کو عروج بخشا، قرآن و سنت کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لکھنے پڑھنے اور دوسری زبانیں سیکھنے کی جانب راغب فرمایا۔ تعلیم کے لیے باقاعدہ ادارے قائم فرمائے۔ علم کی اہمیت کو واضح فرمایا۔ معلمین اور متعلمین کے فضائل بیان فرمائے۔ اہل علم کی برتری اور فضیلت کو بیان فرمایا۔ یوں اعلیٰ نظام و نصاب تعلیم کی وجہ سے معاشرہ میں انقلاب بپا ہو گیا۔

آج بھی انہیں اصولوں کو اختیار کر کے ملک میں عدل وانصاف سے بہرہ مند، با مقصد تعلیم سے آراستہ، روزگار کی فراہمی کا ضامن، صحت منداور جرائم سے پاک معاشرے کی تشکیل ممکن ہے۔ لیکن افسوس کہ امت اپنے محبوب آقا کی سنت مطہرہ کی بجائے، اغیار کے طور طریق کو اختیار کر کے روز افزوں تنزلی کی جانب گامزن ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ربیع الاول ۱۴۴۱ھ/نومبر 2019ء)

حالاتِ حاضرہ اور ربیع الاول کا پیغام

ربیع الاوّل رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت، نبوت، ہجرت اور وصال کا مہینہ ہے، اس ماہِ مبارک کی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خاص نسبت ہے۔ یہ ماہِ مقدس اہلِ اسلام کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ اپنانے کا درس دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے تیئس سالہ دورِ نبوت میں ربیع الاوّل کو کبھی بھی بطور جشن کے نہیں منایا اور نہ ہی خلفاءِ راشدینؓ، بنواُمیہ، بنوعباس اور بعد کے اسلامی ادوار میں اس کی چنداں نظیر ملتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیشہ اپنی تعلیمات اور شریعت مطہرہ کی اتباع کا درس دیا ہے اور اپنی سنتِ مطہرہ کی پیروی کو اپنی محبت قرار دیا ہے۔ آیئے! موجودہ ملکی زبوں حالی کا سیرت طیبہ سے حل ڈھونڈتے ہیں۔

پاکستان ایک عرصہ سے لگاتار آسمانی اور زمینی آفات کا شکار ہے، ایک آفت ابھی ختم نہیں ہو پاتی کہ دوسری مصیبت کا آغاز ہو جاتا ہے، ابھی سابقہ حوادث ومصائب کے نقصانات کے ازالہ کی تدبیریں کامیاب نہیں ہوئی ہوتیں کہ اچانک اہل پاکستان ایک نئی افتاد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آسمانی آفت سے نمٹا جا رہا ہوتا ہے کہ زمینی مشکلات شروع ہو جاتی ہیں۔

اکتوبر ۲۰۰۵ء بمطابق ۵ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ میں آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) میں شدید ترین زلزلہ کے نتیجے میں ہولناک تباہیاں ہوئیں، ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے، بے شمار مکانات زمین بوس ہوئے، سینکڑوں قصبات ودیہات صفحۂ ہستی سے مٹ گئے، اس تباہی سے وفاقی دار الحکومت اسلام آباد بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ اس خوفناک تباہی کے نتیجے میں مظفر آباد، بالاکوٹ اور گرد ونواح کے علاقے کھنڈرات بن گئے، ہر طرف چیخ وپکار کی آوازیں تھیں۔ سڑکیں تباہ ہو گئیں، پل ٹوٹ گئے، سرکاری عمارتوں کے انہدام کی وجہ سے کشمیر کا سرکاری

ریکارڈ ناپید ہو گیا، زلزلہ کے نتیجے میں ہونے والی تباہی میڈیا پر ظاہر کی جانے والی تباہی سے کہیں زیادہ تھی۔ زلزلہ ۲۰۰۵ء کے نقصانات کا صحیح اندازہ تو شاید آج تک بھی نہیں لگایا جاسکا۔ بی بی سی کے مطابق ہلاک شدگان کی تعداد تہتر ہزار ہے۔ چشم دید ذمہ دار حضرات کے اندازے کے مطابق ہلاکتوں کی تعداد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں میں تھی۔ بچے کھچے لوگ بے گھر ہو گئے، بہت سے معذور اور بے سہارا بن گئے۔ کسی خاندان میں ایک فرد زندہ رہا تو کسی میں کوئی بھی باقی نہ رہا۔ کہیں ایک بچی زندہ بچ سکی، کہیں لاچار و معذور ایک دو جوان۔

زلزلہ کے بعد فوری امدادی کارروائیاں شروع ہو گئیں، ملکی و غیر ملکی اداروں نے دل کھول کر تعاون کیا، لیکن امداد بجائے بے سہارا افراد کی بحالی کا ذریعہ بننے کے، حکمرانوں، بیورو کریسی اور بااثر طبقہ کے تعیش و آرام کا وسیلہ بن گئی۔ ایک مخصوص طبقہ نے یتیموں، بیوگان اور بے سہارا افراد کا جی بھر کر استحصال کیا اور اپنی تجوریاں بھریں، ابھی اس سانحہ فاجعہ سے نمٹا ہی جا رہا تھا کہ وطن عزیز دہشت گردی، بم دھماکوں اور بدامنی کا شکار ہو گیا۔ نائن الیون کے بعد امریکہ بہادر کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے نتیجے میں ملک کا امن تباہ ہو کر رہ گیا، ایک طرف امریکی شہہ پر ملک کے محافظوں نے اپنے ہی ملک کے باسیوں کے خلاف آپریشن کر کے اپنے ہاتھ سے اپنے ملک کو اجاڑا، گویا مالی نے خود ہی گلشن اُجاڑنا شروع کیا۔ تاریخ میں پہلی بار ملک کے محافظین نے اپنے ملک کے عوام اور قصبوں پر بمباری کی۔ اس آپریشن کے نتیجے میں مساجد، مدارس اور قرآن کریم تک شہید ہو گئے۔ دوسری طرف ملک میں خودکش حملوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، جو تاہنوز ختم نہیں ہو سکا۔ ان خودکش حملوں کے نتیجے میں بڑے سے بڑے صاحبِ منصب سے لے کر عوام الناس تک سینکڑوں لوگ جاں بحق ہو چکے ہیں۔

آپریشن اور خودکش حملوں سے قبل لال مسجد اسلام آباد کا ناقابلِ فراموش سانحہ بھی کسی قیامت سے کم نہ تھا، وقت کے آمر نے اللہ کے گھر کے تقدس کو پامال کرنے، قرآن کریم، احادیث نبویہ، دینی کتب کو دریدہ دہنی کے ساتھ "آتش نمرود" میں جھونکنے، جامعہ حفصہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے اقدام کے ساتھ سینکڑوں معصوم، بے سہارا، ننھی اور نہتی بچیوں، ضعیف عورتوں اور بے گناہ نمازیوں کو جدید ترین اسلحہ سے بھون ڈالا اور اس فرعونِ وقت کی آتشِ انتقام

اس سے بجھنے نہ پائی تھی کہ اس نے ان کی لاشوں تک کو مسخ کروا کر چمڑوں اور ہڈیوں تک کو کیمیکل کے ذریعے مسل دیا۔

دہشت گردی، بدامنی کی مصیبت قوم جھیل ہی رہی تھی کہ اچانک مہنگائی کا جن بوتل سے نکل آیا۔ بجلی، گیس، پٹرول کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگیں۔ روزمرہ کے استعمال کی اشیاء عام آدمی کی دسترس میں نہ رہیں، لوگ افلاس و بھوک کی وجہ سے خودسوزی کرنے لگے، ذرائع ابلاغ میں فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی خودکشیوں اور قتلِ اولاد کی خبروں کی کمی نہیں۔ اس ہوشربا مہنگائی نے عوام و خواص سبھی کو متاثر کیا، سرکاری ملازمین سے لے کر مزدور پیشہ طبقہ تک، تاجروں سے لے کر کاشتکاروں تک سبھی کی چیخیں نکل گئیں۔

یہ زمینی آفت اسی طرح موجود تھی کہ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۰ء کو ایک اور آسمانی آفت یعنی بارشوں اور سیلاب نے آ گھیرا، اب کی بار ملک کا بیشتر حصہ سیلاب کی نذر ہوا، کروڑوں لوگ بے گھر ہوئے، انسانوں کے ساتھ مویشی اور پرندے تک پانی کی نذر ہو گئے، مکانات، فصلیں سبھی تباہ ہو گئیں، شاہ گدا اور غنی فقیر ہو گئے۔ لوگوں کے گھر، گھر کا سامان، بستر اور چارپائیوں تک سبھی کچھ دریا برد ہو گیا۔ خیبر پختونخواہ سے لے کر جنوبی پنجاب تک اور جنوبی پنجاب سے لے کر ساحلِ سمندر تک دریائے سندھ کے دونوں کناروں کے ارد گرد لاکھوں ایکڑ رقبہ اور اسی رقبہ پر موجود ہر چیز تباہ و برباد ہو گئی، دریائے سندھ کے کنارے سے دریائے چناب کے کنارے تک تقریباً 75 کلومیٹر کا رقبہ متاثر ہوا، اور مظفر گڑھ پنجاب کے ایک مقام پر دونوں دریاؤں کا پانی یکجا ہو گیا۔ اس سیلاب کے نتیجے میں تاحال لوگ سردی میں ٹھٹھر رہے ہیں۔ ہزاروں لوگ خیموں میں اور بہت سے لوگ ابھی تک کھلے آسمان تلے کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ لاکھوں لوگ ابھی تک نان شبینہ کے لئے ترس رہے ہیں۔

سیلاب کی اس آفت کے ساتھ ساتھ کرپشن اور بدعنوانی بھی ملک میں سیلاب سے کم تر نہیں۔ بدعنوانی اور رشوت ستانی سے نہ کوئی دفتر خالی رہا اور نہ ہی قصرِ وزارت و صدارت۔ حج جیسے مقدس فریضہ کی ادائیگی بھی رشوت کی نذر ہو گئی۔ زندگی بھر آنہ پیسہ جمع کر کے حج کی رقم جمع کرنے والے عازمین حج کو بھی لوٹنے میں کمی نہیں کی گئی، ان اللہ کے مہمانوں کو حرمین شریفین جیسی مقدس

دھرتی میں جی بھر بھر کر خوب ستایا گیا۔ راقم الحروف نے اپنے اس سال کے سفرِ حج میں لوگوں کو ذمہ دارانِ حج کے خلاف آہوں، سسکیوں کے ساتھ ہاتھ اٹھا اٹھا کر بددعا کرتے دیکھا۔

ابھی حج سکینڈل بھی عدالت میں تھا کہ ملک میں ایک نیا سیاسی بحران شروع ہونے لگا، جمعیت علماء اسلام کی حکومت سے علیحدگی کے بعد ایم کیو ایم کی علیحدگی کے فیصلہ نے حکومت ہلا کر رکھ دی، ن لیگ اور ایم کیو ایم کی حمایت کے وقتی انجکشن نے حکومت گرنے سے تو بچا لی، تاہم خطرات اب بھی موجود ہیں۔ دریں اثناء مورخہ ۱۹ر جنوری ۲۰۱۱ء صبح ایک بج کر تیئس منٹ پر کراچی سمیت ملک بھر میں زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے۔ امریکی جیولاجیکل کے مطابق جھٹکوں کی شدت 4.7 ریکارڈ کی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں روزنامہ جنگ کراچی ۱۹ر جنوری کی خبر ملاحظہ ہو:

"کراچی (اسٹاف رپورٹر، نمائندگان جنگ، نامہ نگاران) کراچی سمیت ملک بھر میں منگل اور بدھ کی درمیانی شب ایک بج کر ۲۳ منٹ پر زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے، تاہم فوری طور پر کسی نقصان کی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ کراچی میں زلزلہ پیما مرکز کے مطابق ان جھٹکوں کی شدت ریکٹر سکیل پر 3.6 ریکارڈ کی گئی، جبکہ امریکی جیولوجیکل سروے کے مطابق اس زلزلے کا مرکز پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں دالبندین سے 34 کلومیٹر دور بتایا گیا، جبکہ ان جھٹکوں کی شدت 4.7 ریکارڈ کی گئی۔ ماہرین نے آفٹر شاکس کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔ امریکی جیولوجیکل سروے کے مطابق زلزلے کے جھٹکے دوبئی سے نئی دہلی تک محسوس کئے گئے۔ بلوچستان میں جعفر آباد، نوشکی، پشین، گوادر، کوئٹہ، مستونگ، دالبندین، خضدار اور پنجگور میں زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے، جس سے گھبرا کر شہری اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ حیدر آباد سے بیورو رپورٹ کے مطابق حیدر آباد کے علاقے لطیف آباد اور دیگر علاقوں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے، اندرونِ سندھ لاڑکانہ، سکھر، قمبر، دادو، ٹھٹھہ اور دیگر علاقوں میں زلزلے کے شدید جھٹکے محسوس کیے گئے۔ زلزلوں کے ان جھٹکوں سے خوف و ہراس پھیل گیا اور شہری دعائیں پڑھتے ہوئے عمارتوں سے

باہر نکل آئے۔ پنجاب کے علاقوں لاہور، سرگودھا، ملتان، شیخوپورہ، قصور، اوکاڑہ، فیصل آباد، راولپنڈی، اسلام آباد اور صوبے کے تقریباً تمام چھوٹے بڑے شہروں اور قصبوں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کیے گئے اور لوگ استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے۔ انتہائی شدت کے اس زلزلے کے بعد ماہرین مزید آفٹر شاکس آنے کے خدشات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگرچہ زلزلے کا مرکز جنوبی پاکستان میں ہونے کی وجہ سے ساحل سے قریب تر تھا، لیکن اس کے باوجود بحیرۂ ہند میں سونامی کی کوئی وارننگ جاری نہیں کی گئی، واضح رہے کہ ۲۰۰۵ء میں آنے والے زلزلے کی شدت 6.7 تھی، جس سے لاکھوں افراد کی جانیں تلف ہوئیں اور اربوں روپے کا نقصان ہوا تھا، تاہم حالیہ زلزلے کے فوری بعد کسی قسم کے نقصان کی کوئی اطلاع نہیں ملی"۔

تبصرہ نگاروں کے بقول ہندوستان کے شہر گجرات میں آنے والے زلزلہ کی شدت بھی 4.7 تھی، لیکن گجرات میں ہزاروں افراد متاثر اور سینکڑوں مکانات زمین بوس ہو گئے تھے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی حفاظت فرمائی اور اس قدر شدید زلزلے کے باوجود قابلِ ذکر جانی و مالی نقصانات کی اطلاعات نہیں آئیں۔ ایسا لگتا ہے کہ سیلاب کے بعد زلزلہ کے یہ جھٹکے اسلامیان پاکستان کے گھروں کے دروازوں پر دستک دے کر واپس ہو گئے کہ اب بھی وقت ہے، بیدار ہو جاؤ، توبہ کر کے روٹھے رب کو منا لو، اپنی بدعملیوں پر نادم ہو کر آئندہ اپنی زندگی کو سنوار لو، ورنہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ زمین ہلا کر ۲۰۰۵ء کے زلزلہ اور ۲۰۱۰ء کے سیلاب کے مناظر یا اس سے کوئی سخت آفت تم پر مسلط فرما دے، اٹھو اور اپنے آپ کو سنوارو، خواص و عوام، حاکم و محکوم سبھی اپنی نجات کا انتظام کرو ورنہ......

وطن عزیز پاکستان میں یہ حالات کیونکر پیدا ہوئے؟ زمینی اور آسمانی آفات نے ہمیں کیوں گھیر لیا؟ اس کے ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں، حقیقت میں ان کے باطنی اسباب ہیں اور وہ اسباب قرآنِ کریم اور احادیث میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمائے ہیں۔ آیئے! ذیل میں موجودہ حالات کو قرآن و سنت کے

تناظر میں دیکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ (النحل:۱۱۲)

ترجمہ:۔ "اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن واطمینان میں (رہتے) تھے اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سوانہوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔"

اس آیت میں انسانوں کو ایک بستی کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ اس بستی کو اللہ تعالیٰ نے دو نعمتوں سے مالا مال فرمایا تھا......امن......وافر رزق۔

لیکن اس بستی کے باسیوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی، نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں سلب فرما کر ان کی جگہ بدامنی، خوف و ہراس اور بھوک افلاس اور قحط ان پر مسلط فرمادیا۔ امن کی بجائے خوف اور رزق کی بجائے بھوک، ان کے اپنے کئے کی سزا کے طور پر انہیں دی گئی۔

اس آیت میں جس بستی کا ذکر ہے، اس کی تعیین کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، امام رازیؒ نے دو قول ذکر فرماتے ہیں۔

۱۔ یہ کوئی معین بستی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو سمجھانے کے لئے کسی بھی بستی کا بطور مثال کے ذکر فرمادیا ہے۔ علامہ رازیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

۲۔ اس مثال میں جس بستی کا ذکر ہے وہ بستی بھی مکہ کی بستی ہے۔

قرآن کریم کی ہدایات وراہنمائیاں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات رہتی دنیا تک کے لیے ہیں۔ شاید پاکستان بھی اسی آیت کا مصداق بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اہلِ اسلام کو 14 راگست 1947ء کو آزادی کی نعمت سے نوازا اور پاکستان جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، پاکستان میں رزق وامن جیسی دو بنیادی ضرورتیں بھی مرحمت فرمادی گئیں۔اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی وسائل سے مالا مال فرمایا، دنیا کا بہترین آبپاشی نظام، معدنیات، گیس، پٹرول، دیگر دھاتیں، دریا، پانی، سرمایہ کار، مزدور زرخیز زمین، ماہر سائنسدان، ذہین وفطین انجینئر...... الغرض سبھی نعمتیں نصیب فرمائیں۔ملک کا امن بھی مثالی رہا۔لیکن اہلیانِ وطن نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔اس کی نعمتوں کی ناشکری کی، ملک کو اسلام کا عادلانہ نظام دینے کے وعدے کو پس پشت ڈالا، اسلام کے معاشی نظام کی بجائے سودی نظام کو رائج کیا۔عدالتوں میں قرآن وسنت کی بجائے انگریز کا کالا قانون باقی رکھا گیا، عدل وانصاف کی بجائے سفارش ورشوت کا بازار گرم کیا گیا۔دین ودنیا کی ضرورتوں سے مرقع نظامِ تعلیم کی بجائے لارڈ میکالے کا خالص فرنگی نظامِ تعلیم اپنایا گیا۔مسجدوں کو شہید اور کلبوں کی تعمیر کی گئی، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے فحاشی، عریانی اور بے حیائی کو خوب فروغ دیا گیا۔نوبت بایں جارسید کہ کتاب اللہ، رسول اللہ اور شعائر اللہ کی برسرِ بازار توہین وتنقیص کی جارہی ہے اور گستاخوں کو اشرافیہ اور اہلِ اختیار کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔اس کے نتیجے میں وہی ہوا جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، بدامنی، دہشت گردی اور قحط وافلاس نیز بحران، زمینی اور آسمانی آفات نے ہمیں آ گھیرا ہے۔اور یہ سب کچھ صرف اسی لئے ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے دروازے پر واپس آ جائیں۔قرآن کریم نے اس حقیقت کو سورۃ اعراف میں یوں واضح فرمایا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ○ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ○ (الاعراف:۹۵،۹۴)

”اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو، تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں، پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی، یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور (اس وقت براہِ

کج فہمی) کہنے لگے کہ ہمارے آباءواجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھیں۔
تو ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔"

ان دو آیات سے معلوم ہوا کہ اقوامِ سابقہ کی ہدایت کے لئے جب انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور وہ ان کی تکذیب ومخالفت کرتے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جسمانی تکلیفوں اور مالی تنگیوں کی صورت میں عذاب نمودار ہوتے تا کہ یہ لوگ خوشی میں نہ سہی تنگی وتکلیف میں ہی اپنے رب کو یاد کرلیں اور رب کے رسول کی اطاعت قبول کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان کی تنگیوں اور تکلیفوں کو وسعتوں اور راحتوں میں تبدیل کرتے اور یہ خوش حال وآسودہ ہوتے ہی کفرانِ نعمت کرتے ہوئے کہتے، ہمارے باپ دادا بھی تو تنگیوں کا شکار ہوئے، یہ تو محض حادثہ زمانہ ہے، اللہ کی جانب سے کوئی پکڑ یا عذاب وعقاب نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اچانک انہیں گرفتارِ عذاب فرمادیتے اور انہیں اس عذاب میں مبتلا ہونے سے قبل اس کی خبر تک نہ ہوتی۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی دنیوی کامیابی امن وسکون اور معاشی خوشحالی لانے کا نسخہ کیمیا خود ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

(الاعراف:۹۶)

ترجمہ:۔"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی، تو ہم نے (بھی) ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔"

اس آیت نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ شہروں وبستیوں کے باسی ایمانِ کامل اور تقویٰ صادق اختیار کریں تو ہم آسمان وزمین سے برکتوں، وسعتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ لیکن لوگوں نے انبیاء ورسل علیہم السلام کی تعلیمات کی تکذیب وفراموشی کی، نتیجۃً اللہ کی پکڑ میں آگئے۔ سورۃ سبا میں اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب زدہ قوم سبا کا تفصیلی ذکر کیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ○

(السبأ: ۱۵،۱۶)

''حقیقت یہ ہے کہ قوم سبا کے لئے خود اس جگہ ایک نشانی موجود تھی جہاں وہ رہا کرتے تھے، دائیں اور بائیں دونوں طرف باغوں کے دو سلسلے تھے! ''اپنے پروردگار کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ، ایک تو شہر بہترین، دوسرے پروردگار بخشنے والا''، پھر بھی انہوں نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا اس لئے ہم نے ان پر بند والا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دونوں طرف کے باغوں کو ایسے دو باغوں میں تبدیل کر دیا جو بدمزہ پھلوں، جھاؤ کے درختوں اور تھوڑی سی بیریوں پر مشتمل تھے۔

مفسرین نے قومِ سباء کے حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں، راقم الحروف نے اپنے ایک مضمون میں اس کی کچھ تفصیل تحریر کی تھی، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

قومِ سبا، یمن کی مہذب اور آسودہ قوم تھی انہیں اللہ تعالیٰ نے فنِ انجینئرنگ اور ہندسہ میں مہارت کے ساتھ تجارت و زراعت کی دولتوں سے مالا مال کیا تھا، اس قوم کا ہیڈ کوارٹر اور دارالخلافہ ''مارب'' تھا، ترقی، ملکی فتوحات اور تجارت کی وجہ سے ان کا رقبہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

''مارب'' کے جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑ ہیں جو کوہ ابلق کے نام سے معروف ہیں۔ ان کے درمیان بہت طویل و عریض وادی ہے، جب بارش برستی یا پہاڑی چشموں سے پانی بہتا تو وادی دریا بن جاتی تھی۔ قومِ سبا نے ان حالات کے پیشِ نظر دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک بند باندھا۔ یہ بند فنِ انجینئرنگ کا شاہکار تھا۔ محققین کے مطابق قومِ سبا نے اسے اس طرح تعمیر کیا تھا کہ پانی کو روکنے کے بعد آب پاشی کے لئے پانی کو تین مختلف اوپر نیچے درجوں میں

محفوظ کیا، یہ تین درجوں میں محفوظ شدہ پانی، مختلف موسموں میں آب پاشی کے کام آتا۔ ان تین درجوں میں سے ہر درجہ میں تیس درے (پھاٹک) تھے، جن کے ذریعے پانی کو کھولا اور بند کیا جاتا تھا۔ ان کے نیچے ایک بہت بڑا حوض تھا جس کے دائیں بائیں لوہے کے پھاٹک تھے، اس حوض سے نہریں نکال کر مآرب کے دائیں بائیں پہنچائی گئی تھیں۔ اس عظیم الشان ڈیم اور بند کی وجہ سے تین سو مربع میل تک دائیں بائیں کھجور، میووں اور پھلوں کے حسین باغات، خوشبوؤں کو کھیت، مرغزار، دارچینی اور عود کے کثرت سے گنجان باغات نے علاقے کو چمنستان اور فردوس بنایا ہوا تھا۔

ان باغات کی خوشبوؤں، رعنائیوں اور عطاؤں کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عورت کسی بھی موسم میں سر پر ٹوکری رکھ کر باغ سے گزر جاتی تو ہاتھ لگائے بغیر ٹوکری پھلوں سے بھر جاتی۔

یہاں کے موسم اور آب و ہوا کے اعتدال کی وجہ سے مچھر، مکھیاں اور پسوں وغیرہ کا نام ونشان تک نہ تھا۔ علاوہ ازیں یمن سے شام تک کی مرکزی شاہراہ جس پر اہلِ سبا کی آمد ورفت رہتی تھی کے دونوں جانب حسین باغات تھے۔ ان باغات میں دارچینی، سیبوں اور پھلوں کے باغات شامل تھے۔

قومِ سبا نے اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی، دولت وحکومت کے نشے میں راہِ حق کو چھوڑ دیا، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور یکے بعد دیگرے تیرہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی، نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے ان پر سیلِ عرم یعنی بند کا عذاب بھیجا۔

وہ بند جس کی تعمیر پہ یہ قوم نازاں تھی، جس ڈیم کی وجہ سے تین سو مربع میل رقبہ جنت نظیر تھا، وہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ گیا اور اچانک اس کا پانی زبردست سیلاب کی شکل میں سب کچھ کو بہا کرلے گیا، باغات اُجڑ گئے، کھیت ویران ہو گئے اور پانی کے خشک ہونے پر جھاؤ کے درختوں کے جھنڈ، جنگلی بیریاں اور پیلو کے درخت اُگ آئے۔ اہلِ سبا کو نہ انجینئرنگ بچا سکی اور نہ ہی دولت۔ (قصص القرآن ملخصاً)

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

زلزلوں سے متعلق بھی نصوص میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یہ بدعملیوں کے سبب آتے ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۷۰ ج ۲ پر جامع ترمذی کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے، افادۂ قارئین کے لئے پیش خدمت ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دُوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَاَقْصٰى اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا. فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ

(جامع ترمذی حدیث ۲۲۱۱)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب مالِ غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے اور جب امانت (کے مال) کو مالِ غنیمت شمار کیا جانے لگے اور جب زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سیکھا جانے لگے اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگی اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجدوں میں شور و غل مچایا جانے لگے اور جب قوم و جماعت کی سرداری اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم و جماعت کے زعیم و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور ارذل شخص ہونے لگیں اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانے لگیں اور جب اس امت کے

پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلد ہی ظاہر ہونے کا انتظار کرو، سرخ یعنی تیز وتند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا، زلزلے کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ وتبدیل ہو جانے کا اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی، جیسے (مثلاً) موتیوں کی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں"۔

اس حدیث مبارکہ میں زلزلوں کے اسباب کے طور پر جو بدعملیاں بتلائی گئی ہیں ان میں سے کون سی ایسی بدعملی ہے جو ہم میں نہیں پائی جاتی؟ ملکی معاشی، سیاسی بحران، مہنگائی بدامنی، سیلاب کے بعد حالیہ زلزلہ کے شدید جھٹکے ہمیں ایک بار پھر اللہ کی جانب پلٹنے کا پیغام دے رہے ہیں اور یہ اشارہ کر رہے ہیں کہ "لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ" (تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں) "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ" (بہترین شہر اور بخشنے والا رب)

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام کی اطاعت اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت نصیب فرمائے اور وطن عزیز کو ہمہ قسم آفات سے نجات نصیب فرمائے۔ آمین

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ربیع الاول ۱۴۳۲ھ/فروری 2011ء)

خطبہ حجۃ الوداع

''راہنمائے انسانیت''

بلاشبہ دنیاءِ انسانیت اعتقادی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، سماجی، عدالتی، تعلیمی، ثقافتی تنزلیوں کی جانب گامزن اور رواں دواں ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ ایک بار پھر زمانہ جاہلیت کی طرف عود کر چکے ہیں۔ ہدایت کی راہیں مسدود اور ضلالت کی شاہراہیں کھلی ہیں۔ زندگی کے ہر محاذ پر مسلسل پستیوں نے انسانیت کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ اطمینان نام کی کوئی چیز لوگوں کو میسر نہیں۔ جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی انسانیت مضطرب و پریشان نظر آتی ہے۔ گویا زندگی کی یہ ناؤ ڈوبنے کے قریب ہے اور اسے کسی ایسے ناخدا کی ضرورت ہے جو اسے کنارے لگائے۔

یہ بھٹکتی انسانیت الحاد، کفر و شرک سے مایوس اور نامراد کھڑی حق کی راہ تک رہی ہے۔ مادہ پرست دنیا ہر طرح کی آسائش و آرائش کے باوجود اطمینان حاصل نہ کر کے روحانیت کی تلاش میں ہے۔ معاشی ناہمواریوں سے تنگ لوگوں نے اولاً اشتراکیت (سوشلزم) کا بت توڑ کر اب سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا ہے۔ مذکورہ بالا دونوں عالمی معاشی نظاموں کی ناکامی کے بعد دنیا کو ذاتی ملکیت، دولت کی منصفانہ تقسیم اور مزدور و محنت کش کی موزوں اُجرت پر مشتمل کسی غیر سودی معاشی نظام کی تلاش ہے۔ جمہوریت کے دلفریب نعرے میں گمراہ انسانیت، اب جمہوریت کو استحصال اور عوام کو اقتدار سے دور رکھنے کا خطرناک طریقِ حکومت سمجھ کر کسی متبادل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ امن کے نام پہ جنگ اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے ظلم و سربریت اور فساد و الحاد سے تنگ آ کر ظالم خود راہِ امن کا متلاشی ہے۔

بے گناہوں کا بہتا خون سنگ دلوں کو موم اور انسانیت کو آبدیدہ کر کے مظلوموں کی حمایت میں اضافہ کر رہا ہے۔ ملوکیت و سلطنت کے ایوان چکنا چور ہو کر زمین بوس ہوتے نظر

آ رہے ہیں۔ حقوقِ نسواں کے نام پر صنفِ نازک کے استحصال کا ڈرامہ بھی فلاپ ہو چکا ہے۔ خواتین اپنے محافظوں کو عزتوں و عصمتوں کا سب سے بڑا ڈاکو قرار دے کر حقوقِ نسواں کا نعرہ لگانے والی این جی اوز اور افراد سے آنکھیں موند رہی ہیں۔ حیاباختہ کلچر پر سلیم الفطرت لوگ دل گرفتہ اور پریشان ہیں۔ عدل و انصاف سے محروم انسان مارنے یا مر جانے کا فیصلہ کر کے نظمِ جہاں میں ارتعاش پیدا کر رہے ہیں۔ کرپشن، بدعنوانی، خیانت و سرقہ سے دنیا تھک ہار کر امانت، دیانت کی متلاشی ہے۔ نوبت بایں جارسید کہ مظلوموں، مجبوروں کی آہیں اور سسکیاں آسمان والے کے علاوہ سننے والا کوئی نہیں رہا۔

الغرض دنیا ہر لحاظ سے تہی دامن ہو چکی ہے اور انسانیت کو سچی اور صحیح راہنمائی کی ضرورت ہے۔ لیجیے آسمانوں سے راہنمائی حاصل کیجئے اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس دوٹوک خطبہ کا ایک ایک حرف اپنے دلوں میں اُتاریئے، جو سن ۱۰ ہجری کی ۹ ذی الحجہ کی دوپہر میں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زائد صحابہ کے جمِ غفیر کے درمیان جبلِ عرفات پر دیا گیا تھا، بلاشبہ یہ خطبہ انسانی حقوق کا سب سے بہترین چارٹر، انسانی مساوات کا ضامن، قیامِ امن کا فارمولہ، معاشی ناہمواریوں سے نجات کا راہ دہندہ، معاشرتی، سیاسی، سماجی، تعلیمی، اعتقادی الغرض ہر میدان میں صحیح سمت متعین کرنے والا ایک آسمانی پیغام ہے، جسے بیان کرتے ہوئے حقوقِ انسانیت کے اس پیغامبر نے عملاً بھی مساواتِ انسانی کا درس دیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے قریب آزاد آدمیوں کی بجائے دو ایسے غلام تھے جو غلامی سے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدولت رہائی حاصل کر چکے تھے۔ ان میں سے ایک سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ، سیاہ فام اور حبشی النسل، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے اور دوسرے سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجودِ مسعود پر چادر تان کر سایہ کیے ہوئے تھے۔

اس خطبہ کو خطبہ حجۃ الوداع سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ خطبہ حدیث کی مختلف کتب میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متفرق طور پر منقول ہے۔ ان بکھرے موتیوں کو جمع کر کے مالہا کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد:

تاکید تقویٰ:

أُوصِيكُمْ عِبَادَ اللهِ بِتَقْوَى اللهِ وَأُحِثُّكُمْ عَلَى طَاعَتِهِ وَأَسْتَفْتِحُ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی تاکید کررہا ہوں اور میں خیر سے شروع کررہا ہوں۔"

تقویٰ کا سب سے ادنیٰ درجہ شرک سے بچنا اور توحید اختیار کرنا ہے، اور سب سے اعلیٰ درجہ دل کو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے سب سے فارغ کرنا ہے۔ گویا کہ آپ نے خطبہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کرنے اور اس کی کامل اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بندے کا جس قدر حق تعالیٰ سے معاملہ درست ہوتا ہے، اس قدر بندہ کے معاملات درست ہوتے ہیں۔

شاید آئندہ ملاقات نہ ہوسکے:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي وَاللهِ لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ يَوْمِي هَذَا بِمَكَانِي هَذَا. فَرَحِمَ اللهُ مَنْ سَمِعَ مَقَالَتِي الْيَوْمَ فَوَعَاهُ۔

(سنن الدارمی: ۱/۳۰۱)

"اے لوگو! اللہ کی قسم، مجھے نہیں معلوم شاید آج کے دن کے بعد میں تمہیں اس جگہ نہ مل سکوں، بس اللہ اس پر رحم کرے جو آج کے دن میری بات سنے پھر اسے محفوظ رکھے"۔

شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرائن واشارات یا وحی کے ذریعے معلوم ہوچکا تھا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ آخرت شروع ہونے کو ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کو سدھار کر سوئے جنت ورفیقِ اعلیٰ روانہ ہونے کو ہیں، اور یہ ملاقات آخری حج کی اجتماعی ملاقات ہے، مکرر فرمایا میری باتوں کو پورے دھیان سے سنو، سمجھو یاد کرو، یاد رکھو کہ میں تمہیں وصیتیں ونصیحتیں کررہا ہوں۔

جان و مال کا تحفظ:

فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا۔

(صحیح بخاری: ۱۶۲۲)

"بلاشبہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں باہمی طور پر ایسے ہی محترم و مقدس ہیں، جیسے یہ یومِ حج، ماہِ حج اور بلد حرام مکہ مکرمہ مقدس و محترم ہیں"

ایک مسلمان کی جان اور اس کے مال کا احترام و اکرام مکہ مکرمہ، کعبۃ اللہ، یوم الحج، عشرۂ ذی الحج اور ماہِ حج سے کسی درجہ کم نہیں۔ کون بدنصیب ہوگا جو کعبۃ اللہ کی حرمت کو پامال کرتا ہو......؟ کون ایسا شقی ہوگا جو ایامِ مقدسہ کی حرمت کو تار تار کرتا ہو......؟ کوئی نہیں! ہرگز نہیں! تو ایک دوسرے کی جان و مال کو ایسے ہی محترم جانو، نہ کسی کو بدنی ایذا پہنچاؤ اور نہ ہی مالی ایذا، نہ کسی کو مارو پیٹو، ظلم و ستم ڈھاؤ اور نہ ہی کسی کا مال ناحق طریقے سے غصب کرو، چوری کرو یا ہتھیالو۔

سیرۃ ابن ہشام میں اس خطبہ کے آخر میں اس خوبصورت قانون کو مزید توضیح سے یوں پیش کیا گیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ أَخِيهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ أَنْفُسَكُمْ....

"سو کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے خوش دلی سے لئے ہوئے مال کے علاوہ کوئی مال لے۔ سو اپنے اوپر ظلم نہ کیا کرو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جان، مال اور عزت کی حرمت سے متعلق مذکورہ بالا اعلان کے ساتھ متعدد روایات میں اس قانون کی مزید اہمیت اُجاگر کرنے والے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، فَسَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ...

(صحیح بخاری)

''اور تم عنقریب اپنے رب سے جا ملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال سے متعلق سوال کرے گا، خبردار! میرے بعد گمراہی میں نہ لوٹ جانا کہ تمہارے بعض بعض کی گردنوں کو مارتے رہیں، آگاہ رہو! موجود غائب تک پہنچائے۔''

یعنی اگر کوئی شخص کسی کی جان و مال یا عزت و آبرو سے کھیلے گا، تو اسے یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ بہت جلد خالقِ کائنات کی عدالت میں پیشی ہونے والی ہے، جہاں جواب دہ ہونا پڑے گا اور وہاں سفارش کارگر ہے، نہ ہی رشوت کے طور پر مال و فدیہ کام آئے گا اور نہ ہی زور و طاقت بچا سکے گی، اس لیے کسی کی جان سے کھیلنے اور مال ہڑپ کر جانے سے خوب خوب احتیاط برتو۔

ادائیگی امانت کی تاکید:

فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَى مَنِ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا.

(مسند الامام احمد: ۲۱۶۷)

''جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو وہ صاحبِ امانت کے سپرد کر دے''۔

امانت کی ادائیگی و پاسداری کو ایمان کی نشانی اور امانت کے ضیاع اور خیانت کو حدیث پاک میں نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ امانت، مال اور سیم و زر، منصب و عہدہ ہو یا حکومت و اقتدار، علم و آگہی ہو یا دانش و فہم، راز ہو یا خفیہ دستاویز سبھی کا پاس رکھنا ضروری ہے۔

امانت کا پاس و لحاظ رکھے بغیر معاشرہ کبھی بھی سکون و اطمینان حاصل نہیں کر سکتا، خیانت و بددیانتی استحصال اور سلبِ حقوق کا ذریعہ ہے، جس سے طبقات میں عداوتیں، دشمنیاں اور مخالفتیں جنم لیتی ہیں اور یہ عداوتیں قتل و غارت گری پر منتج ہوتی ہیں۔

جاہلانہ رسموں اور دشمنیوں کا خاتمہ:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ...

(صحیح مسلم: ۲۱۲۹)

"سن لو! جاہلیت کے معاملہ کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے روند دی گئی اور جاہلیت کے تمام خون (قتل) بھی ختم کر دیے گئے، (بطور نمونہ کے) سب سے پہلے میں اپنے خونوں سے ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون ختم کر رہا ہوں، جو بنی سعد میں شیر خوار بچہ تھا اور اسے قبیلہ ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جاہلانہ طور وطریق، رسوم ورواج کے خاتمہ کا نہایت ہی بلیغ انداز سے ذکر فرمایا اور ان امورِ جاہلیت کو اپنے پاؤں کے نیچے روندنے کا اعلان فرمایا۔

زمانۂ جاہلیت کی قومی، لسانی، علاقائی عصبیتیں وعداوتیں، مشرکانہ افعال واعمال، جاہلانہ ضد وعناد، توہم پرستی، اخلاق وحیاسوز تمدن، الغرض، سبھی جاہلانہ عادات وحرکات و سکنات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف خاتمہ فرما دیا، بلکہ عملاً محبت و بھائی چارہ پر معاشرہ کی تعمیر فرما کر دشمنوں کو دوست بنایا اور آج آخر میں بطور خلاصہ ونصیحت ووصیت کے اپنے اس سابقہ پروگرام کو جامع انداز میں دلنشین کروا کر دوسروں تک یہ پیغام پہنچانے کا حکم جاری فرما دیا۔

قدیم رقابتیں اور پرانی دشمنیاں خاتمہ کے باوجود، کبھی کبھار پھر سے زندہ ہو کر معاشرہ کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے ان قتلوں کو یکسر ختم فرما کر پہل کرتے ہوئے دوسرے مسلمانوں کو بطور نمونہ کے ربیعہ بن حارث کے بچے کے قتل و خون کے خاتمہ کا اعلان فرمایا۔

ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد بھائی تھے، ان کے بیٹے بنی سعد قبیلہ میں شیر خوار تھے، بنی سعد اور بنی لیث قبیلہ کی باہمی جنگ میں اس بچہ کو پتھر لگا، جس کی وجہ سے یہ بچہ فوت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بچہ کے خون کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، کیونکہ یہ سارا معاملہ زمانۂ جاہلیت کا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جاہلیت کے تمام خون ختم فرما دیے۔

زمانہ جاہلیت کے سود کے خاتمہ کا اعلان:

وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ مِن رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ

(سنن ابی داؤد: ۲/ ۱۲۲)

''اور زمانہ جاہلیت کے ہر قسم کے سود ختم کیے جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلے خود (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلب کے سود کے خاتمہ کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ سارا سود ختم کیا جاتا ہے۔''

سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے:

لَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

(سنن ابی داؤد: ۳/ ۲۴۹)

''تمہیں اصل سرمایہ ملے گا نہ تم کسی پہ ظلم ڈھاؤ، نہ کوئی تم پہ ظلم کرے۔''

معاشی نظام میں سود ہی وہ عنصر ہے، جس کی وجہ سے دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں اور اکانومی پر چند خاندانوں یا کمپنیوں کا قبضہ ہو جاتا ہے، اس معاشی تسلط کے نتیجے میں اشیاء کی مصنوعی قلت اور قیمتوں کی بہتات جنم لیتی ہے۔ قرضوں کے سود کی عدم ادائیگی کی وجہ سے لوگ اپنی جان اور اولاد تک کو فروخت کر دینے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ اسی سودی نظام کا لازمی نتیجہ ہے کہ غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہو جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے سود کو حرام قرار دے دیا۔ سود کی حرمت کے ساتھ یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں دیے گئے قرض کا سود تو وصول کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس وقت حرمتِ ربوٰا نازل نہیں ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ظلم کا خاتمہ فرمادیا اور اعلان فرمادیا کہ جاہلیت کے جملہ سود ختم کیے جا رہے ہیں اور ابتدا اپنے خاندان سے فرمائی، تاکہ سب کے لئے ایسا کرنا سہل و آسان ہو جائے۔ اور اعلان فرمادیا میں عباس بن عبدالمطلب کے سود کو ختم کرتا ہوں۔

حقوقِ نسواں:

اِتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ

وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ... وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ.

(سنن أبي داؤد ۲/ ۱۲۲)

"ہاں عورتوں سے متعلق اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ حاصل کیا ہے اور تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ حلال کیا ہے..... اور تمہارے ذمہ لازم ہے کہ ان کے رزق و روزی اور لباس، پوشاک کا انتظام کرو۔"

وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ

(سنن الترمذی: ۳/ ۴۵۹)

"اور مجھ سے عورتوں کے متعلق خیر کی وصیت قبول کرو، عورتیں تمہارے ہاں تمہاری مددگار ہیں۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان ہدایات کو، عرب کے معاشرے کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو زندگی کا حق دیا، غلامی سے نجات دی، انسانی حقوق سے محروم اس صنفِ نازک کو باعزت و محترم بنایا، لوگوں کو خوفِ خدا دلا کر خواتین پر ڈھائے جانے والے مظالم سے منع کیا اور انہیں یہ حقیقت باور کرائی کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم و کلمہ سے یہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں، گویا یہ تمہارا ملکیتی مال نہیں کہ تم ان سے باندیوں والا سلوک کرو، یا انہیں اپنا مملوک جان کر ان میں تصرف کرو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے ہاں امانت ہیں، سو ان کی بود و باش، رزق و طعام اور لباس و کپڑوں کا انتظام تمہارے ذمے ہے۔

اسلام نے عورت کو معیشت کی ذمہ دار اور کمانے کا مکلف نہیں بنایا اور اس ضعیف و نازک صنف کے بس میں ہی نہیں کہ وہ کماتی پھرے، بلکہ ان کے تمام لوازمات مردوں کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔

عورتوں کے ساتھ حسنِ معاملہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی خیر کی وصیت قرار

دے کر اسے قبول کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی ان کا مقام و مرتبہ بتلایا کہ یہ تمہاری عوان و مددگار ہیں۔ تمہارے گھروں کی تدبیر کرنے والی ہیں۔ ان کے بغیر تمہارے خاندان اور گھرانے سبھی نامکمل ہیں۔ وہ تمہارے بغیر ذمہ داریاں کیسے سرانجام دے سکتی ہیں۔ آخر میں حضور علیہ السلام نے باقی وصیتوں کے برعکس اس وصیت سے متعلق مزید تاکید پیدا کرنے کے لئے فرمایا: لوگو! میری بات سمجھو میں پیغام پہنچا کر اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

خاوندوں کے حقوق:

لَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ

(سنن أبي داؤد: ۲/ ۱۲۲)

''اور تمہارا ان کے ذمہ یہ حق ہے کہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں کہ یہ تمہارے لئے ناگوار ہے، اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں ان کو سزا دینے کی اجازت ہے، لیکن ایسی مار نہ ہو جو زخمی کر دے۔

وَ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ. فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اَنْ تَضْرِبُوْا ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ

''اور ان کے ذمہ ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں، اگر وہ ارتکابِ فاحشہ کریں تو تم ان سے بستر الگ کر دو اور انہیں بغیر زخمی کیے مار سکتے ہو۔''

مسلم معاشرے میں جہاں عورتوں کے واضح حقوق دیے گئے ہیں، وہاں انہیں مادر پدر آزاد اور آوارہ بننے سے بھی روکا گیا ہے، انہیں شوہر کی عزت و آبرو اور جان و مال کے تحفظ کا پابند بنایا گیا ہے، انہیں کہا گیا کہ وہ اپنے شوہر کی مکمل اطاعت کریں، اس کے جملہ مفادات کا تحفظ کریں اور خاوندوں کو اپنی بیویوں کی اصلاح کے طریقے بھی سمجھائے گئے، شدید جرم کی صورت میں خاوند اصلاحِ ازواج کے لیے ترکِ کلام، بستر کی علیحدگی اور پھر آخر میں مناسب سزا برائے اصلاح دے سکتے ہیں، لیکن وہ سزا ایسی نہ ہو جس سے عورت زخمی ہو جائے، اس کے

باوجود عورت کو منہ پر مارنے سے منع کیا گیا، تشدد سے روکا گیا، بلاوجہ مار پیٹ پر سخت تنبیہ کی گئی۔

شیطان کو خوش کرنے سے اجتناب کرو:

أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَدًا وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضَى بِهِ

(سنن الترمذی: ۴/ ۴۶۱)

"شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا کہ اب تمہاری سرزمین پر اس کی پوجا کی جائے، لیکن عنقریب اس کی اطاعت کی جائے گی، تمہارے ان کاموں کی صورت میں جنہیں تم حقیر سمجھتے ہو، تو وہ اسی پر خوش ہو جائے گا۔"

حضور علیہ السلام کی محنت توحید کی برکت سے جزیرہ عرب میں ہمیشہ کے لئے شرک کا خاتمہ ہو چکا، آئندہ اس خطہ میں شرک کا شیوع نہ ہوگا، اس لئے شیطان کو بت پرستی سے تو مایوسی ہو چلی، وہ تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہوں پہ ہی خوش ہوتا ہے، لہٰذا شیطان کو خوش نہ کرو۔ چھوٹے بڑے سبھی گناہ ترک کردو۔ جن گناہوں کو تم معمولی جانتے ہو، حقیقت میں وہ غیر معمولی نہیں، اس لیے کہ گناہ تو ایک چنگاری ہے، چنگاری چھوٹی ہو یا بڑی بہرحال جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

کیلنڈر کی تصحیح:

إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ...

(صحیح بخاری: ۷۰۱۵)

"بلاشبہ زمانہ اپنی اس اصلی شکل پہ واپس آ چکا، جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور سال بارہ مہینے کا ہے، ان میں چار ماہ محترم

ہیں، جن میں سے تین مہینے مسلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور ایک مضر کا رجب ہے، جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔"

ختم نبوت کا اعلان:

إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ، أَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ، وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ، وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ، وَأَطِيْعُوْا أُمَرَائَكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔

(تاریخ دمشق، ابن عساکر ۵۱۱۵۶)

"اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، سنو! اپنے رب کی عبادت کرو، نماز پنج گانہ ادا کرو، رمضان کے مہینے کے روزے رکھو، اپنے پاکیزہ اموال کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے فقہاء و حکمرانوں کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

قرآن وسنت کو تھامے رکھو:

قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوْا أَبَدًا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ۔

(مستدرک حاکم: ۳۱۷)

"اور میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے، کبھی گمراہ نہ ہو گے، وہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔"

اسلامی اخوت اور اس کا تقاضا:

أَيُّهَا النَّاسُ، اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ وَاعْقِلُوْهُ تَعَلَّمُنَّ أَنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ أَخٌ لِلْمُسْلِمِ، وَأَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ إِخْوَةٌ. فَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ أَخِيْهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ أَنْفُسَكُمْ، اَللّٰهُمَّ هَلْ

بَلَّغْتُ؟

(سیرت ابن ھشام:۲۰۵/۲۲۰)

''اے لوگو! میری بات سنو اور اسے سمجھو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان باہم بھائی، بھائی ہیں۔ سنو! کسی آدمی کے لئے اس کے بھائی کا مال صرف اس قدر حلال ہے، جتنا وہ خوش دلی سے عطا کر دے، سنو! ایک دوسرے پہ ظلم نہ کرو، اے اللہ! میں نے یہ پیغام پہنچا دیا۔''

میرے متعلق تم سے دریافت کیا جائے گا:

وَأَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ ثُمَّ قَالَ بِأُصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكِبُهَا إِلَى النَّاسِ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

(سنن أبي داؤد:۲/۱۲۲)

''اور تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا، تو تم کیا کہو گے؟ سبھی گویا ہوئے ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے پہنچا دیا، امانت ادا فرمادی اور خیر خواہی فرمادی، تب آپ نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی جانب بلند کرتے ہوئے لوگوں کی جانب حرکت دی اور تین مرتبہ فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہنا!''

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ/نومبر 2011ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں

ام العیال (خیمہ ام معبد)

حق تعالیٰ نے حرمین شریفین کی حاضری کا تقریباً ایک درجن مرتبہ موقع میسر فرمایا، ہر حاضری پر کوشش رہی کہ رحمت عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک آثار میں سے ناپید اور معروف یا غیر معروف لیکن نہ دیکھے ہوئے تبرکات کی زیارت ہو۔ الحمدللہ ہر سفر میں اس خواہش کی کسی حد تک تکمیل بھی ہو جاتی ہے، ہر چند کہ یہ شوق نہایت ہی پرخطر ہے، اس لئے کہ سعودی حکومت کی جانب سے عازمین حج وعمرہ کو ماسوائے مکۃ المکرمۃ اور مدینہ منورہ کے کسی شہر میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی اور لے جانے والے مقامی حضرات کے لئے بھی نہایت دشوار ہوتا ہے۔ اگر دوران سفر کسی جگہ پولیس روک لے تو اقامہ بردار شخص کو ایک دو دفعہ تو رعایت دی جاتی ہے، لیکن تیسری مرتبہ سعودیہ سے نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت بحمداللہ دامن گیر رہی اور کبھی بھی ایسا ناخوشگوار موقع نہیں آیا۔

اس مرتبہ بحمداللہ مؤرخہ 17 مارچ 2013ء کو مدینۃ الرسولؐ میں حاضری ہوئی، قیام مدینہ کے دوران بہت سے متعلقین ومحبین نے خدمت وضیافت کا کمال حق ادا کیا، احقر کے محبین میں سے جامعہ کی شاخ مدرسہ حسینیہ مدنیہ موضع جبی کے نگران اور اس مسجد ومدرسہ کی اراضی کے واقف جناب حاجی محمد قاسم مرحوم کے صاحبزادہ حاجی محمد عارف نے خود ہی پیشکش کردی کہ میں آپ کو "ام العیال" اور "ابوا" لے جاؤں گا، احقر نے اس میں بدر کا بھی اضافہ کر دیا، جسے انہوں نے بطیب خاطر قبول فرمایا۔ مورخہ 21 مارچ 2013ء کو صبح نماز کے بعد مختصر قافلہ عازم سفر ہوا، اس قافلے کے رفقاء میں ہمارے میزبان اور ان کے بھتیجے کے علاوہ راقم الحروف، اہلیہ اور بھتیجا محمد

اسعد الرشید ارشد جو جامعہ اسلامیہ مدینہ کے طالب علم ہیں شامل تھے۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی معروف شاہراہ شارع الہجرۃ میں وادی القرع کے مخرج سے اندر داخل ہو کر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر یہ وادی واقع ہے، یہی وہ مبارک مقام ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوران ہجرت ام معبد خزاعی کے خیمہ پر آ کر سامان خورد و نوش طلب فرمایا تھا، لیکن اس ضعیفہ کے پاس سوائے ایک لاغر اور ناتواں بکری کے کچھ بھی نہ تھا، بکری بھی ایسی، جو اپنی لاغری اور ضعف کی وجہ سے چراگاہ تک چل کر جانے کے قابل نہ تھی، اس لئے ابو معبد بکریاں لے جاتے ہوئے اسے یہیں چھوڑ گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس بکری کے تھنوں اور پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ ہمارے لیے دلچسپی کا سامان یہ بھی تھا کہ اس دور افتادہ گاؤں میں اس پہاڑی پر جہاں یہ خیمہ تھا، آج بھی نیم پختہ عمارت موجود تھی، جہاں ایک گیراج بنایا گیا تھا۔ اس گیراج میں ایک گاڑی موجود تھی۔ قریب ہی بکریوں کا باڑہ موجود تھا اور اس باڑے میں آج بھی بکریاں موجود تھیں۔ ان بکریوں اور اس مقام کو دیکھ کر ذہن چودہ سو چونتیس برس قبل کی جانب پلٹ گیا۔

شیخ محمد یوسف الفالحی الشامی متوفی 942ھ نے اپنی تصنیف "سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" میں سفر ہجرت کے اس واقعہ کی تفصیل تحریر فرمائی ہے کہ:

> "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابو بکر صدیقؓ، عامر بن فہیرہ (سیدنا صدیق اکبرؓ کے غلام) اور سفر کے رہبر عبداللہ بن اریقط کا گزر جب ام معبد خزاعی کے خیمہ پر سے ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے گوشت اور کھجور خریدنا چاہا، اس خاتون نے جواب دیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر خیمے کے ایک کونے میں کھڑی بکری پر پڑی، آپ نے ام معبد جن کا نام عاتکہ بنت خالد تھا سے استفسار فرمایا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ ام معبد گویا ہوئیں کہ یہ ایسی بکری ہے، جسے تکلیف نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" "اس بکری کا دودھ بھی ہے؟"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا۔ "یہ بھلا دودھ کے قابل

ہی کہاں؟" ام معبد نے جواب دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے، "ام معبد تم مجھے دودھ نکالنے کی اجازت دوگی؟" ام معبد نے برجستہ جواب دیا۔ "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اس بکری کو تو کبھی نر کا قرب ہی حاصل نہیں ہوا، تاہم اگر آپ دودھ نکال سکتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، بسم اللہ پڑھی اور اس بکری کے لئے دعا کی، فوراً ہی تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن طلب فرمایا، اپنے دست مبارک سے دودھ نکالا، دودھ کا برتن لبریز ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دودھ سب سے پہلے ام معبد کو پلایا وہ سیر ہوگئیں، پھر اپنے رفقاء قافلہ کو پلایا، انہوں نے بھی سیرابی کے بقدر پی لیا پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوش فرمایا اور گویا ہوئے کہ قوم کو پلانے والا آخر میں ہی پیا کرتا ہے۔ پھر دوسری مرتبہ دودھ نکالا حتیٰ کہ برتن دودھ سے بھر گیا، آپ نے یہ دودھ اسی خاتون کے پاس چھوڑا، اس خاتون کو بیعت فرمایا اور راہی مدینہ ہوگئے۔"

(سبیل الهدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ام معبد)

راقم الحروف نے بنظر غائر چاروں اطراف کا معائنہ کیا، چاروں طرف فلک بوس پہاڑ تھے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس قافلہ کے پرخطر اور دشوار گزار سفر کا تصور کیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تلواروں کی چھاؤں سے نکل کر غار ثور کی سہہ روزہ روپوشی کے بعد اس غیر معروف اور ویران راستے میں وادیوں کو عبور کرتے ہوئے، پہاڑوں کو سر کرتے ہوئے کیسے سفر کیا ہوگا؟ آج ہم سڑک پر ائیر کنڈیشنڈ گاڑی میں پر امن ماحول میں سفر کر کے یہاں پہنچے تھے اور یہاں سے چند میل قبل ایک چشمے پر ناشتہ کیا تھا، پھر بھی تھکن محسوس کر رہے تھے، لیکن قافلۂ نبوی کا یہ پر کٹھن سفر اونٹوں پر یا پیدل تھا، سامان خورد و نوش کی بھی کمی تھی، پھر گرفتاری و شہادت کا اندیشہ بھی دامن گیر تھا، لیکن دین اسلام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کچھ برداشت کیا، آج ہم ان کے نام لیوا ہیں، ہزاروں راحتیں اور آسائشیں ان کے نام پر حاصل کئے ہوئے ہیں، پھر بھی اپنے فریضہ سے غافل، بلکہ وراثت کو ضائع کر رہے ہیں، اور وہ ہمارے

لئے کس قدر قربانیاں دے گئے۔ "جَزَی اللّٰہُ عَنَّا سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا بِمَا ھُوَ اَھْلُہٗ"

بعض تبصرہ نگاروں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ بکری حضرت عمر کے زمانے تک زندہ رہی اور اپنے مالکان کو صبح وشام وافر دودھ پلاتی رہی، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کی برکت سے، اس کے دودھ سے اہل مدینہ تک فیض یاب ہوتے رہے۔ یہاں گردونواح میں بکریوں کے بیسیوں ریوڑ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ دعا صرف اسی بکری تک محدود نہ رہی، بلکہ اس کی نسلوں تک یہ دعا جا پہنچی۔ یہاں بکریوں کے چرنے کو کوئی سبزہ ہی نہ تھا، صرف جھاڑی نما درخت جن کا سایہ بالکل ہلکا اور نہ ہونے کے برابر ہے، بس یہی بکریوں کی غذا ہے، سچ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے مخلوقات کو روحانی غذا بھی نصیب ہوئی اور جسمانی غذا بھی۔

اس مقام "ام معبد" سے تھوڑے فاصلے پر ایک چشمہ جاری ہے، یہ چشمہ چند میل کے فاصلے سے نکل رہا ہے، جہاں سے یہ چشمہ نکل رہا ہے وہاں بھی کچھ دیر ہمارا قیام رہا، یہیں پر ہم نے صبح کا ناشتہ کیا، پھر مقام ام معبد کے قریب ام العیال میں چشمہ پر حاضری دی، ہمارے میزبان نے مسجد نبوی کے سابق امام شیخ محمد ایوب حفظہ اللہ کے حوالے سے بتایا کہ سفر ہجرت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس چشمہ سے پانی نوش فرمایا تھا۔ یہ چشمہ پہاڑی کے اندر واقع ہے، نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں بنائی گئی ہیں، ہم سیڑھیوں سے نیچے اترے، چشمے کو دیکھا تو ماشاءاللہ اس کا پانی بالکل صاف اور شفاف تھا، نیچے پانی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بھی موجود تھیں۔ ہم نے تبرکاً پانی نوش کیا، وضو کیا اور قریب ہی دو رکعت نفل نماز ادا کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں تحفۂ درود بھیجا۔ یہ چشمہ آج تک جاری وساری ہے، اس چشمے سے پانی، کھال (نالی) کی شکل میں جا رہا ہے، اس کھال کے کناروں پر کھجور کے درخت لگے ہوئے ہیں، درمیان میں یہ درخت کہیں کہیں خشک بھی ہو گئے ہیں، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ کچھ عرصہ قبل یہ چشمہ خشک ہو گیا تھا، اس لئے یہ درخت بھی خشک ہو گئے ہیں، پھر یہ چشمہ بحمداللہ دوبارہ سے جاری ہو گیا ہے۔ ہم کچھ دیر یہاں ٹھہرنے کے بعد اگلی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ ہماری اگلی منزل "ابواء" تھی، ابواء یہاں سے ایک

راستے سے تقریباً 60 کلومیٹر کی مسافت پر ہے، لیکن یہ راستہ کچا اور ناہموار ہے، اس لئے ہمیں طویل راستہ اختیار کرنا پڑا۔

ام العیال سے ابواء جاتے ہوئے پہاڑوں اور وادیوں سے گزر ہوا، خشک اور ویران پہاڑوں کے دامن میں کہیں کہیں ہلکی پھلکی جھاڑیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں، البتہ بعض مقامات پر بکریوں کے ریوڑ اور اکثر مقامات پر اونٹ چرتے ہوئے نظر آئے۔ اونٹوں کو پہاڑوں پر دیکھ کر قرآن کریم کی اس آیت کی جانب ذہن مبذول ہو گیا۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○ (الغاشية: ۱۷ تا ۲۰)

”تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ ”انہیں کیسا بنایا گیا؟ اور آسمان کو کہ اسے کس طرح بلند کیا گیا ہے، اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا ہے، اور زمین کو کہ اسے کیسے بچھایا گیا۔“

عرب کے ان علاقوں میں اونٹ، پہاڑ، زمین اور آسمان کے علاوہ کچھ بھی تو نظر نہیں آتا، اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے ان چار چیزوں میں فکر و تدبر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہم تقریباً ایک بجے ابواء پہنچے، ابواء ایک گاؤں ہے، گاؤں کی آبادی سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ بنت وهب کی قبر ہے، ہم ابواء پہنچ کر تھک چکے تھے، راستہ کہیں کہیں سے خراب تھا، سڑک بارش کی وجہ سے بہہ چکی تھی، اس گاؤں میں ایک مسجد کے قریب رک گئے، ایک بنگالی مزدور سے سیدہ آمنہ کی قبر کے متعلق سوال کیا، اس نے پتہ بتاتے ہوئے مشورہ دیا کہ آدھ گھنٹہ ٹھہر کر جائیں، اس وقت وہاں پولیس ہو گی، وہ آپ کو قریب نہیں جانے دے گی، ہم نے نمازِ ظہر ادا کرنی تھی، قریبی مسجد میں نماز ظہر ادا کی اور پندرہ بیس منٹ کے لئے مسجد میں ہی لیٹ گئے، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ہم سیدہ آمنہ کی قبر کی جانب روانہ ہوئے، ابواء سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر سڑک سے گاڑی نیچے دائیں

جانب لے گئے، قبر تک جانے کے لئے کوئی بھی راستہ نہیں، بس پہاڑ کے دامن سے اندر کی جانب سے ہمارے میزبان ہمیں لے گئے، جس پہاڑ پر یہ مقبرہ ہے، سعودی حکومت نے اس کے اردگرد مٹی کا بند بنادیا ہے، تاکہ کسی کو بھی اس پہاڑ تک رسائی نہ ہو، مزید یہ کہ پولیس کا پہرہ بھی یہاں مستقل رہتا ہے، لیکن چونکہ یہ کھانے کا وقت تھا، اس لیے شاید پولیس والے کھانے کے لئے گئے ہوئے تھے، ہمیں کسی پولیس والے سے واسطہ نہ پڑا، گاڑی بند تک جا پہنچی، سامنے وہ پہاڑ تھا، جہاں سیدہ آمنہ بنت وھب کی قبر ہے۔

مقام ابواء جو مدینہ منورہ سے تقریباً اڑھائی سو کلومیٹر دور ہے اور مکہ مکرمہ سے بھی اس کا فاصلہ کافی زیادہ ہے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کی قبر ہے، اس کا ذکر سیرۃ کی کتابوں میں موجود ہے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الثانی/رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مئی 2013ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں

ابواء (مقبرہ سیدہ آمنہؓ)

کتب سیرت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات کے تذکرے کا خلاصہ کچھ یوں ہے: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک جب چھ سال کی ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ محترمہ مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ننھیال بنی عدی بن نجار سے ملوانے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لے گئیں۔ والدہ کے علاوہ ام ایمن نامی باندی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھیں، یہ مختصر قافلہ دو اونٹوں پر سوار تھا، مدینہ منورہ میں دار النابغہ میں ایک ماہ تک قیام رہا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ منظر یاد تھا، چنانچہ ہجرت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنی عدی بن نجار کے ٹیلے دیکھے تو انہیں پہچان گئے، فرمایا کہ میں انصار کی بچی رئیسہ کو یہاں کھلایا کرتا تھا، میں بنی نجار کے لڑکوں کے ساتھ یہاں پرندوں کو اڑایا کرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب وہ گھر دیکھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قیام رہا، تو فرمایا کہ یہ وہ گھر ہے جہاں میں اور میری امی رہتے تھے، یہودی بھی یہاں آتے جاتے رہتے تھے، ام ایمن کہتی ہیں کہ میں نے ایک یہودی سے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ "یہ بچہ اس امت کا نبی ہے، اور یہ شہر اس نبی کا دار النبوۃ ہوگا۔" مجھے تب سے یہ بات یاد ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "مجھے ایک یہودی بار بار تک رہا تھا، اس نے مجھ سے پوچھا بچے تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے جواب دیا میں احمد ہوں، اس نے میری پشت کو دیکھا اور کہنے لگا کہ یہ اس امت کا نبی ہے، پھر مجھے میرے ماموں کے پاس لے گیا، ان کو یہ بات بتائی، انہوں نے میری امی کو یہ خبر دی، یہ سن کر میری امی خوفزدہ ہوگئیں اور

مجھے فوراً لے کر مدینہ سے چل پڑیں۔'' ایک روایت میں ام ایمن فرماتی ہیں کہ یہودی نے یہ بھی بتایا کہ اس شہر میں قتل و گرفتاریوں کے بڑے واقعات رونما ہوں گے، سیدہ آمنہ آپ کو واپس مکہ کے لیے لے کر چل پڑیں، مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواء تک پہنچیں، تو ان کی موت کا وقت آ گیا، سیدہ آمنہ نے اپنے معصوم ولاڈلے بیٹے کو دیکھا اور وفات سے قبل اشعار پڑھے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

اے لڑکے! تجھے اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے برکتیں نصیب فرمائے۔ اے اس شخص کے بیٹے! جو انعام کرنے والے بادشاہ کی مدد سے موت کی سختی سے بچ گیا۔ جسے قرعہ اندازی کے دن صبح کے وقت ایک سو اونٹوں کا فدیہ دے کر بچایا گیا تھا۔

اگر وہ بات جو میں نے اپنے خواب میں دیکھی ہے، درست ہے، تو تُو اللہ ذوالجلال والاکرام کی طرف سے لوگوں یعنی دنیا کی طرف مبعوث ہوگا (اور) تو حل وحرم میں حق وسلام کے ساتھ یعنی تو اپنے صالح باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے ساتھ مبعوث ہوگا اور آسانی اور سلام کے ساتھ مبعوث ہوگا، جبکہ تو اقوام کے ساتھ (مل کر) ان بتوں سے محبت نہیں کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تجھے بتوں سے بچالے گا۔

اور یہ ارشاد فرمایا:

> ''ہر زندہ کو مرنا ہے، ہر نئی چیز کو پرانا ہونا ہے، ہر بڑے کو فنا ہونا ہے، میں مر رہی ہوں، لیکن میرا ذکر باقی رہے گا، میں خیر چھوڑ کر جا رہی ہوں، میں نے پاک بچہ جنم دیا ہے۔''

یہ فرمایا اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی، بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدہ آمنہ کی وفات کے بعد کسی جن نے آپ کا مرثیہ کہا، جس کا ترجمہ درجِ ذیل ہے:

> ''ہم امانت دار، صالحہ، اچھی صورت و پاکدامنی والی باوقار عورت پر روتے ہیں۔ یعنی عبداللہ کی زوجہ اور ساتھی یعنی اللہ کے باوقار اور مدینہ منورہ کے منبر والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مطہرہ پر، جبکہ وہ مدینہ منورہ کی قبر میں گروی رکھی جا چکی ہے۔''

اگر اس کا فدیہ دیا جاتا (یعنی اسی عورت کا فدیہ دے کر موت کے منہ سے چھڑایا جاتا) تو قیمتی چیز سے فدیہ دیا جاتا (لیکن) موت کے پاس دو دھاری خنجر ہوتا ہے۔

وہ (موت) نہ ہودج (کجاوہ نما، عورت کی سواری) کو اور نہ اس میں بیٹھنے والی عورت کو باقی چھوڑتی ہے، مگر وہ (موت) آ کر شہ رگ کاٹ دیتی ہیں۔

کیا تو اے غمگین (اس دنیا سے) رخصت نہیں ہو گئی۔ ہم تو سب حیرت زدہ اور غمگین ہیں بے زیور، خوبصورت، کمزور، مسکینہ عورت کی وجہ سے۔

قبر کے قریب کھڑے ہو کر میرا ذہن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مصائب کی جانب مبذول ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدائشی یتیم پیدا ہوئے، چھ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا سایہ بھی اٹھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوشی خوشی اپنے ننھیال والدہ کے ہمراہ گئے ہوں گے اور غمزدہ گھر واپس لوٹے ہوں گے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ کو زیرِ زمین سپردِ خاک کیا جا رہا ہوگا، تو اس کم سن کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی، وہ ایک خادمہ کے ساتھ اڑھائی سو کلومیٹر کا سفر طے کر کے مکہ پہنچے ہوں گے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کیا احساسات ہوں گے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

> ''سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کے قبر کی زیارت کی، آپ رو پڑے (آپ کے رونے کی وجہ سے) آپ کے ہمراہ سب لوگ بھی رو پڑے، پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی، مجھے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی اور میں نے ان کے لیے استغفار کی اجازت چاہی، مجھے اس کی اجازت نہ ملی، سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں موت یاد دلایا کریں گی۔''

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' شوال المکرم/ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ اگست/ ستمبر 2013ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں

بدر (مقبرہ شہداء)

ابواء سے ہماری اگلی منزل ''بدر'' تھی۔ راستے میں بدر سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ساحل سمندر پر ایک شہر ''رائس'' ہے۔ ہمارے میزبان جناب حاجی محمد عارف ہمیں رائس لے آئے۔ ابواء سے رائس تک کا سفر بھی طویل تھا۔ سڑک کے دونوں جانب پہاڑ، اونٹ اور کہیں کہیں بکریاں دکھائی دیتیں۔ اوپر آسمان اور نیچے زمین کو دیکھ کر بار بار یہ آیت قرآنی ذہن میں مستحضر ہوتی۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ○

(الغاشیہ: ۱۷ تا ۲۰)

''تو کیا یہ لوگ اُونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ اُنہیں کیسے پیدا کیا گیا؟ اور آسمان کو کہ اُسے کس طرح بلند کیا گیا؟ اور پہاڑوں کو کہ اُنہیں کس طرح گاڑا گیا؟ اور زمین کو کہ اُسے کیسے بچھایا گیا۔''

ساحل سمندر پر پہنچ کر دوپہر کا کھانا تناول کیا، سعودی حکومت نے یہاں نہایت ہی خوبصورت پارک اور تفریح گاہیں تعمیر کرائی ہیں، حکومت کی توجہ کی وجہ سے ساحل نہایت ہی حسین بن گیا ہے۔ بدر کے قریب اس ساحل کو دیکھ کر مجھے غزوہ بدر کے پس منظر میں قافلۂ ابوسفیان یاد آیا، جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف سے حملہ کے خطرہ کے پیش نظر معروف راستے کو چھوڑ کر غیر معروف راستے سے ساحل کے قریب سے گزرتا ہوا بچ نکلا تھا اور مسلمانوں کا ابوجہل کے قافلہ سے میدان بچ گیا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں

سے ان دونوں قافلوں میں سے کسی ایک قافلہ پر فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا تھا۔ مسلمانوں کی خواہش تھی کہ مقابلہ ابوسفیان کے قافلے سے ہو کیونکہ ایک تو اس قافلے کے شرکاء کی تعداد کم تھی، دوسرا اس میں مال تجارت کافی مقدار میں تھا جو غنیمت میں ملنے کی امید تھی۔ جبکہ ابوجہل کا جنگجو قافلہ کافی بہادر گروہوں پر مشتمل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت حق کو غالب کرنے، باطل کو نیچا دکھانے اور کفار و مشرکین کے زور و طاقت کو کمزور کرنے کی تھی۔ اس لیے ابوسفیان کا قافلہ ساحل سے نکل گیا اور ابوجہل کے قافلے سے بدر میں مقابلے کا میدان سج گیا۔ اس وعدے کا ذکر قرآن کریم میں ہے:

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ○ (الانفال:۷)

"اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا، کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے، اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔"

"رائس" میں کچھ دیر قیام کرنے کے بعد ہم بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ بدر شہر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بدر کے معروف اور تاریخی قبرستان کا رخ کیا۔ اس قبرستان میں شہدائے بدر کے مزار مبارک ہیں۔ یہ قبرستان سڑک کے کنارے واقع ہے۔ سڑک کی جانب سعودی حکومت نے ایک لمبی دیوار تعمیر کر کے گیٹ لگایا ہوا ہے، اس لیے اس جانب سے قبرستان کی زیارت ممکن نہیں، اس کے علاوہ یہاں پر پولیس کا پہرا بھی ہوتا ہے، عمرے پر جانے والوں کا یہاں آنا غیر قانونی ہے، ویسے بھی سعودی اپنے مخصوص نظریات کی وجہ سے لوگوں کو یہاں رکنے نہیں دیتے، ان حضرات کے نزدیک بدنی ایصالِ ثواب ثابت نہیں ہے، اس لیے وہ قبور پر تلاوت قرآن اور دعا کے بھی منکر ہیں۔ اکثر لوگ سڑک پر چلتے چلتے ایصال ثواب کر لیتے ہیں۔

احقر دو سال قبل بھی یہاں حاضر ہوا تھا، لیکن اس وقت دور سے ہی سلام اور ایصال ثواب پر اکتفا کیا تھا، قبور کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ اس مرتبہ ہمارے میزبان تجربہ کار اور زیرک تھے۔ وہ ہمیں سڑک کی جانب سے قبرستان لے جانے کے بجائے عقبی جانب سے قبرستان لائے۔ ہم گاڑی سے نیچے اترے اور شمالی جانب سے دیوار کی طرف روانہ ہوئے۔ اللہ کی شان دیوار چھوٹی تھی، مزید یہ کہ دیوار کے ساتھ عمارت کے بلاک رکھے ہوئے تھے، ہم نہایت ہی اطمینان سے ان بلاکوں پر چڑھ گئے۔ قبرستان میں بنی ہزاروں قبریں سامنے تھیں، انہیں قبروں میں بدر کے ان خوش نصیب ١٤ شہداء کی قبریں بھی تھیں، جنہیں اسلام وکفر کے اس عظیم ترین معرکہ میں شہادت کی سرفرازی نصیب ہوئی اور ان کی شجاعت وشہادت کی برکت سے ٣١٣ افراد کا نہتا لشکر ٥٠٧ کے لشکر جرار پر غالب آیا تھا۔ ان ١٤ شہداء کے اسماء گرامی سڑک پر لگے ایک کتبے پر مرقوم تھے جو درج ذیل ہیں۔

١)...... عمیر بن ابی وقاص ؓ
٢)...... صفوان بن وہب ؓ
٣)...... ذوالشمالین بن عبد عمرو ؓ
٤)...... مسجع بن صالح ؓ
٥)...... عاقل بن البکیر ؓ
٦)...... عبیدہ بن حارث ؓ
٧)...... سعد بن خیثمہ ؓ
٨)...... مبشر بن عبدالمنذر ؓ
٩)...... حارثہ بن سراقہ ؓ
١٠)...... رافع بن المعلام ؓ
١١)...... عمیر بن الحمام ؓ
١٢)...... یزید بن الحارث ؓ
١٣)...... معوذ بن الحارث ؓ
١٤)...... عوف بن الحارث رضی اللہ عنہم۔

ہم نے دیوار کے قریب کھڑے ہو کر اہل مقبرہ پر سلام مسنون پڑھا، ایصال ثواب کیا اور حق تعالیٰ سے دعا کی۔ پھر اطمینان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر مسجد عریش اور میدان جنگ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مسجد عریش یہاں سے تھوڑے سے فاصلے پر سڑک کی جنوبی جانب واقع ہے۔ عریش عربی زبان میں چھپر کو کہتے ہیں، دراصل یہ مسجد اس جگہ بنائی گئی ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اونچی جگہ پر چھپر تیار کیا گیا تھا تاکہ آپ یہاں تشریف فرما ہوں، ایک تو دشمن کے حملے سے محفوظ ہوں، دوسرا آپ بلندی سے پورے میدان جنگ کا معائنہ

فرما کر وقتاً فوقتاً ہدایات جاری کرتے رہیں، بعد میں اس جگہ پر مسجد تعمیر کردی گئی اور اس کا نام مسجد عریش رکھ دیا گیا۔ ہم نے مسجد میں جا کر نماز عصر ادا کی اور مسجد کے بائیں جانب مغرب سے شمال میں موجود کھلے میدان کے کنارے جا کھڑے ہوئے۔

ہمارے میزبان نے ہمیں بتایا کہ یہ میدان کارزار تھا اور اسی وسیع وعریض میدان میں جہاں اب جنگل نما جھاڑیاں اور کھجور کے پودے موجود تھے، ایک جانب اشارے سے بتایا کہ یہاں بدر کا کنواں تھا، جسے کتب حدیث میں ''قلیب بدر'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہی کنواں ہے جس میں مشرکین کے سرداروں کی لاشوں کو گھسیٹ کر پھینک دیا گیا تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان میں ایک ایک کا نام لے کر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

> ''ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے حق پایا، کیا تم نے بھی اپنے رب کا کیا ہوا عہد سچا پایا ہے۔'' اس پر سیدنا عمرؓ گویا ہوئے کہ آقا! ایسے جسموں سے کیسی باتیں ہو رہی ہیں، جن میں روح نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! میری باتوں کو تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔''

(صحیح بخاری:۳۹۷۶)

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' محرم الحرام ۱۴۳۵ھ/نومبر2013ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگاریں

میدان بدر

میدان بدر میں گم سم کھڑے ہوئے، اسلام کا حسین ماضی اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایام ذہن میں گردش کرنے لگے۔ ذہن 1432 سال قبل کے حالات کی جانب پلٹ گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ نوزائدہ ریاست "مدینہ منورہ" شب و روز خطرات سے دوچار تھی۔ اندرونی و بیرونی مخالفتوں اور سازشوں کے جالے بنے جا رہے تھے۔ مشرکین مکہ کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ ان کا بس چلتا تو وہ آناً فاناً سب کچھ تباہ کر ڈالتے، انہوں نے ہجرت کی شب اس کی کوشش بھی کی، لیکن ناکام و نامراد ہوئے۔ انہیں اپنی قوت و دولت کا گھمنڈ تھا۔ وہ جاہلانہ عصبیت اور متکبرانہ رعونت کی وجہ سے دانت پیس رہے تھے۔ ان کا منصوبہ اسلام اور اہل اسلام کے ختم کر دینے کا تھا، لیکن حق تعالیٰ کا فیصلہ انہیں، انہی کے اپنے بُنے ہوئے جال میں پھنسا کر رسوا کر دینے کا تھا اور یہی مقام بدر ان کی رسوائی کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔

میں اس مقام پر کھڑا تھا جہاں مشرکین مکہ کی رعونت خاک میں مل گئی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں 313 مسلمانوں کی نصرت کے لیے آسمان سے قدسیوں کے لشکر نازل ہوئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہمارے قدم اس زمین پر جمے ہیں، جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانباز صحابہ کی نصرت کے لیے جبرائیلؑ و میکائیلؑ اپنے اپنے گھوڑوں کے ساتھ چل رہے تھے، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آنکھوں سے اسی مسجد عریش کی جگہ پر مشاہدہ فرما کر، اپنے سفر و حضر، غار و مزار اور دنیا و عقبیٰ کے رفیق سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے گویا ہوئے تھے:

"ابوبکر تمہیں مبارک ہو کہ جبرئیلؑ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑے ہیں۔"

زہے نصیب، یہ وہ مقام ہے جہاں زمین و آسمان کے قدسیوں نے مل کر کفر کا قلع قمع

کیا، جہاں ایک قول کے مطابق فرشتوں نے بھی قتال و جہاد میں حصہ لیا، کیونکہ انہیں حکم ربانی تھا۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال:۱۲)

”وہ وقت یاد کرو! جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ:

”میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مومنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رُعب طاری کردوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔“

میں تصورات میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو رات بھر اللہ کے حضور گڑگڑا کر فریادیں کرتا دیکھ رہا تھا۔ آپ الحاح وزاری کے ساتھ تڑپ تڑپ کر بارگاہ ایزدی میں گویا تھے:

”اے اللہ! اپنے بندے کی مدد فرما، اپنے عہد کو نبھا ڈال، اے اللہ! ان لشکروں کو تو اکیلا شکست سے دوچار کردے“

اور کبھی اپنی مٹھی بھر جماعت کو دین کی سربلندی کے لیے ضروری تصور کرتے ہوئے رب کے حضور یوں عرض گزار ہوتے:

”اے اللہ! اگر آپ نے اس مختصر سی جماعت کو شکست دے دی تو زمین میں آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔“

میرے سامنے وہ ٹیلا بھی تھا جہاں مسلمانوں کا لشکر بے سروسامان اور مسکنت و عاجزی کے ساتھ خیمہ زن ہوا، اسے قرآن کریم میں ”عدوۃ الدنیا“ فرمایا گیا۔ کچھ فاصلہ پر وہ ٹیلا بھی ہے جہاں مشرکین نے پورے غرور و تکبر سے جشن منایا تھا، جنوب مغرب میں وہ پہاڑ بھی ہے جس کی چوٹی سے سمندر (بحیرہ قلزم) صاف نظر آتا ہے۔ اسی کے ساحل سے ابوسفیان کا قافلہ بچ نکلا تھا۔ وہ میدان بھی سامنے تھا جہاں اسلام و کفر کا رن پڑا۔ رات کو ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلامی لشکر کو ترتیب دے کر ارشاد فرمایا تھا کہ صبح یہاں ابوجہل قتل ہوگا، اس جگہ عتبہ مارا جائے گا اور فلاں جگہ پر شیبہ ڈھیر ہوگا۔ دشمنان اسلام کی ہلاکت اور جائے ہلاکت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معجزۃً پہلے ہی بتادی تھی۔ اس میدان میں 313 کے

اسلامی لشکر نے طالوت کی تعداد کے عین مطابق آٹھ تلواروں، 2 گھوڑوں، 70 اونٹوں اور دو زرہوں کے ساتھ 750 کے لشکر جرار جن کے پاس 200 گھوڑے، ہر سپاہی کے ہاتھ میں تلوار اوران کے پاس بے شمار اونٹ تھے، کے ساتھ مقابلہ کیا اور فتح وکامیابی سے سرفراز ہوئے۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں ابوجہل کی دعا بھی قبول ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بھی حق تعالیٰ نے خوب سنی۔ ابوجہل جیسا مشرک بھی میدان بدر میں حق تعالیٰ سے عرض گزار تھا:

''اے اللہ! ہم میں سے جو قرابتوں کو قطع کرنے والا اور غلط کار ہے اسے تو آج توڑ ڈال۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تجھے زیادہ پسند اور پیارا ہے، آج اس کی مدد فرما۔''

اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کی قبولیت کا ذکر یوں فرمایا:

''اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے پاس فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعا یہ تھی:

''الٰہ العالمین یہ لوگ غرور وتکبر کے ساتھ چلے آئے ہیں، اے اللہ! اپنے بندے کی مدد فرما۔ اے اللہ! اپنے عہد کو پورا فرما۔ اے اللہ! منکروں کو شکست فاش نصیب فرما۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ دعا بھی بلاشبہ قبول ہوئی۔ مشرکین کا فریق ہی قرابتوں کا قطع کرنے والا اور غلط کار تھا، اسے رب نے توڑ ڈالا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رفقا رب کے محبوب اور پسندیدہ تھے، اس لیے غالب رہے۔ نیز حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے عہد خاص کے ذریعے نصرت فرمائی اور مشرکین کے لشکروں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

اس میدان میں قریش کے بہترین شاہسوار عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ، چیختے پکارتے ہوئے سب سے پہلے کودے تھے۔ ان کے مقابلے کے لیے اسلام کے سپہ سالار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ جیسے جانبازوں کو میدان میں اتار ڈالا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو ڈھیر کر

دیا، جبکہ عبیدہ بن حارث ؓ اپنے حریف عتبہ بن ربیعہ سے زخمی ہو گئے تو سیدنا علیؓ نے اپنے بھائی کے حریف پر گرجتے شیر کی طرح حملہ کر کے اسے بھی واصل جہنم کر ڈالا، پھر فتوحات اسلامی کا آغاز ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے تو چھپر پر بیٹھے نگرانی فرما رہے تھے، لیکن جب عام جنگ شروع ہوئی تو چھپر سے نیچے اتر کر زرہ پوش میدان کارزار میں آگے بڑھتے چلے گئے اور زبان پہ یہ کلمات جاری تھے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ (القمر:۴۵)

’’(حقیقت تو یہ ہے کہ) اس جمعیت کو عنقریب شکست ہو جائے گی، اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔‘‘

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مشت خاک لے کر قریش کی جانب رخ فرما کر گویا ہوئے: ’’شاہت الوجوہ‘‘ اور مٹی سے بھری مٹھی ان کی جانب پھینک دی۔ مشرکین کے جم غفیر میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی دونوں آنکھوں، نتھنوں اور منہ میں یہ خاک نہ گئی ہو۔ اسی کے متعلق ارشاد ربانی ہوا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۝ (الانفال:۱۷)

’’اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔‘‘

رحمان و شیطان کی فوجیں یہاں باہم برسر پیکار تھیں۔ شیطان اپنی فوجوں کی بذات خود قبیلہ مدلج کے سردار ’’سراقہ بن مالک‘‘ کی شکل میں کمان کر رہا تھا۔ لیکن جب اس نے رحمانی فوج کے ساتھ آسمانی لشکر کا مشاہدہ کیا اور آسمان سے اترنے والے تین ہزار ملائکہ کی جماعت کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر ابوجہل شیطان کا قائم مقام بن کر لشکر کی کمان کرنے لگا، لیکن نہتے، ناتواں اور صاحب ایمان و استقامت سپاہی مشرکین کے سر حنظل کی طرح کاٹتے جا رہے تھے اور غرور کے سروں کو خاک میں ملا رہے تھے۔ اسی اثنا میں معاذؓ بن عمرو بن جموح اور معوذؓ بن عفراء دو کم سن جوانوں نے عقاب کی طرح ابوجہل پر جھپٹ کر حملہ کیا اور اس سردار کو ڈھیر کر دیا، لیکن جنگ کے اختتام تک اس میں سانسوں کی رمق باقی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا گلا کاٹ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اسی دوران امیہ بن خلف بھی ہزار جتن کے باوجود اپنی جان کی بازی ہار گیا۔ 70 کفار و مشرکین جن میں اکثریت سرداروں اور وڈیروں کی تھی قتل ہوئے

اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔

میرے ذہن میں دورِ حاضر میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے مظالم باوجود ان کی کثرت اور ان کی بے بسی آ رہی تھی۔ اسی اثنا میں علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر جواب۔ بن کر ذہن میں آیا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اور بقول کسے۔

وہ تین سو تیرہ تھے تو لرزتا تھا زمانہ
آج ہم کروڑوں ہیں تو کرتے ہیں غلامی

تکبر، غرور اور مال و اسباب کے بل بوتے پر اکڑ اکڑ کے آنے والے عرب کے مشہور شاہسوار، بیت اللہ کے مجاور اور عرب کے مذہبی و سیاسی پیشوا و سردار آج یا تو اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے یا گرفتار ہو کر مجرموں کی صف میں کھڑے تھے۔ ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جن کا لباس تک تار تار ہو چکا تھا اور صرف تہہ بند ان کے جسموں پر باقی تھا۔ یہ عبرت ناک منظر تھا یا رسوا کن حالت، یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا، جسے حق تعالیٰ نے اپنے نبی کے معجزہ اور صحابہ کرامؓ کی کرامت کی برکت سے نہ صرف ممکن بلکہ اس کا وقوع کر دکھایا۔ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے نصرتِ الٰہی کا مشاہدہ پا کر قرآنی صداقت اور زیادہ محسوس کی۔ بدر میں لڑنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے 313 صحابہ، صحابہ کرام کی افضل ترین جماعت ہے۔ اہل معرفت اور اہل باطن کا کہنا ہے کہ اگر ان 313 صحابہ کرام کے نام کی تلاوت کر کے ان کے وسیلے سے دعا مانگی جائے تو فوراً قبول ہوتی ہے۔ جن مقدس شخصیات کے اسماء میں اتنی قبولیت ہے ان کی ذات میں کس قدر قبولیت ہوگی۔

ہم یہاں سے دعا مانگ کر واپس مدینہ روانہ ہوئے۔ ہماری اگلی منزل مدینہ منورہ میں واقع ”بیر عثمان“ (جس کا پرانا نام ”بیر رومہ“ تھا) تھی۔

(تاریخ اشاعت ”ماہنامہ صدائے فاروقیہ“ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ/جنوری 2014ء)

غزوۂ بدر: معرکہ حق و باطل

غزوۂ بدر اسلام کا اہم ترین غزوہ ہے، اسلام کی عزت و شوکت، کفر و شرک کی ذلت اسی غزوہ سے ہوئی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے اسلام کو ظاہری اسباب کے بغیر محض غیب سے قوت حاصل ہوئی، کفر و شرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہوگئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو "یوم الفرقان" یعنی حق و باطل کے درمیان امتیاز کا دن، سے تعبیر کیا۔ غزوۂ بدر کی مختصر تفصیل یوں ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہجرت کے دوسرے سال ابتدائے رمضان میں دانائے سبل، ختم الرسل، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کو خبر ملی کہ ابوسفیان قریش کے قافلۂ تجارت کو مال و اسباب اور نفع سے بھر کر ملک شام سے مکہ واپس لا رہا ہے، مسلمانوں نے کفار کی معاشی شہ رگ کاٹنے اور انہیں معاشی طور پر کمزور کرنے کے لیے فیصلہ کیا کہ ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کیا جائے، اور مال و اسباب چھین کر اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے سے روکا جائے، چونکہ باقاعدہ جنگ مقصد نہیں تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بلا کسی جنگی تیاری اور اہتمام کے نکل کھڑے ہوئے۔ ابوسفیان کو بھی شک پڑ گیا، جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے ضمضم غفاری کے ذریعے مکہ میں پیغام بھیج دیا کہ فوراً اپنے قافلہ کی خبر لو۔ اس خبر کا پہنچنا تھا کہ پورے مکہ میں ہلچل مچ گئی، سردار لشکر ابوجہل ایک ہزار کا لشکر نہایت کروفر، سامان عیش و طرب کے ساتھ، گانے بجانے والی عورتوں کو ساتھ لے کر اکڑتے اور اتراتے ہوئے مدینہ کی طرف چل پڑا، ادھر سے ابوسفیان اس بھنک پڑ جانے کی وجہ سے کہ مسلمان میری تلاش میں ہیں، محتاط انداز میں، معروف راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ سے نکل گئے۔

12 رمضان المبارک کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قافلے کے تعاقب میں تین سو تیرہ کا

لشکر لے کر نکلے تھے، قافلہ نکل گیا لیکن پتہ چلا کہ ابو جہل کا لشکر بدر میں پہنچ چکا ہے۔ جنگی سامان کی یہ صورتحال تھی کہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے، آٹھ تلواریں اور چھ زرہیں تھیں، جبکہ کفار کے پاس سینکڑوں اونٹ، گھوڑے، ہر بندہ مسلح، شراب و کباب کو بھی ساتھ لے کر چلا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بدر میں پہنچے، بڑا ہی عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خضوع کی حالت میں دونوں ہاتھ پھیلا کر فرمایا:

''خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔''

یوں ساری رات رو کر اللہ سے نصرت کی دعائیں کیں، صبح ابوبکر رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا، میرے آقا! اللہ اپنا وعدہ وفا کرے گا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ جبرئیل آئے ہوئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کو مبارکباد دی، فرمایا: ابوبکر! تمہیں مبارک ہو یہ دیکھو جبرئیل امین گھوڑے کی لگام پکڑ کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اس غزوہ میں اول ایک ہزار اور پھر تین ہزار فرشتوں کا نزول ہوا۔

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام، معرکہ ہوا، معرکہ کیا تھا؟ ایثار اور جان بازی کا حیرت انگیز منظر تھا، باپ بیٹے، عزیز رشتے دار ایک دوسرے کے سامنے تلواریں لیے کھڑے تھے، بالآخر 17 رمضان المبارک کو میدان کارزار گرم ہوا، فریقین ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے، فریقین کی جانب سے اپنے اپنے رفقاء کو خوب داد مردانگی دی گئی، نتیجے میں تین سو تیرہ کا یہ لشکر اللہ کی خاص نصرت و معیت سے فتح یاب ہوا، کفار کا ایک ہزار کا لشکر شکست خوردہ ہوا، مسلمانوں کو نہ صرف مال غنیمت حاصل ہوا بلکہ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف سمیت بڑے بڑے ستر کا فر قتل اور ستر گرفتار ہوئے، بعد ازاں اسیران جنگ سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ پورے عرب نے اسلام کی دھاک اور کفار کی تذلیل دیکھی، کفار اس عبرتناک شکست کی وجہ سے جینے کے قابل نہ رہے۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ مسلمانوں کی طرف سے قریش کے تجارتی قافلے

پر حملہ ان کا ''مال لوٹنے کی لالچ'' کے سبب ہرگز نہ تھا، بلکہ یہ تو ان مہاجرین کو ان کا جائز حق دلوانے کی ایک کوشش تھی، جن کا مال و متاع، گھر بار، زمین و جائیداد سب قریش نے ہتھیالیا تھا۔ دنیا کا کوئی بھی قانون مظلوم کے اپنا جائز حق لینے کو لوٹ کھسوٹ قرار نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے اس طرح کی سات مہمات میں جو افراد شامل تھے، وہ سب کے سب مہاجرین تھے۔ ان میں ایک بھی انصاری صحابی شامل نہ تھا، لہٰذا بعض ناعاقبت اندیش جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ کہہ کر قدغن لگاتے ہیں کہ وہ تو قافلوں کو لوٹ کر پیٹ پالتے تھے، ان کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور اس پاکباز جماعت پر متعصبانہ نگاہ کی بجائے اصل حقائق تک رسائی حاصل کرنی چاہیے۔

غزوۂ بدر سے حاصل نتائج اور اسباق:

۱)۔ جو مدد بھی کہیں سے ملتی ہے خواہ ظاہری صورت سے ہو یا مخفی انداز سے، سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، فرشتوں کی مدد بھی اسی کے تابع فرمان ہے، اس لیے نظر ہمیشہ صرف ذات وحدہ لاشریک کی طرف رہنی چاہیے کیونکہ وہ بڑی قدرت والا اور حکمت والا ہے۔

۲)۔ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے، فتح و نصرت ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اطاعت گزار ہوں۔

۳)۔ ہر طرح کی قوت و سامان کے باوجود مشرکین مکہ کی شکست ان لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے جو زمین و آسمان کے خالق و مالک کی قدرت کاملہ اور غیبی قوت سے صرف نظر کر کے صرف مادی قوتوں پر بھروسہ کرتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے باوجود اس کی امداد و نصرت کی غلط آرزوؤں سے اپنے نفس کو فریب دیتے ہیں۔

۴)۔ جنگوں میں فتوحات کا سبب افرادی قوت یا اسلحہ کی فراوانی ہرگز نہیں ہوتا بلکہ جنگیں دلوں کے اللہ تعالیٰ کی کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے مدد مانگنے، شہادت کی تمنا سے

معمور قلوب اور دین حق کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لیے بے تاب جانبازوں کے جذبہ کی بدولت جیتی جاتیں ہیں۔

۵)۔ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہیے جب تک مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے۔

۶)۔ مالِ غنیمت پچھلی امتوں کے لیے حلال نہیں تھا، امت مسلمہ کے لیے بطور انعام ایک خاص قانون کے تحت حلال ہے اس قانون کے خلاف یا اپنے حق سے زائد لینا جائز نہیں۔

۷)۔ دنیا میں کامیابی، فتح مندی، آخرت کی نجات وفلاح کا نسخۂ اکسیر اور قرونِ اولی کی تمام جنگوں میں مسلمانوں کی فوق العادت کامیابیوں اور فتوحات کا راز تین چیزوں میں مضمر ہے۔

اول: ثابت قدمی۔

دوم: ذکر اللہ۔

سوم: اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' 30 اپریل 2021ء روزنامہ اسلام)

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف وامتیاز

اسلام اور صحابہ کرام میں چولی دامن کا ساتھ ہے، دونوں کی ابتداء یکساں اور دونوں کے وجود میں تلازم ہے، اسلام کی تاریخ صحابہ کرامؓ سے شروع ہوتی ہے اور صحابہ کرامؓ ہی اسلام کی پہچان اور اسلام کا وجودِ مجسم ہیں۔ یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازل سے انتخاب فرمایا اور ازل سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ومعیت، نصرت وحمایت کے لئے جماعتِ صحابہ کا انتخاب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت، تبلیغ وتعلیم، اصلاح وتزکیہ کا مظہر صحابہ کرامؓ ہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلابی دعوت کا ثمرہ ونتیجہ انہیں قدسی نفوس کی صورت میں ہی ظاہر ہوا، یہی وہ پاک باز جماعت ہے جنہیں معلمِ کائنات کے شاگرد وتلمیذ ہونے کا شرف نصیب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تزکیۂ خلق کے لئے مزکی ومربی بنا کر بھیجے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصلاح یافتہ اور تربیت یافتہ جماعت بھی حضراتِ صحابہ کی ہی جماعت ہے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعاءِ ابراہیم کا ثمرہ ہیں:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

(البقرۃ:۱۲۹)

"اے ہمارے پروردگار! اِن میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا، جو انہیں میں سے ہو، جو اِن کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔ بے شک تیری، اور صرف تیری، ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل"۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت

ورسالت کا مظہر وثمرہ ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے جو ہمیشہ اسلام کا پہلا دستہ اورفوجِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بن کر باطل پر حملہ آور ہوئی، یہی وہ اسلامی لشکر تھا، جو اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلامی ریاست کے دفاع کا امین وضامن تھا، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی فوج کے سپہ سالار اور کمانڈر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نبی الملاحم ہونے کا شرف ولقب اسی فوج کی جنگی مہموں اور حضور علیہ السلام کے قائدانہ کارناموں کی مرہونِ منت ہے، ان کی تربیت ونگرانی کا فریضہ خود حضور علیہ السلام ہی فرماتے، قرآن کریم نے اس حقیقت کو بھی واشگاف الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّءُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ (آل عمران:۱۲۱)

”(اے پیغمبر! جنگِ اُحد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جما رہے تھے، اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔“

بقول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یہ جماعت اللہ تعالیٰ کا انتخاب بھی تھی اور باکمال بھی۔

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَلِإِقَامَةِ دِينِهِ فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ عَلَى آثَارِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ.

(مشکوٰۃ ص:۳۲)

”جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرنا چاہے، تو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کی راہ اختیار کرے جو وفات پا گئے ہیں، کیونکہ زندہ آدمی (دین میں) فتنہ سے محفوظ

نہیں ہوتا۔ اور وہ لوگ جو وفات پا گئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب ہیں جو اس امت کے بہترین لوگ تھے۔ دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے انتہائی کامل اور بہت کم تکلف کرنے والے تھے۔ ان کو اللہ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کیلئے منتخب کیا تھا، لہٰذا تم ان کی بزرگی کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے آداب و اخلاق کو اختیار کرتے رہو (اس لئے کہ) وہی لوگ ہدایت کے سیدھے راستے پر تھے۔"

صحابہ کرامؓ ہی قرآن کریم کا مخاطبِ اوّل، نزولِ قرآن کے شاہد، احکامِ اسلام کے اوّلین مکلف اور سندِ حدیث کے راوی اوّل ہیں۔

یہی وہ پاک جماعت ہے، قرآن کریم نے جنہیں بلاواسطہ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ کے خطاب سے مخاطب کیا، جن کے ایمان کو امت کے لئے باعثِ نمونہ قرار دیا، جنہیں اللہ کا خاص بندہ، اللہ کی جماعت، کامیاب جماعت اور ہدایت یافتہ قرار دیا۔ انہی کو پاکباز اور خیرِ اُمت قرار دیا، انہی کو مؤید من اللہ، منصور من اللہ، اور ہادیٔ اقوام فرمایا۔ (زیرِ نظر کتاب کے مطالعہ سے قرآنِ کریم میں صحابہ کرامؓ کا ذکر و مقام خوب واضح ہوگا۔) یہی جماعت اسلام کی عملی تصویر بن کر ظاہر ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا کردہ پورا دین، کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، تجارت، زراعت، نظامِ مملکت، نظامِ قضاء، داخلی، خارجی امور، معاہدات، مذاکرات، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذاتی و صفاتی کمالات کے ناقل، قرآن کریم کے مفسر اور حدیث کے شارح یہی لوگ تھے، گویا کہ پورا دین قرآن و سنت صحابہ کرام سے ہی امت کو ملا اور انہی کے دم قدم سے دین اُمت تک پہنچا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واسطہ کے انقطاع سے دین نہ کلی طور پر محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ جزوی طور پر۔

صحابہ کرام ہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں، جنہوں نے اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے اقصیٰ عجم تک جا پہنچایا، ایران و روم کے ایوانوں کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے، کفر و شرک کے استبداد کو خاک میں ملا چھوڑا، ظلم و ناانصافی کے قوانین کو چاک کر کے عدل و انصاف کا بول بالا کر

دیا، گویا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام نافذ کر کے رب کی دھرتی کو عدل وانصاف سے بھر دیا، انسانیت کو سکھ کا سانس نصیب ہوا، چرند، پرند اور جانوروں تک کو راحت میسر آئی، وہ جہاں بھی گئے کامیابی نے ان کے قدم چومے، یہود کے احبار اور نصاریٰ کے رہبان تک عجم میں ان کے لیے دعا گو بن گئے، انہی کی انقلابی فتوحات سے آج بھی سامراج لرزہ براندام ہے۔

یہی وہ باہمت لوگ تھے جو دن کو میدانوں کے شاہسوار اور رات کو مصلّٰی کی زینت ہوتے، مومنین کے لئے موم اور کافرین کے لئے آہن بن جاتے، بڑے سے بڑے جابر و فرعون کو وہ درخورِ اعتناء نہ سمجھتے اور کمزور سے کمزور مومن کو وہ اپنے سے فائق جانتے، اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت سے سرشار، تعمیل ارشادِ خداوندی اور اطاعتِ رسول کے لئے ہمہ وقت چاق و چوبند رہتے، حبِّ معبود اور عشقِ محبوب میں فقر و فاقہ، بھوک و افلاس، ترکِ وطن اور ترکِ خواہشات ان کے لئے آسان تھا، مشرکین نے انہیں اس جذبۂ وفا سے باز رکھنے کے لیے، طرح طرح کے ظلم وستم کی بھٹیوں سے گزارا، لیکن ان کے پایۂ استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی، ان کا ایمان وعقیدہ، عمل وکردار فقر میں بھی مستحکم رہا اور غنیٰ و امارت میں بھی کمزور نہ ہوا، ان کی پاکبازی ایوانِ خلافت وحکومت میں بھی اسی طرح محفوظ رہی، جیسا کہ مکی اور مدنی مبارک ادوار میں وہ سانچۂ شریعت میں ڈھلے ہوئے، صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوئے، باکمال ولاجواب تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے متعلق چند بنیادی اور ضروری فوائد اس مقدمہ میں پیش خدمت ہیں:

صحابی کی تعریف:

لفظ صحابی ''صحب یصحب صحبۃ'' سے مشتق ہے، صحبۃ لغت میں کسی کے ساتھ لگے رہنے، رفاقت اختیار کرنے اور کسی کے ساتھ زندگی گزارنے کے معنی میں آتا ہے، ''صاحبۃ'' بیوی کو کہتے ہیں، کیونکہ بیوی میں بھی ملازمۃ، مرافقت اور معاشرۃ کے معانی پائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○ (الجن:۳)

"اللہ نے بیوی بنائی نہ اولاد"

اسی مصدر سے لفظ "صاحب" بھی نکلا ہے، صاحب کا معنی ساتھی، کسی چیز کا مالک یا کسی کے مذہب کا پیروکار بھی آتا ہے۔ اصحابِ ابی حنیفہ کا معنی ہے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے پیروکار!!

صحابی کی شرعی تعریف:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی پسندیدہ تعریف درج ذیل ہے:

"اَلصَّحَابِيُّ مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِناً بِهٖ وَمَاتَ عَلَى الْاِسْلَامِ"

(الاصابۃ: ۷/۱-۹)

"صحابی وہ ہے جس کی حالت ایمان میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات ہوئی ہو اور اس کا خاتمہ اسلام پر ہی ہوا ہو"۔

اس تعریف کے مطابق ہر وہ شخص "صحابی" ہے، جسے حالتِ ایمان میں شرفِ صحبت نصیب ہوا، خواہ وہ بینا تھا یا نابینا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی حدیث روایت کی ہو یا نہ کی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت کا زمانہ زیادہ پایا ہو یا تھوڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا ہو یا نہ کیا ہو، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کا خاتمہ اسلام پر ہوا ہو۔ اس تعریف سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے حالت کفر میں ملا، خواہ بعد میں مسلمان ہو گیا، یا حالتِ نفاق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صحبت نشین ہوا یا حالتِ ایمان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مصاحب بنا، لیکن بعد میں مرتد ہو گیا تو ایسے لوگوں کو "صحابی" نہیں کہا جا سکتا۔

ثبوتِ صحابیت کے مختلف طرق:

کسی بھی شخصیت کے صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہونے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے، اثباتِ صحابیت کے مختلف طریقے اہلِ علم نے تحریر فرمائے ہیں۔

۱)۔ کسی کا صحابی ہونا خبر متواتر سے ثابت ہو...... جیسے خلفاء راشدینؓ، عشرہ مبشرہؓ وغیرہ، ایسے صحابہ کرام ہیں، جن کے صحابی ہونے پر خبر متواتر ہے۔ ہزاروں لوگ اس کے ناقل ہیں۔

۲)۔ کسی شخصیت کے صحابی ہونے پر خبر مشہور ہو...... یا اس طرح کی شہرت ہو جو خبر تواتر تک نہ پہنچی ہو۔

۳)۔ کوئی صحابی یا تابعی کسی شخصیت کے بارے میں یہ کہہ دے کہ اسے حضور علیہ السلام کی صحبت حاصل ہے۔

۴)۔ کوئی معروف العدالت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی شخصیت یہ کہے کہ میں صحابی ہوں۔

(مقدمہ ابن الصلاح ۱۴۶۔ الکفایہ خطیب بغدادی ص ۲۰)

صحابہ کرامؓ کے ایک بڑے حصہ کی صحابیت کے ثبوت کے لئے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک ضابطہ تحریر فرمایا ہے، اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

"تین اوصاف کے ساتھ صحابی کی معرفت یقینی ہو جاتی ہے۔

۱)۔ غزوات میں حضرات صحابہ کرام ہی کو امیر بنایا جاتا تھا۔

۲)۔ حضرت سیدنا عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے بقول جس صحابی کے ہاں بھی بچہ کی ولادت ہوتی، اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے دعا فرماتے، اس سے بھی بہت سے حضرات کی صحابیت معلوم ہو جاتی ہے۔

۳)۔ ۱۰ھ میں مکہ مکرمہ، طائف کا کوئی باشندہ ایسا نہ تھا، جو مسلمان نہ ہو گیا ہو اور حجۃ الوداع میں اس نے حاضری نہ دی ہو، جو اس موقع پر موجود تھے وہ صحابی متصور ہوں گے، چونکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رؤیت نصیب ہو چکی، اگرچہ حضور علیہ السلام نے انہیں نہ بھی دیکھا ہو۔

(الاصابہ: ۱۰/۱)

عدالت صحابہ:

واضح رہے کہ جماعت صحابہ کی قرآن وسنت میں من حیث المجموع اور من حیث الفرد کثرت کے ساتھ تعدیل، تصویب اور تحسین کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم کی بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث اس پر شاہد و دال ہیں۔ کتاب ہذا حضراتِ صحابہ کرام کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت پر برہان اور حجت ہے، احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں بھی یہ مضمون کثرت سے وارد ہوا ہے۔ ذیل میں ایسی چند آیات اور احادیث کی نشاندہی کی جاتی ہے، جو حضرات صحابہ کرام کی توثیق پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ ○ (آل عمران:۱۱۰)

”(مسلمانو!) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہو۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔

مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ اس آیت کا مصداق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ ہیں۔

۲۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ○ (البقرۃ:۱۴۳)

”اور (مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے، تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔

۳۔ مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ...الخ۔ (الفتح:۲۹)

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں“۔

۴۔ لَقَدْ تَّابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...الخ (التوبہ:۱۱۷)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا"۔

۵۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ○ (التوبہ:۱۰۰)

"اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنھوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سب سے راضی ہو گیا ہے، اور وہ اُس سے راضی ہیں۔"

۶۔ لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ (الفتح:۱۸)

"یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لئے اُس نے اُن پر سکینت اُتار دی، اور اُن کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرما دی۔"

۷۔ فَإِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ○ (البقرہ:۱۳۷)

"اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں، جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آ جائیں گے۔"

۸۔ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ○ (الفتح:۲۵)

"(البتہ) اگر وہ مسلمان وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم ان (اہلِ مکہ) میں سے جو کافر تھے، اُنہیں دردناک سزا دیتے"۔

۹۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ○ (المائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا"۔

۱۰- أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ○ (الحجرات:۳)

"یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت بھی ہے، اور زبردست اجر بھی۔"

علاوہ ازیں سینکڑوں آیاتِ قرآنیہ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

کتبِ احادیث میں مناقبِ صحابہؓ، مناقب اہل بیتؓ کے مستقل ابواب مذکور ہیں، ان ابواب میں کثرت سے احادیث نبویہ کی تخریج کی گئی ہے۔ یہ احادیث حضراتِ صحابہؓ کے معیارِ حق، حجت اور عادل ہونے میں صریح ہیں۔ چند احادیث بطور نمونہ کے پیش کی جا رہی ہیں:

۱- حدیث ابی سعید: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ (بخاری، مسلم، ابوداود)

"میرے صحابہ کو سب وشتم نہ کرنا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، کسی صحابی کے ایک مد یا نصف مد کے خرچ کرنے کے برابر اجر وثواب کو نہیں پہنچ سکتا۔"

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت:

۲- عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ (جامع ترمذی)

"میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد نشانہ مت بنانا، جس کسی نے ان سے محبت کی بس میری محبت کی وجہ سے ان

سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس کسی نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے۔"

۳۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت:

خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي أَذَكَرَ النَّبِيُّ بَعْدُ (بَعْدَ قَرْنِهِ) قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً قَالَ النَّبِيُّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ

(صحیح البخاری: ۲۶۵۱)

"لوگوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان سے متصل ہیں، پھر ان لوگوں کا جو ان سے متصل ہیں، پھر ان لوگوں کا جو ان سے متصل ہیں راوی حضرت عمران فرماتے ہیں، مجھے نہیں یاد کہ دو زمانوں کا ذکر فرمایا یا تین کا، پھر ان کے بعد ایسی قوم ہوگی، جو بغیر طلب کے شہادت دیں گے، اور خائن ہوں گے، امین نہ سمجھے جائیں گے، وہ منت مانیں گے لیکن پوری نہ کریں گے، ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔"

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ

(جامع ترمذی)

"جب ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالی بکتے ہوں تو کہا کرو،" تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو"۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ خَيْرَ قُلُوبِ، ثُمَّ

نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قُلُوبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِينِهِ

(مسند البزار: ۵/ ۲۱۲)

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو دیکھا تو انہیں رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا، پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کے دلوں کو بندوں کے دلوں میں بہترین پایا تو انہیں اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحبت اور اپنے دین کی نصرت کے لئے چن لیا۔''

۶-حضرت جابر رضی اللہ عنہ سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى جَمِيعِ الْعَالَمِينَ إِلَّا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَاخْتَارَ لِي مِنْ أَصْحَابِي أَرْبَعَةً أَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا فَجَعَلَهُمْ خَيْرَ أَصْحَابِي وَفِي أَصْحَابِي كُلِّهِمْ خَيْرٌ

(الشریعۃ للآجری: ۴/ ۱۶۸۰)

''بلاشبہ اللہ نے میرے صحابہ کو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جملہ اہلِ جہاں پر چن لیا اور میرے صحابہ میں سے چار کا انتخاب فرمایا، یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، علی (رضی اللہ عنہم) کا، انہیں میرے صحابہ بنایا اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے۔''

۷-حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں:

فَإِنَّه مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ

(مسند احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

"جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ شدید اختلافات دیکھے گا، ایسے حالات میں میری و میرے خلفاء راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں کی سنت تھام لینا اور مضبوطی سے لے لینا اور اپنے آپ کو دین میں نئے نئے امور سے بچانا، اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔"

۸۔ إِنَّ اللهَ اخْتَارَنِي وَاخْتَارَ لِي أَصْحَابًا فَجَعَلَهُمْ لِي وُزَرَاءَ وَأَنْصَارًا وَأَصْهَارًا فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔

(السنۃ لابن أبي عاصم ومعہا ظلال الجنۃ للألبانی: ۲/ ۴۸۳)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لیے میرے صحابہ کو بھی چن لیا ان میں سے کچھ کو وزیر اور بعض کو رشتہ دار اور پاک بنا دیا، جس کسی نے ان کو سب و شتم کیا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوئی، ان کی روزِ محشر نہ فرض عبادت قبول ہوگی نہ نفل عبادت۔"

۹۔ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

(جامع ترمذی رقم ۲۶۴۱)

"بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے، میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب دوزخی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے، پوچھا گیا: وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: جس راہ پر میں اور میرے صحابہ گامزن ہیں، یہ وہ لوگ ہوں گے۔"

قرآن و سنت کی ایسی تصریحات کی وجہ سے اُمت کا اجماع ہے کہ حضرات صحابہؓ عادل ہیں، ان پر جرح جائز نہیں، کسی بھی صحابی کی عدالت پر بحث نہیں کی جا سکتی، کسی پر تنقید جائز نہیں۔ غیر صحابی پر جرح و تنقید کی جا سکتی ہے اور اس کی تعدیل و توثیق بھی۔ اس سب کا مدار اس شخصیت کی نجی زندگی، کردار و عمل، ایمان و عقیدہ اور علمی ثقاہت یا نقاہت ہوا کرتی ہے۔ یہ جرح و تعدیل کا عمل اہلِ علم اور ماہرینِ فن سر انجام دیتے ہیں۔ ماہرینِ فن کی اس جرح و تعدیل پر

پوری اُمت اعتماد کرتی ہے۔ حالانکہ ماہرینِ فن اور علماء کرام بھی انسان ہیں، تقاضائے بشریت کے تحت ان میں احتمال خطاء بھی موجود ہے، اگرچہ یہ احتمال درجۂ ظن میں ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعدیل تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمائی، وحی سے جماعت صحابہ کی توثیق و تعدیل کی گئی، جس میں احتمالِ خطاء قطعاً ہے ہی نہیں! لیکن تعجب ہے کہ مخلوق کی جرح و تعدیل کو تو تسلیم کرلیا جاتا ہے، جبکہ وحی کے ذریعے کی گئی صحابہ کرامؓ کی تعدیل پر اعتماد کرنے کی بجائے تنقید کے نشتر چلائے جاتے ہیں، اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس قدسی جماعت کے کردار و عمل کو داغدار کرنے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے اور تنقید کا یہ عمل شروع ہو کر سَبِّ صحابہؓ کے غلیظ عمل تک جا پہنچتا ہے، العیاذ باللہ اور یوں اپنا ایمان و آخرت سبھی کچھ برباد کیا جاتا ہے۔

اہل السنت والجماعت نے صراحت کے ساتھ یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے: "اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ" (سارے صحابہؓ عادل ہیں) یہی وجہ ہے کہ احادیث کے جملہ راویوں پر بحث کی جاتی ہے، جب صحابی کی باری آتی ہے تو یہی کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ "یہ صحابی ہیں"۔ صحابہ پر جرح و تنقید یا تنقیص کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ پوری شریعتِ اسلامیہ اس عمل سے لغو اور باطل ٹھہرے گی، کیونکہ شریعت کے ناقل صحابہ کرامؓ ہی ہیں، صحابہ کرامؓ کو مجروح کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ان پر شریعت کی جو عمارت قائم ہے، وہ سب منہدم کردی جائے، اگر یہ لوگ ناقابلِ اعتماد ہیں تو ان کی نقل کردہ کتاب، سنت و حدیث، کلمہ شہادت، عقائد و اعمال، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد و تبلیغ، الغرض! جملہ عبادات، معاملات، آداب، اخلاق، عقوبات سبھی باطل ٹھہریں گے، یوں مسلمان شریعت سے محروم ایک یتیم قوم بن کر رہ جائے گی، اس لئے امت نے انہدامِ شریعت اور فسادِ دین کے اس راستہ کو ہمیشہ کے لئے مسدود کرتے ہوئے یہ اجماع کرلیا کہ صحابہ عادل ہیں اور ان پر جرح جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن الصلاحؒ اپنی کتاب "علوم حدیث" میں ارشاد فرماتے ہیں:

لِلصَّحَابَۃِ بِأَسْرِھِمْ خُصُوْصِیَّۃٌ وَھِیَ إِنَّہٗ لَا یَسْأَلُ عَنْ عَدَالَۃِ أَحَدٍ مِّنْھُمْ بَلْ ذٰلِكَ أَمْرٌ مَفْرُوْغٌ مِّنْہُ لِکَوْنِھِمْ عَلَی الْإِطْلَاقِ

مَعْدِلِيْنَ مَنْصُوْصُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاِجْمَاعُ مَنْ يَّعْتَدَّ بِهٖ فِي الْاِجْمَاعِ مِنَ الْاُمَّةِ

(بحوالہ مقام صحابہ)

''جملہ صحابہ کرام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی عدالت سے متعلق کوئی سوال نہیں کرسکتا، بلکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے فراغت ہو چکی، اس لیے یہ سب علی الاطلاق قرآن وسنت کی نصوص اور اجماع امت کی وجہ سے عادل ہیں۔''

امام نوویؒ اپنی کتاب تقریب میں فرماتے ہیں:

اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ، مَنْ لَابَسَ الْفِتَنَ وَغَيْرُهُمْ بِاِجْمَاعِ مَنْ يُعْتَدُّ بِهٖ

(التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر: ۶۷۶ ص ۹۲)

''جملہ صحابہ کرام عادل ہیں، خواہ وہ باہم جنگوں میں شریک ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اس پر ان اہل علم کا اجماع ہے جن کا اجماع معتبر جانا جاتا ہے۔''

علامہ ابن ہمام اپنی کتاب ''مسایرہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وَاِعْتِقَادُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَزْكِيَةُ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ وَجُوْبًا بِاِثْبَاتِ الْعَدَالَةِ لِكُلٍّ مِّنْهُمْ وَالْكَفُّ عَنِ الطَّعْنِ فِيْهِمْ وَالثَّنَاءُ عَلَيْهِمْ۔

''اور اہل السنت والجماعت کا اعتقاد ہے کہ جملہ صحابہ کرامؓ کا ضروری طور پر تزکیہ کیا جائے، ان میں سے ہر ایک کی عدالت ثابت کی جائے اور ان سے زبانِ طعن روکی جائے اور ان کی تعریف کی جائے۔''

مشاجراتِ صحابہؓ:

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت وشرف، مقام ومرتبہ کو داغدار کرنے اور ان کی عدالت کی سدِّ سکندری میں سوراخ کرنے کے لئے، ان حضرات کے باہمی مشاجرات ومنازعات کا سہارا لیا جاتا ہے، حضراتِ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو حق گردانتے

ہوئے ان سے برسرِ پیکار دوسری جماعت کو باطل قرار دے کر ان پر سبّ وشتم روا رکھا جاتا ہے...... اسی طرح بعض تاریخ دان اپنے زورِ مطالعہ اور زورِ قلم کا سہارا لیتے ہوئے تاریخ کے بل بوتے پر بعض صحابہ کرامؓ کی کردار کشی کرتے ہوئے، حضرات صحابہ کرامؓ کے اس باہمی نزاع میں اپنے تئیں حَکَم وقاضی بن کر فیصلے صادر کرتے ہوئے اپنے ہی ایمان وعقیدہ کو خراب کر ڈالتے ہیں، اس لئے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ اس نازک عنوان پر بھی اہل السنت والجماعت کا موقف سپردِ قلم کیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بعض معاملات میں باہمی اختلاف ہوا، مثلاً سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جماعت میں قصاصِ حضرت عثمانؓ کے سلسلہ میں اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ایک خونریز جنگ ''جنگ جمل'' پہ منتج ہوا، جبکہ اسی ہی عنوان پر سیدنا علی اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتوں میں بھی شدید اختلاف ہوا اور اس اختلاف کے نتیجے میں ''جنگ صفین'' کا خونریز معرکہ بپا ہوا، ان جنگوں کے نتیجے میں ہزاروں اہلِ ایمان بشمول صحابہ کرامؓ راہیِ اجل ہو کر شہید ٹھہرے...... بایں ہمہ اہل السنت والجماعت کا اس قضیے میں موقف دوٹوک ہے:

۱)۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت کے دونوں فریق صاحبِ ایمان، صاحبِ تقویٰ اور شرفِ صحبت سے مشرف بااخلاص تھے، ہر فریق نے اپنے آپ کو حق جانا اور پورے خلوص کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہے، اس اخلاص کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنے زعم کے مطابق حصولِ حق کے لئے لڑ رہے تھے۔ الغرض! ان تنازعات میں بھی فریقین مومن، مخلص اور صحابی رہے۔

۲)۔ فریقین مجتہد تھے اور مجتہد پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے، نیز بتصریح حدیث، مجتہد کا اجتہاد اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو تو وہ دوہرے اجر کا مستحق اور اگر اجتہاد مرضیٔ حق کو نہ پہنچے، تب بھی وہ مجتہد اکہرے اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس لیے فریقین ماجور ہیں، کوئی فریق فاسق وفاجر نہیں، ان مشاجرات کی وجہ سے ان کی عدالت میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔

۳)۔ ان مشاجرات میں اہل السنت والجماعت کی تصریح کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد مرضی حق تعالیٰ کے مطابق تھا، اس لئے وہ دوہرے اجر کے مستحق ٹھہرے، جبکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی جماعت اکہرے اجر کی مستحق ٹھہری۔ تاہم دونوں میں سے کوئی بھی فاسق نہیں۔

۴)۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے باہمی تنازعات پر اُمت کو لب کشائی کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں، بلکہ امت پر لازم ہے کہ اس سلسلہ میں سکوت اختیار کرے، وہ کسی بھی فریق پر زبانِ طعن نہ دراز کرے، اگر بظاہر ان کے تنازعات پیش نظر ہیں تو ان کے فضائل و مناقب، ان کی اسلامی خدمات، فتوحات، صحبتِ نبوی کی برکات اور ان کے تابناک ماضی اور شاندار مستقبل بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ کسی بھی غیر صحابی کو ان کے مابین منصف اور جج بننے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ ان میں فلاں حق تھا اور فلاں ناحق...... ایسا کرنا بہت بڑی دریدہ دہنی کے مترادف ہے، قرآن کریم میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے باہمی تنازعہ اور اختلاف کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل نے باوجود اپنی شرارتوں، عناد اور ضدی مزاج ہونے کے، ان دونوں نبیوں کے درمیان جج بننے کی کوشش نہیں کی، کہ قصوروار موسیٰ علیہ السلام تھے یا ہارون علیہ السلام؟...... لیکن افسوس جو کام بنی اسرائیل نے نہ کیا وہ کام اُمتِ محمدیہ کے چند افراد نے اپنے ذمہ لے کر یہ کہنا شروع کردیا کہ فلاں صحابی حق پر تھے اور فلاں باطل پر، ایسا کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں۔

صحابہ کرامؓ اور قرآن کریم:

قرآن کریم کتاب اللہ، کلام اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حزب اللہ ہیں۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ (المجادلہ:۲۲)

"اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہ اللہ کا گروہ ہے، یاد رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے"۔

اس لیے قرآن کریم کا ایک بڑا موضوع صحابہ کرامؓ ہیں، صحابہ ہی قرآنِ کریم کے مخاطب اوّل ہیں، یہی لوگ نزولِ قرآن کے شاہد اور گواہ ہیں، انہی کی اصلاح کے لئے قرآن کریم نازل ہوتا رہا، یہی لوگ سببِ نزولِ قرآن بنتے رہے، بہت سے احکام کا نزول حضرات صحابہ کرامؓ کی وجہ سے ہوا۔ بہت سے احکام ایسے ہیں جو کسی بھی امت کو عطا نہیں کیے گئے، اُمتِ محمدیہ کی ہی خصوصیت ہیں اور اس کا سبب صحابہ کرام ہی بنے۔ مثلاً حکمِ تیمم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی گمشدگی کے موقع پر اس خطرہ کے پیش نظر ہوا کہ ہار نہیں مل رہا تھا اور نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ تھا۔ گویا نزولِ قرآن کریم کا سبب بھی صحابہ ہیں اور شاہد بھی صحابہ ہی ہیں۔ قرآن کریم کا ایک بڑا حصہ انہی کے ذکر خیر میں رطب اللسان ہے۔

قرآن کریم نے شخصیات کے نام بہت ہی کم ذکر کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہیں، باقی انبیاء کے نام ذکر کرنے کی بجائے ان کے تذکروں اور اشاروں پر اکتفا کیا گیا۔ اسی طرح امت میں صرف ایک شخصیت کا نام ذکر کیا گیا ہے اور وہ صحابیٔ رسول حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں، یوں کہا جاسکتا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے تذکرے سے قرآن کریم معمور ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سینکڑوں ناموں میں سے صرف ذاتی نام "محمد" اور "احمد" کے ذکر پر اکتفا کیا گیا، لیکن حضور علیہ السلام کی صفات بھی کثرت سے ذکر کی گئیں، اسی طرح آپ علیہ السلام کے صحابہ کے تذکرے بھی کثرت سے کیے گئے۔

قرآن کریم کی بہت سی سورتیں اوصاف وفضائلِ صحابہؓ سے بھری ہوئی ہیں، ان صحابہ کرامؓ کے کمالات کو کہیں تو مومنین کے کمالات سے تعبیر کیا گیا، کہیں متقین کے اوصاف کے عنوان سے، تو کہیں اولی الالباب کے خوبصورت عنوان سے ذکر صحابہ فرمایا، کہیں خیر اُمت کا عنوان اختیار کیا گیا تو کہیں "والذین معہ" کا دلکش وصف وعنوان مذکور ہے۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مبارک ذکر پر مشتمل آیاتِ قرآنیہ کو

یکجا جمع کر دیا جائے، اس موضوع پر اب تک اگرچہ جزوی کام ہوا اور اکابر نے اس سلسلہ میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیں، لیکن شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس موضوع پر مفصل اور مدلل کام کیا جائے۔ حق تعالیٰ نے یہ کام ہمارے عزیز مکرم اور کم عمری میں تصنیف وتالیف میں نام پیدا کرنے والے نوجوان حضرت مولانا ثناء اللہ سعد صاحب زید شرفہٗ سے لے لیا، انہوں نے نہایت ہی جانفشانی سے عرق ریزی کرتے ہوئے، نہ صرف وہ آیات قرآنی یکجا کر دیں، جو ذکرِ صحابہؓ پر مشتمل ہیں، بلکہ اِن آیات کے ضمن میں خود بھی خوب لکھا اور اکابر مفسرین کی تحقیقات اور علماءِ اہل سنت کے قیمتی مضامین بھی نہایت عمدگی سے شاملِ کتاب کر دیے۔

یوں یہ مجموعہ ''اصحاب النبی الکریم فی آیات القرآن الحکیم'' کے خوبصورت نام پر کتابی شکل میں جمع ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور امت کے لئے یہ کتاب باعث ہدایت فرمائے۔ احقر نے کتاب کا کچھ حصہ ضرور پڑھا، لیکن پوری کتاب کا مطالعہ قلتِ وقت اور کثرتِ مشاغل کی وجہ سے نہ کر سکا۔ جو حصہ پڑھا، ماشاءاللہ خوب پایا، آیات کے شانِ نزول، ان پر تفسیری نکات کی مدد سے مضمون کا اثبات، سبھی کچھ قابلِ تحسین ہے۔ کتاب کی ہر ہر سطر سے صحابہ کرام کا عشق اور محبت چھلکتی ہے۔ استدلال اور نظریہ کا اثبات بھی ماشاءاللہ خوب ہے، جس سے قرآن کریم کا اصل مدعا سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مفید، نافع اور ذریعہ ہدایت فرمائے اور روزِ محشر ہم سب کو خدامِ صحابہ میں شامل فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

(مقدمہ کتاب ''اصحاب النبی الکریم فی آیات القرآن الحکیم'' 2012ء)

(تالیف: مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی)

حضرات صحابہ کرامؓ کا احترام کیوں ضروری ہے؟

اہل اسلام کا اجماع ہے، کہ نسل انسانی میں سب سے افضل واعلیٰ مقام کے حامل اور قربِ خداوندی کے مرتبہ پر فائز، حضرات انبیاء علیہم السلام اور مرسلین ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ازل سے ابد تک، سب سے افضل شخصیات، حضرات صحابہ کرام واہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ سے مراد وہ قدسی نفوس ہیں، جنہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حالت ایمان میں زیارت کی اور پھر اسلام پر ہی ان کا خاتمہ ہوا۔ اہل بیت سے مراد وہ قدسی نفوس مطہرہ ہیں، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زوجیت و ابنیت یا بطور تفضل دامادگی کی وجہ سے شرف اہلبیت نصیب ہوا۔

بلاشبہ یہی وہ طبقہ ہے، جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رفیق، مصاحب، شاگرد، مرید، محب، محبوب، خادم، رضا کار، وزیر و مشیر، فوجی و سپاہی، مقتدی و سامع، سسرال و داماد، رشتہ دار و تعلق دار، معتمد و ذمہ داران، خوشی و غمی کے ساتھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے عینی شاہد و گواہ تھے۔ انہیں کے واسطہ سے امت تک قرآن کریم، ذخیرۂ احادیث، احکام شریعت، سیرت مطہرہ، کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات یعنی بیع وشراء، نکاح وطلاق، آداب حکمرانی، اخلاق وآداب، طرز معیشت، طرز سیاست اور بقیہ دین امت تک پہنچا۔

یہی پاکیزہ جماعت ہے، جس کی نصرت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ریاست مدینہ قائم فرمائی، یہی اس مبارک ریاست کے وزیر و مشیر، افسر و منتظم جج و سپاہی تھے، یہی نبوت کی قائم کردہ ریاست کے مقننہ، عدلیہ، انتظامیہ و سربراہ تھے، انہیں کے ایثار و قربانی، جہد مسلسل اور لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں روم، ایران، ایشیاء، افریقہ بر و بحر پر پرچم اسلام بلند ہوا، یہی جماعت اسلام کی پہچان و تعارف ہے، غیر مسلم اقوام کے سامنے، اسلام کا عملی چہرہ پیش کرنے کے لیے، امت کے پاس سب سے اعلیٰ نمونہ، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہیں،

یہ جماعت دین کی اساس و بنیاد ہے، ان کے بغیر دین کی بقاء ممکن نہیں، اس لیے اہل اسلام کا اجماع ہے، جملہ صحابہ کرامؓ عادل و متقی، لائق اعتماد اور معیارِ حق ہیں، ان پر زبان طعن دراز کرنا صرف حرام ہی نہیں، نمک حرامی اور اسلام سے غداری کے مترادف ہے، قرآن وسنت نے اس جماعت کی تعدیل وتوثیق، مدح وتوصیف، میں جو نصوص ذکر کی ہیں، ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے، ذیل میں امت کے ایمان کی حفاظت کے لیے، بطور نمونہ چند آیات واحادیث بغیر شرح وبسط کے ذکر کی جارہی ہیں، جن سے ایک سادہ مسلمان بھی اندازہ لگا سکے گا، کہ یہ جماعت اللہ و رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں کس قدر محترم، معتمد اور باوقار ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان سب امتوں میں افضل ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آل عمران:۱۱۰)

”تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہو، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو مومن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے۔“

آیت مذکورہ میں شہادت خداوندی پیش کی گئی کہ حضرات صحابہ کرامؓ تمام امتوں سے برتر و بالا ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی ساری امتوں کے، تمام لوگوں سے خوب واقف ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کو بھی اللہ تعالیٰ کی شہادت پر یقین رکھنا چاہیے۔

صحابہؓ پختہ مومن ہیں:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (الانفال:۲،۳،۴)

"مومن (صحابہ) تو وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس میں سے (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں، مغفرت ہے اور باعزت رزق ہے۔"

صحابہ کرامؓ حضرات انبیاءؑ، احکام خداوندی پر ایمان رکھنے والے ہیں:

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ (البقرۃ:۲۸۵)

"یہ رسول (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس چیز پر ایمان لائے ہیں، جو ان کی طرف، ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان (صحابہ) بھی، یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں، کسی پر نہ لائیں) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (اللہ اور رسول کے احکام کو توجہ سے) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے (ان کی) تعمیل کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی مغفرت کے طلبگار ہیں، اور آپ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں:

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا

وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۝
(آل عمران:۲۰)

''پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: میں نے تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے، انہوں نے بھی، اور اہل کتاب سے اور (عرب کے) ان پڑھ (مشرکین) سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر انہوں نے منہ موڑا تو تمہاری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانے کی حد تک ہے اور اللہ تمام بندوں کو خود دیکھ رہا ہے۔''

معاملات، حتمی فیصلے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے سپرد کیے جائیں:

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا۝ (النساء:۸۳)

''اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں، وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔ اور (مسلمانو!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔''

صحابہ کرامؓ حضور علیہ السلام کے مددگار رہیں:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ۝ (التحریم:۴)

''اور اگر نبی کے مقابلے میں تم نے ایک دوسرے کی مدد کی، تو (یاد رکھو کہ) ان

کا ساتھی اللہ ہے اور جبریل ہیں اور نیک مسلمان ہیں، اور اس کے علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں۔"

صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں:

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ (البقرۃ:۱۳۷)

"اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں، جیسے تم ایمان لائے ہو، تو یہ راہ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو در حقیقت وہ دشمنی میں پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا، اور وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے۔"

صحابہ کرامؓ عزت دار ہیں:

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○ (المنافقون:۸)

"کہتے ہیں کہ: اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا، حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو، اور ایمان والوں کو، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔"

صحابہؓ کے گستاخوں سے ان جیسا ہی معاملہ کیا جائے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ○ (البقرۃ:۱۳)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ، جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں، جیسے بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو! کہ یہی لوگ بیوقوف

ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے۔"

صحابہؓ کے دشمن اپنے غصہ میں مر جائیں:

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ○

(آل عمران:۱۱۹)

"اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے، اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ: اپنے غصے میں خود مر رہو، اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔"

صحابہؓ پر عیب لگانے والوں کے لیے دعا قبول نہیں:

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ○ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ○ (التوبہ: ۷۹،۸۰)

"(یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مومنوں (صحابہ) کو بھی طعنے دیتے ہیں، اور ان لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ میسر نہیں ہے، اس لیے وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ (اے نبی!) تم ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لیے ستر مرتبہ استغفار کرو گے، تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا ہے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔"

سب صحابہؓ جنتی ہیں:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ○ (الحدید:۱۰)

”تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں۔ وہ درجے میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں، جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی۔ یوں اللہ نے بھلائی کا وعدہ ان سب سے کر رکھا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے لیے دعا کریں:

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ○ (محمد:۱۹)

”اے پیغمبر! یقین جانو، کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اور اپنے قصور پر بھی بخشش کی دعا مانگتے رہو، اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی بخشش کی بھی، اللہ تم سب کی نقل وحرکت اور قیام گاہ کو خوب جانتا ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہؓ کے ساتھ ہی رہیں، انہیں اپنی نظروں سے اوجھل نہ کریں:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ○ (الکہف:۲۸)

”اور اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو، جو صبح وشام اپنے رب کو اس لیے پکارتے ہیں، کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، اور تمہاری

آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔"

صحابہؓ کا دشمن اللہ کا دشمن ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (الممتحنہ:۱)

"اے ایمان والو! تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر، اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (گھروں سے) نکلے ہو، تو میرے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ، کہ ان کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے، کہ وہ رسول کو بھی، اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (مکے سے) باہر نکالتے رہے ہیں، کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لائے ہو، تم ان سے خفیہ دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو، اور جو کچھ اعلانیہ کرتے ہو، میں اس سب کو پوری طرح جانتا ہوں، اور تم میں جو کوئی بھی ایسا کرے، وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔"

صحابہ کرامؓ قیامت کے دن رسوا نہیں ہوں گے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (التحریم:۸)

"اس (قیامت کے) دن اللہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے، اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا، وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: "اے

ہمارے پروردگار! ہمارے لیے اس نور کو مکمل کر دیجیے، اور ہماری مغفرت فرما دیجیے، یقیناً آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔"

قارئین کرام! قرآن کریم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق جو صاف صاف ہدایات بیان فرمائیں، ان میں سے چند ایک آپ نے ملاحظہ فرمائیں، اب ذخیرہ احادیث میں سے عظمت صحابہ پر چند احادیث پیش کی جارہی ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرات صحابہ کرام کی شرعی حیثیت کتنی بلند و بالا ہے۔

پوری امت میں سب سے افضل صحابہؓ ہیں:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ

(بخاری: ۲۶۵۱)

"حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر اس کے بعد وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد آئیں گے۔"

صحابہؓ کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: يَأْتِي زَمَانٌ يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ، فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ

(بخاری: ۲۸۹۷)

"حضرت ابو سعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا، کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد پر ہوگی، پوچھا جائے گا، کیا لشکر میں کوئی بزرگ ایسے ہیں، جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہو؟ کہا جائے گا کہ ہاں! تو انھیں فتح و کامرانی سے نواز جائے گا۔"

صحابہؓ مقبول ہیں، انہیں برا بھلا مت کہو:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَاتَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ

(مسلم: ۲۵۴۰)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کو برامت کہو، میرے صحابہ کو برامت کہو، اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا راہ خدا میں دے گا، تو صحابہ کے ایک مد (سیر بھر غلہ) کو نہیں پہنچے گا، بلکہ نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

صحابہؓ کے نقش قدم پر چلنے میں ہی نجات ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بنی إسرائیل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

(ترمذی: ۲۶۴۱)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت پر بھی وہی کچھ آئے گا، جو بنی اسرائیل پر آیا، اور دونوں میں اتنی مطابقت ہوگی، جتنی جوتیوں کے جوڑے میں، ایک دوسرے کے ساتھ۔ یہاں تک کہ اگر ان کی امت میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا، تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا آئے

گا، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے، لیکن میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، اور ان میں سے ایک کے علاوہ سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا: وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر چلیں گے۔"

صحابۂ کرامؓ دوزخ میں نہیں جائیں گے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِي أَوْ رَأَى مَنْ رَآنِي

(ترمذی: ۳۸۵۸)

"حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایسے مسلمان کو دوزخ کی آگ نہیں چھو سکے گی، جس نے مجھے دیکھا ہو، یا اسے دیکھا ہو جس نے مجھے دیکھا ہو۔"

خدا کا واسطہ صحابہؓ پر تنقید نہ کرو:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ

(ترمذی: ۳۸۶۲)

"حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا، اور انہیں ہدفِ ملامت نہ بنانا، اس لیے کہ جس نے ان سے محبت کی، اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی، اور جس نے ان سے بغض کیا، اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض کیا، اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی، گویا کہ اس نے مجھے ایذا پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت دی گویا، کہ اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس

نے اللہ کو اذیت دی، اللہ عنقریب اسے (اپنے عذاب میں) گرفتار کر دیں گے۔"

صحابیؓ روز محشر قائد و نور بن کر محشور ہوگا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي يَمُوتُ بِأَرْضٍ إِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُورًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(ترمذی:۳۸۶۵)

"حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ میں سے جو جس زمین پر فوت ہوگا، قیامت کے دن وہاں کے لوگوں کا قائد اور ان کے لیے نور ہو کر اٹھے گا۔"

تم میرے دنیا و آخرت کے صحابی ہو:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: فَقَدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً أَصْحَابُهُ، وَكَانُوا إِذَا نَزَلُوا أَنْزَلُوهُ وَسَطَهُمْ فَفَزِعُوا، وَظَنُّوا أَنَّ اللهَ اخْتَارَ لَهُ أَصْحَابًا غَيْرَهُمْ، فَإِذَا هُمْ بِخَيَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَبَّرُوا حِينَ رَأَوْهُ وَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ أَشْفَقْنَا أَنْ يَكُونَ اللهُ اخْتَارَ لَكَ أَصْحَابًا غَيْرَنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا بَلْ أَنْتُمْ أَصْحَابِي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(مسند احمد:۲۲۷۷۱)

"حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں، ایک روز صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ موجود نہ پایا، حالانکہ صحابہ جب کہیں پڑاؤ ڈالتے تو حضور علیہ السلام بھی ان کے درمیان اترتے، صحابہ کرام پریشان ہو گئے، اور یہ خیال کیا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کوئی اور اصحاب منتخب فرما لیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اس خدشہ کا اظہار کیا، تو آپ نے فرمایا: تم

میرے دنیا وآخرت کے صحابہ ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد صحابہؓ نے قتال کیا:

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ السُّلَمِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: "قُومُوا فَقَاتِلُوا" قَالُوا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا نَقُولُ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى: إِنْطَلِقْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ، وَلَكِنِ انْطَلِقْ أَنْتَ وَرَبُّكَ يَا مُحَمَّدُ فَقَاتِلَا، وَإِنَّا مَعَكُمَا نُقَاتِلُ

(مسند احمد:۱۷۴۶۵)

"حضرت عتبہؓ سے روایت ہے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کا حکم دیا، تو صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم کہیں گے کہ" آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیے، ہم بھی آپ کی معیت میں لڑنے والوں میں سے ہوں گے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت شرف ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِي وَرَآنِي- مَرَّةً وَطُوبَى لِمَنْ آمَنَ بِي وَلَمْ يَرَنِي سَبْعَ مِرَارٍ

(مسند احمد:۱۲۵۷۸)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خوشخبری ہے ایک مرتبہ ان لوگوں کے لیے، جنہوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لائے۔ اور سات مرتبہ خوش خبری ہے، ان لوگوں کے لیے جو مجھ پر بن دیکھے ایمان لائیں گے۔"

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۴۲ھ/اکتوبر 2020ء)

(روزنامہ جنگ، روزنامہ اسلام، روزنامہ اوصاف ملتان)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
کا طرزِ حکومت

افضل البشر بعد الانبیاء، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ بلافصل اور جانشین، یارِ غار و مزار، سسر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، محسن اسلام، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جن کا اسم گرامی عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی تھا، اسلام کی شناخت اور تاریخ اسلام کے ماتھے کا سب سے روشن جھومر ہیں، عہد نبوت میں اعلان نبوت سے وصال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک، 23 سال سے زائد عرصہ میں ایک دن بھی صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دور نہیں ہوئے، اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے آپ کی جانی، مالی، خاندانی، آل واولاد، والدین اور اعزہ واقارب کی قربانی ناقابل انکار ہے۔

آپؓ نے دنیا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فدائیت، جانثاری، رفاقت، محبت وشفقت اور ایثار کی نہ صرف نئی تاریخ رقم فرمائی، بلکہ ابتدائے آفرینش سے قیامت تک اپنی مثال آپ بنے، اختیاری وغیر اختیاری افعال واعمال میں آپ نمونہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنے، رنگ وڈھنگ، مزاج، اخلاق، عادات، اطوار، چال، ڈھال، اوصاف، فکر، سوچ، نظریہ، طرز، حتیٰ کہ انداز میں بھی آپ حضور علیہ السلام کے ثانی اور جانشین نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپؓ کو اپنی حیات مبارکہ میں ہر خلوت وجلوت کا نہ صرف ساتھی اور راز دار بنایا، بلکہ قولاً، فعلاً اپنا وزیر ومشیر اور مرض الوفات میں آپؓ کے لازوال کارناموں اور احسانات کا اعلانیہ تذکرہ فرما کر اپنا مصلیٰ بھی آپؓ کے حوالہ کر کے، اپنی نگرانی میں سترہ نمازیں اپنے مصلیٰ پر امام بنا کر پڑھوائیں اور اعلانیہ اپنا جانشین مقرر فرما دیا،

یہی وجہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کی امانت سپرد فرما گئے، ہم نے انہیں اپنے دین کا امام بنالیا۔"

(تاریخ الخلفاء)

وصال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ امور مملکت چلانے، بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین کے معاملات میں حتمی فیصلے کے لیے کوئی امیر مقرر کیا جائے، اور یہی دستور عالم ہے، ایک حاکم وامیر کی جدائی کا کتنا بڑا سانحہ ہی کیوں نہ ہو، مملکت کے امور چلانے کے لیے کسی نہ کسی کو آئین وقانون یا ارکان ریاست ذمہ دار بناتے ہیں، ورنہ ملکی سلامتی کو شدید خطرات کے ساتھ خانہ جنگی اور بحران کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی تناظر میں انصار سقیفۂ بنی ساعدہ (حویلی) میں مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور سیدنا ابوبکر وعمر بھی شریک مشورہ ہو گئے، باہمی گفت وشنید ہدایات نبوی کے تذکرے اور مذاکرے کے بعد اتفاق رائے سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو ان کی خواہش کے بالکل برعکس بیعت کر کے امیر وامام بنادیا گیا۔

آپؓ کے ہاتھ پر انتخاب امیر کے مسنون ومشروع طریقے کے عین مطابق جملہ مہاجرین وانصار، عشرہ مبشرہ، بدری صحابہ، بیعت رضوان کے حامل صحابہ اور پھر پورے اہل مدینہ، حتیٰ کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر کے آپؓ کو امیر المومنین اور خلیفہ بلا فصل قبول فرمالیا، یوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اہل اسلام کا اجماع منعقد ہو گیا، یہ اس امت کا پہلا اجماع تھا اور امت کے افضل ترین طبقہ حضرات صحابہ کرام کا اجماع تھا، اور اجماع بھی اہلیت، صلاحیت اور نبوی اشاروں کی روشنی میں منعقد ہوا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نظام خلافت سنبھالتے ہی، جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ترجیحات کا اعلان:

بیعت کی تکمیل پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا، اس خطبہ

میں اپنی حکومت وخلافت کی ترجیحات اور چارٹر کو یوں نمایاں فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد گویا ہوئے:

"اَمَّا بَعْدُ: اَیُّهَا النَّاسُ! فَإِنِّي قَدْ وُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِيْنُوْنِي، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُوْنِي اَلصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ وَالضَّعِيْفُ فِيْكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِيْ حَتّٰى أُرِيْحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالْقَوِيُّ فِيْكُمْ ضَعِيْفٌ عِنْدِيْ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ وَلَا تَشِيْعُ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ أَطِيْعُوْنِيْ مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَإِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ قُوْمُوْا إِلٰى صَلَاتِكُمْ يَرْحَمْكُمُ اللّٰهُ"

(ابوبکر الصدیق ص: ۱۴۷)

"اے لوگو! مجھے تم پر حاکم بنادیا گیا، حالانکہ میں تم سے زیادہ بہتر نہیں (عاجزی وتواضع کا اظہار) اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا، اگر میں نامناسب کام کروں تو مجھے درست کردینا، سچ امانت ہے، جھوٹ خیانت ہے، تم میں جو کمزور تر ہے میں اسے طاقتورترین سمجھ کر اس کا حق دلواؤں گا اور طاقتور میرے سامنے کمزور ہے، اس سے حق لے کر رہوں گا، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کردیتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے ذلت کے ساتھ رسوا کردیتے ہیں۔ جس قوم میں بے حیائی عام ہوجائے، اللہ تعالیٰ اس قوم میں بلاؤں کو عام کردیتے ہیں۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ تم بھی میری اطاعت کرنا۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں، تو پھر تمہارے ذمہ میری اطاعت نہیں بنتی، اٹھو اپنی نماز ادا کرو۔"

مذکورہ بالا خطبہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اساس، درج ذیل چیزوں پر تھی:

۱)۔ عاجزی وانکساری:

اجماع امت کے مطابق آپ امت میں ہی نہیں، جملہ امتوں میں انبیاءؑ کے بعد سب سے افضل ترین انسان ہیں، قرآن وسنت کی نصوص بھی اس پر شاہد ہیں، بایں ہمہ آپ نے اس قدر تواضع وانکساری اختیار کی ہوئی تھی۔

۲)۔ ہمہ وقت احتساب کے لیے تیار:

آپؓ نے رعایا کو احتساب کا اختیار دیتے ہوئے صاف فرمایا: ''میں اچھے کام کروں تو میرا تعاون کیا جائے، ورنہ مجھے سیدھا کر دیا جائے۔''

۳)۔ سچائی اور جھوٹ سے پرہیز

۴)۔ کمزور کا ساتھ اور طاقتور کا احتساب

۵)۔ انصاف کی فراہمی

۶)۔ جہاد فی سبیل اللہ

۷)۔ فحاشی کے خلاف اعلان جنگ

۸)۔ قرآن وسنت کی اتباع

۹)۔ حکومت شریعت کے تابع و پابند

۱۰)۔ قرآن وسنت کی بالادستی

۱۱)۔ نماز کی پابندی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تجہیز وتکفین وتدفین کے معاملات میں حکمت وبصیرت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جدائی اور وصال، امت کے لیے ہولناک سانحہ تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بہت سے احکام، امت سے الگ اور ممتاز ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غسل، کفن، جنازہ اور دفن سے متعلق بہت سے معاملات فیصلہ طلب تھے، یہ معاملات نہایت نازک اور حساس بھی تھے، ان کی حساسیت اس لحاظ سے بھی تھی کہ

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں یہ معاملات طے ہوں، اوران پر اتفاق واتحاد بھی رہے، جملہ اہل بیت اطہار، خاندان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، یاران نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، مہاجرین وانصار سبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جان چھڑ کنے والے تھے، اس آخری خدمت میں کون اپنے آپ کو محروم رکھنا پسند کرتا؟ اور ہر ایک کی شرکت یا رضا بہر حال مدنظر رکھنا بھی نہایت مشکل ہوتی ہے۔

اس حساس موقع پر سیدنا صدیق اکبرؓ کی فراست وحکمت اور صواب رائے کو پوری امت کا سلام، کہ جب لوگوں کے اوسان خطاء ہو گئے تھے، وہ نہ صرف مستقیم رہے، بلکہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی ہوئی احادیث بھی ہر موقع پر مستحضر کر کے سناتے گئے، فیصلے فرماتے گئے اور سب قبول کرتے گئے، چنانچہ مدفن کی تعیین، کفن کے کپڑوں کی تعداد، کپڑوں کی تعیین، غسل کے لیے غسل کرانے والوں کی تشکیل، جنازہ کا طریقہ وغیرہ، سب امور جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حکمت ودانائی، علم ودانش سے مکمل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جنازہ عام مسلمانوں کی طرح نہیں پڑھا گیا، دیگر بہت سی خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حاصل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جنازہ مبارکہ حجرہ شریف میں رکھ دیا گیا اور جماعتوں کی شکل میں صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود وسلام پڑھتے اور چلے جاتے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جنازہ تھا۔

کابینہ کا انتخاب:

سیدنا صدیق اکبرؓ نے نظام خلافت چلانے کے لیے اپنے معاون وزیر، مشیر، مقرر فرمائے، جو بلاشبہ میرٹ اور اہلیت ولیاقت پر مقرر فرمائے۔

وزارت خزانہ:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو امت کا (سب سے زیادہ) امین قرار دیا، سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مالیات کا نظم سیدنا ابوعبیدہؓ کے سپرد فرمایا۔

وزارت عدل وانصاف:

اس عظیم الشان منصب کے لیے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے سیدنا عمر بن خطابؓ کو نامزد فرمایا اور بذات خود بھی عدالت کی کرسی پر براجمان ہوکر لوگوں کو انصاف فراہم کرتے۔

وزارت موصولات:

شکایت، ڈاک اور مختلف امور کی تحریریں سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا علی المرتضیٰؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ کے سپرد تھیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ نے مختلف صوبوں کے گورنر بھی اسی اصول کے پیش نظر مقرر فرمائے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس جس صحابی کو جہاں عامل مقرر فرمایا تھا، سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس کو معزول نہیں فرمایا، آپؓ کے عہد خلافت کے گورنروں کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

مکہ	عتاب بن اسیدؓ
طائف	عثمان بن ابی العاصؓ
صنعاء	مہاجر بن امیہؓ
حضرموت	زیاد بن لبیدؓ
خولان	معلیٰ بن امیہؓ
الجند	معاذ بن جبلؓ
نجران	جریر بن عبداللہ البجلیؓ
جرش	عبداللہ بن ثورؓ
بحرین	العلاء بن الحضرمیؓ
عراق وشام	لشکروں کے امیروں کو ہی امیر رکھا گیا۔
عمان	حذیفہ بن محصنؓ
یمامہ	سلیط بن قیسؓ

سیدنا صدیق اکبرؓ کے وظیفہ کا تقرر اور عوامی تائید:

''بنیادی طور پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ تاجر تھے، منصب خلافت پر فائز ہو جانے کے بعد، انہوں نے حسب معمول بازار کا رخ کیا اور کپڑے فروخت کرنے لگے۔ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراحؓ نے امور خلافت سرانجام دینے اور کاروبار نہ کرنے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی روزگار کے لیے بیت المال سے اڑھائی سو دینار سالانہ اور بکری کا کچھ گوشت، سری پائے کا تقرر کر دیا، بعد میں یہ وظیفہ تین سو دینار سالانہ کر دیا گیا، جس کا سیدنا صدیق اکبرؓ نے باقاعدہ خطبہ میں اعلان کیا اور فرمایا میرا وظیفہ اڑھائی سو دینار سالانہ مقرر تھا، جو نا کافی ہوتا، اس لیے سیدنا عمرؓ اور سیدنا علیؓ نے میرا وظیفہ تین سو دینار اور بکری کا گوشت مقرر کر دیا ہے، کیا تمہیں منظور ہے؟ جملہ مہاجرین نے اعلان کیا کہ ہمیں منظور ہے، یوں امیر المؤمنین کا وظیفہ مقرر رہا۔''

(ابوبکر صدیق دکتور علی محمد الصلابی ص ۱۶۲)

نامساعد حالات میں بھی لشکر اسامہ کی روانگی اور ان کو وصیت:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں سیدنا اسامہ بن زیدؓ کے والد گرامی حضرت زید بن حارثہؓ کی سربراہی میں ایک لشکر شام کے نواح میں روانہ کیا گیا، اس لشکر کی دشمن سے مدبھیڑ ہوئی، جس میں امیر لشکر حضرت زید بن حارثہؓ، پھر حضرت جعفر طیارؓ اور پھر عبداللہ بن رواحہؓ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے ان شیروں کی شہادت پر بہت افسردہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۱ھ میں حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہؓ کی قیادت میں ایک لشکر تشکیل دے کر انہیں بلقاء شام کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا، اس لشکر میں بڑے بڑے صحابہ کرامؓ کو حضرت اسامہ کے ماتحت کر دیا گیا۔

اس پر بعض منافقین نے اعتراضات بھی اٹھائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر خطبہ ارشاد فرمایا اور حضرت اسامہ کی امارت کو حق قرار دے کر معترضین کو تنبیہ فرما دی، لیکن لشکر

کی روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مرض الوفات شروع ہو چکی تھی، اس لیے حضرت اسامہ مقام جرف مدینہ کے قریب ٹھہر گئے، اسی اثناء میں جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا، سیدنا صدیق اکبرؓ نے زمام خلافت سنبھالی تو حالات دگرگوں ہونے لگے۔ سرحدی علاقوں میں بہت سے لوگوں نے ارتداد اختیار کر لیا، مختلف علاقوں میں شورشیں بپا ہونے لگیں، ان حالات میں دارالحکومت کی حفاظت اور ریاست کی بقاء کے لیے ضروری تھا کہ سردست مجاہدین اسلام اور یہ بہادر پاکباز مجاہدین مدینہ میں ہی رہیں، تاکہ خدانخواستہ کوئی باطل قوت مرکز اسلام پر بری نظر سے نہ دیکھ سکے۔

سیدنا ابوبکرؓ نے ان سب کی پرواہ کیے بغیر، منشاء نبوی کو پورا کرتے ہوئے لشکر کی روانگی کا فیصلہ کیا، اس فیصلے پر بڑے بڑے صحابہ کرام مزاحم ہوئے، ان کی رائے یہ تھی کہ سردست لشکر کی روانگی مناسب نہیں، اس لیے انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کو منع فرمایا، سیدنا عمر بن خطابؓ نے بھی مقام جرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو واپس بلانے کا پیغام ارسال کیا اور فرمایا کہ مجھے امیر المومنین اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حرم (ازواج مطہرات) کا اندیشہ ہے کہ کہیں مشرکین ان کو اچک نہ لیں۔ سیدنا صدیق اکبر اس موقع پر استقامت کے پہاڑ بن گئے اور ہر صورت میں منشاء نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پورا کرنے کا اعلان کر دیا، چنانچہ آپ اس لشکر کو روانہ کرنے کے لیے خود نکل کھڑے ہوئے، سیدنا اسامہؓ جو کم عمر (نوجوان) صحابی تھے، سواری پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ پیادہ چل رہے تھے، سیدنا اسامہؓ نے عرض کیا: امیر المومنین! مجھے نیچے اترنے کی اجازت مرحمت فرمائیں یا پھر آپ سوار ہو جائیں؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا: نہ آپ اتریں گے اور نہ ہی میں سوار ہوں گا، حالانکہ آپ کی سواری حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کھینچ کر چل رہے تھے، آپ نے فرمایا میں اپنے پاؤں راہ خدا کے لیے کچھ دیر کے لیے غبار آلود کیوں نہ کر لوں۔ اس لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، آپؓ نے حضرت اسامہؓ سے فرمایا میری مدد کے لیے اگر آپ عمرؓ کو چھوڑ دینا چاہیں تو چھوڑ جائیں۔ حضرت اسامہؓ نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر پورے لشکر کو روک کر دس قیمتی نصائح فرمائیں:

"(۱) خیانت نہ کرنا۔ (۲) چوری نہ کرنا۔ (۳) بدعہدی نہ کرنا۔

(۴) مقتولین کے اعضاء نہ کاٹنا۔ (۵) چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا، بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، خواتین کو قتل نہ کرنا۔ (۶) کھجور کے درخت اور پھل دار درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا۔ (۷) بکری، گائے اور اونٹ کو کھانے کے مقصد کے علاوہ ذبح نہ کرنا۔ (۸) تم ایسے لوگوں کے پاس گزرو گے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں محدود رکھا ہوا ہوگا، انہیں بھی ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ (۹) تم ایسے لوگوں سے گزرو گے جو تمہارے پاس برتنوں میں مختلف انواع کے کھانے لائیں گے۔ انہیں بسم اللہ پڑھ کر کھانا۔ (۱۰) تم ایسے لوگوں سے بھی ملاقات کرو گے، جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ منڈوایا ہوا ہوگا اور لٹیں چھوڑی ہوئی ہوں گی انہیں قتل کر دینا اور اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بالخصوص نصیحت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو تمہیں نصائح فرمائی تھیں، ان پر عمل کرنا۔"

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ نے حکم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سخت حالات میں بھی پیروی فرمائی، نیز اسلام نے نوجوانوں کو کس قدر اہمیت دی۔

قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ اور اسوۂ نبوی پر عمل پیرا ہونے کا عہد:

صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۷۳۰ میں ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے وصال رسول کے بعد سیدنا عثمان بن عفانؓ کو سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں وراثت کے حصول کے لیے بھیجنے کا قصد کیا تو سیدہ عائشہؓ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث یاد دلائی، ہم (مال و دولت) کے وارث نہیں بناتے، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے۔

صحیح بخاری حدیث ۶۷۲۹ میں سیدنا ابوہریرہؓ راوی ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "میرے وارثوں میں ایک دینار بھی تقسیم نہ ہوگا، میرے اہل خانہ اور میرے عامل کے خرچ کے بعد جو بچ جائے گا سب صدقہ ہوگا۔ اہل علم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی خصوصیت شمار فرمائی کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

ازواج مطہرات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے نکاح جائز تھا۔علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ نے مذکورہ بالا دونوں خصوصیات کا سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضۂ اطہر میں زندہ ہونے کو قرار دیا۔

بوقت وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ورثاء میں چار صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات شامل تھیں۔مذکورہ بالا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عدم علم یا عدم استحضار کی وجہ سے ازواج مطہرات نے بھی میراث مانگنے کا ارادہ کیا، لیکن سیدہ عائشہؓ کی یاد دہانی پر انہوں نے ارادہ ترک کر دیا، جبکہ سیدنا عباسؓ اور سیدہ فاطمہؓ نے بالواسطہ یا بلا واسطہ سیدنا ابوبکرؓ سے اس بابت ضرور تقاضا فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کوئی میراث جاگیر تو تھی ہی نہیں، ذاتی مکان بھی ہجرت کے بعد قریش کے قبضہ میں چلا گیا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے بعد بھی واپس نہ لیا، البتہ آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس مال فئی میں حاصل ہونے والی چند جاگیریں فدک وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیر تولیت تھیں، جس کی آمدنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اہل وعیال پر خرچ فرماتے اور باقی ماندہ کو جہاد میں صرف فرما دیتے۔سیدہ کا تقاضا ان اموال کا تھا۔جس کے جواب میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اصولی موقف اختیار کیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم اور تعلیمات پر مشتمل تھا۔آپؓ نے فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ وَإِنَّمَا یَأْکُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ ھٰذَا الْمَالِ

(صحیح بخاری ۶۷۲۶)

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے کہ ہم (انبیاء) وارث نہیں بناتے، ہم جو بھی چھوڑ کر جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے، ہاں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مال سے اپنا خرچ چلائیں گے۔“

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا:

لَسْتُ تَارِکًا شَیْئًا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْمَلُ

بِهٖ إِلَّا عَمِلْتُ بِهٖ إِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهٖ أَنْ أَزِيغَ
(صحیح مسلم:۴۵۷۶)

''جس جس چیز کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں اسے ترک نہیں کروں گا، اسے سرانجام دوں گا، اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کو ترک کیا تو مجھے گمراہ ہو جانے کا ڈر ہے۔''

''اس پر سیدہ فاطمہؓ اور سیدنا عباسؓ مطمئن ہو گئے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ وہ جملہ امور سنت مطہرہ کے مطابق ہی سرانجام دیں گے۔''

(درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ)

''چنانچہ سیدنا صدیق اکبرؓ سیدہ فاطمہ کے گھرانے کے لیے کافی ووافی خرچ اور غلہ بھجواتے تھے۔''

(حوالہ بالا ص ۳۳۲)

اس موقع پر سیدنا ابوبکرؓ نے یہ بھی فرمایا: ''قسم بخدا، میں نے اپنا گھر، مال، اہل خانہ، خاندان سب اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت تمہاری خوشنودی کے لیے ہی چھوڑا ہے''، سیدنا ابوبکرؓ سیدہ فاطمہؓ کو راضی کرتے رہے، حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔''

(البدایہ والنہایہ)

بعض روایات میں سیدہ فاطمہ کی ناراضگی کا ذکر ہے جو ایک راوی کے مغالطے کی وجہ سے روایت کا حصہ بن گیا ہے۔ روایت میں الفاظ تھے، سیدہ فاطمہؓ نے بات چیت چھوڑ دی تھی یعنی اس معاملہ میں پھر کبھی بات نہیں فرمائی۔ اسے راوی نے یوں سمجھا کہ سیدہ نے حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو چھوڑ دی تھی۔ یہ مفہوم حاشا وکلا صریح غلط ہے، اس لیے کہ اپنے والد محترمؐ کی حدیث کا انکار سیدہ سے بعید ہے، نیز فریقین کا باہمی تعلق ومحبت حتیٰ کہ سیدہ فاطمہؓ کا علالت میں حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اسماء کی بنت عمیس کی خدمت اور سیدنا ابوبکرؓ کا سیدہ فاطمہؓ کے جنازہ میں شرکت (اور ایک روایت کے مطابق امامت بھی ثابت ہے) ناراضگی کی نفی کرتے ہیں۔

مرتدین سے جہاد اور ان کا خاتمہ:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر پر بار خلافت پڑتے ہی مشکلات، مصائب، مسائل نے استقبال کیا، ان مشکلات و مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ فتنہ ارتداد تھا، جونہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا سے پردہ پوش ہوئے تو بیشتر قبائل، منافقین، یہود و نصاریٰ نے اسلام کے خلاف سر اٹھانا شروع کر دیا، بہت سے قبائل کلی طور پر مرتد ہو کر بت پرست بن گئے، کچھ قبائل عہد نبوت کے آخر میں ظاہر ہونے والے جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے کذابوں کے جال میں پھنس کر اسلام چھوڑ بیٹھے۔ کچھ نے اسلام پر رہتے ہوئے زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ زکوٰۃ تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ خاص تھی، ان مرتدین کی تعداد ہزاروں میں تھی، قبائل کے قبائل اور بہت سے علاقے دین سے بیزار ہو کر خلافت اسلامیہ کے خلاف کھڑے ہو گئے، یہود و نصاریٰ نے بھی اپنے سینہ میں چھپائی ہوئی آگ کو ظاہر کیا، اور متحرک ہو گئے، منافقین، متردین بھی ان میں کود پڑے، نوبت بایں جا رسید کہ اسلام کے وجود اور مدینہ طیبہ کو بھی خطرات لاحق ہو گئے، اس موقع پر سیدنا ابوبکرؓ کی شجاعت، فراست، حکمت اور سیاست کا بہت بڑا امتحان تھا کہ وہ کس بصیرت، جرأت اور بہادری کے ساتھ ان حالات سے نبرد آزما ہو کر اسلام کا قیامت تک کے لیے تحفظ فرماتے ہیں، یا خدانخواستہ گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کمال شجاعت و سیاست و تدبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے، مرتدین کی تینوں قسموں سے بیک وقت بھڑ جانے کا فیصلہ فرما لیا۔

۱)۔ اسلام ترک کر کے شرک و بت پرستی اختیار کرنے والوں کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔

۲)۔ منکرین ختم نبوت سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کا اعلان فرمایا، اس کے متعلق آئندہ عنوان کے تحت ان شاء اللہ عرض کیا جائے گا۔

۳)۔ مانعین زکوٰۃ اور منکرین زکوٰۃ سے بھی جنگ کرنے کا اعلان فرمایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص حضرت عمرؓ کو مانعین زکوٰۃ سے لڑنے میں بوجوہ تردد تھا، ایک تو بیک وقت تین الگ الگ محاذوں پر لڑنا، وہ بھی اس وقت جب دشمن ہر طرف

کثرت سے پیدا ہو چکے ہوں، خلاف مصلحت معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا بعض لوگ زکوٰۃ کے علاوہ پورے دین پر قائم تھے، صرف زکوٰۃ کا انکار کر رہے تھے، اور بعض زکوٰۃ کے بھی قائل تھے، لیکن وہ حکومت وقت کو نہیں دینا چاہتے تھے، سیدنا صدیق اکبرؓ نے ہمہ قسم مصلحت ترک کرتے ہوئے، اسلام کا ہمیشہ کے لیے تحفظ فرمایا، اور حضرت عمر سے گویا ہوئے "قسم بخدا! جو شخص نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس سے لڑوں گا، زکوٰۃ تو مال کا حق ہے، قسم بخدا! عہد نبوت میں جانور کے ساتھ دی جانے والی رسی بھی کوئی روکے گا، تو اس سے بھی قتال کروں گا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے: سیدنا صدیق اکبرؓ کی اس استقامت پر مجھے بھی شرح صدر حاصل ہو گیا اور فرمایا: قسم بخدا ابوبکر کا ایمان مرتدین سے لڑنے کی وجہ سے پوری امت سے بڑھ گیا۔

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ان مرتدین کے خلاف متعدد اقدمات کیے، جن میں ثابت قدم رہنے والے مسلمان قبائل کو مرتدین سے جہاد کا حکم دیا، ان قبائل نے حضرت ابوبکرؓ کی پکار پر لبیک کہا اور مدینہ حاضر ہو کر مدینہ کو بھر دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی حفاظت کے لیے خطبہ دیا اور مدینہ منورہ کے دفاع کے اقدمات اٹھائے، دور و دراز علاقوں میں مرتدین سے نبرد آزما ہونے کے لیے گیارہ لشکر تشکیل دیے، اور خود ذی القصہ چھاؤنی میں جا پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ان اقدمات سے آپ کی شجاعت و بہادری، سیاسی فکر، حسن تدبیر اور جغرافیائی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے متعدد علاقوں کے لیے بہترین ترتیب سے لشکر روانہ فرمائے، آپ جب بنفس نفیس قتال کے لیے ذی القصہ پہنچے، ننگی تلوار ہاتھ میں تھی سواری پر سوار تھے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور فرمایا: اپنی تلوار نیام میں ڈال لیں، ہمیں اپنی شہادت کے ساتھ غمناک نہ کریں، اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو اسلام کا نظام ختم ہو کر رہ جائے گا، اس پر آپ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

انکار ختم نبوت کے فتنہ کا خاتمہ:

"منکرین ختم نبوت کے فتنہ نے عہد نبوت کے آخر سے ہی سر اٹھا لیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک حیات طیبہ میں یمامہ میں مسیلمہ کذاب، یمن

میں اسود عنسی اور طلیحہ اسدی نے اپنی قوم میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، ان میں زیادہ خطرناک مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا انجام حضور علیہ السلام کو خواب میں دکھا دیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے کنگن دیکھے، جنہیں میں نے ناپسند کیا، پھر میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے، میں نے ان دونوں کنگنوں کی تعبیر ان دو کذابوں (اسود عنسی) اور صاحب یمامہ (مسیلمہ) کے ساتھ لی۔''

(مسند احمد)

خواب میں سونے کے کنگن سے مراد دونوں کا جھوٹا ہونا ہے، کیونکہ سونے اور جھوٹوں میں چمک دمک، ملمع سازی مشترک ہے۔ کنگن سے بادشاہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور پھونک سے اڑ جانے سے ان کے قتل ہو جانے کی طرف اشارہ ہے، مسیلمہ کذاب کے ساتھ کچھ اور کذابوں کے فتنوں نے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد زور پکڑنا شروع کر دیا، جن میں سجاح نامی خاتون وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے پرزور طریقے سے اپنا اثر بڑھانا شروع کیا اور اہل اسلام کے خلاف مہم جوئی کے خواب دیکھنے لگے۔

سیدنا ابوبکرؓ نے مرتدین کے خلاف جو لشکر تشکیل دیے، ان میں سے کچھ لشکر ان جھوٹے نبیوں کی سرکوبی کے لیے تھے، چنانچہ اسود عنسی کے قتل کی خبر تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آغاز میں ہی آ چکی تھی، حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل اور مہاجرین وانصار کی ایک جماعت اور دیگر سینکڑوں مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب کے خلاف خونریز جنگ لڑی، جس میں سات سو کے قریب قراء صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے، مسیلمہ کذاب کی چالیس ہزار سے زائد کی افواج کو شکست فاش ہوئی اور مسیلمہ جہنم رسید ہوا، اس سے قبل حضرت خالد بن ولیدؓ نے طلیحہ اور اس کے لشکر پر چڑھائی کی، نتیجہ میں طلیحہ قتل ہوا اور مسلمانوں کو بہت سے ہتھیار اور غنیمتیں حاصل ہوئیں، سجاح تائب ہو کر مسلمانوں میں شامل ہو گئی، یوں منکرین ختم نبوت کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

جمع وتدوین قرآن کریم:

عہد نبوت میں اگرچہ قرآن کریم پتھر کی سلوں، ہرن کی جھلیوں، درختوں کے پتوں اور مختلف چیزوں پر لکھا گیا تھا، لیکن نہ تو یک جا تھا اور نہ ہی کتابی شکل تھی، بلکہ خداداد زبردست حافظہ پر انحصار کیا جاتا، سینکڑوں صحابہ کرام ؓ کو قرآن پاک زبانی یاد تھا، مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑی گئی جنگ میں پانچ یا سات سو حفاظ وقراء صحابہ کی شہادت کے بعد سیدنا عمر فاروق ؓ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ حفاظ کے دنیا سے چلے جانے سے کہیں قرآن کریم گم نہ ہو جائے، اس لیے آپ ؓ نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو قرآن کریم جمع کرانے، یکجا کرنے اور مدون کرنے کا مشورہ دیا، جسے بحث وتمحیص کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول فرما لیا اور یہ عظیم الشان کام کاتب وحی، نوجوان اور نہایت سمجھ دار با اعتماد صحابی حضرت زید بن ثابت ؓ کے سپرد کیا، ان کا فرمان ہے: یہ ذمہ داری میرے لیے ایک پہاڑ کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے بھی زیادہ بھاری تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عظیم الشان کارنامہ لیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس کارنامہ پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"يَرْحَمُ اللهُ أَبَا بَكْرٍ هُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ"

(مصنف ابن أبي شيبة: ۱۰/ ۵۴۴)

"اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم کرے، وہ پہلے انسان ہیں، جنہوں نے قرآن کریم دو گتوں کے مابین جمع کر دیا۔"

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے مذکورہ بالا ان عظیم الشان کارناموں سے کامیاب حکومت کے زریں اصول ملتے ہیں، سیدنا صدیق اکبر ؓ نے ایک طرف تو اسلام، ختم نبوت، سنت مطہرہ اور قرآن کریم کی حفاظت فرمائی، دوسری جانب اسلامی ریاست کا بھرپور دفاع واستحکام فرمایا اور اسلام کی اشاعت میں حائل جملہ رکاوٹوں کا قلع قمع کر دیا، دراصل عہد صدیقی کے بعد ہونے والی اسلامی فتوحات کے پس پردہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا اقدامات کار فرمائے تھے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ/فروری 2021ء)

مجبور کر رہی تھی شریعت حسینؓ کو

ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، سبط رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جگر گوشۂ بتولؓ، شہید کربلا، جنتی نوجوانوں کے سردار، ابوعبداللہ، حسین بن علی القریشی الہاشمی رضی اللہ عنہ، آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اولادِ علیؓ اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔

یہ وہ محترم اور ذی قدر شخصیت ہیں، جن کی نظر اوّل کا مستقر چہرہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، کانوں کی سماعت اوّل اذان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، منہ مبارک کے راستے پہنچنے والی پہلی غذا العاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، استراحت کے لیے پہلا بستر گودِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور پہلی سواری شانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرار پائی، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا تو بیت علیؓ میں ہوئے، لیکن تعلیم، نشو ونما اور تربیت خانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاصل فرمائی، جو قلباً، روحاً، جسداً شبیہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے، جس قدر توجہات نبویہ اور تجلیات محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس خانوادۂ نبوی کے چشم و چراغ کو حاصل ہوئیں، شاید کہ کوئی اور ان کو حاصل کر سکا ہو۔

یہ وہ ممتاز شخصیت ہیں، جنہیں "نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کی جانب سے اعلانیہ طور پر جرأت وسخاوت کی وراثت عطا کی گئی، جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے برسرِ منبر اظہار محبت فرمایا، انہیں کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ موقوف فرمایا، یہی وہ مبارک شخصیت ہیں، جن کے لیے سجدہ طویل کر دیا گیا، انھی کو جنت کے جوانوں کا سردار، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشبو" کے لقب سے ملقب کیا گیا، ان سے محبت کو محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان سے بغض کو بغض رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قرار دیا

گیا، جناب حسین رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہی نہیں آپ کے پورے اصحاب و جماعت کے محبوب تھے، دور یزید میں بقاء سنت وشریعت کے لیے سیدنا حسین ؓ عزیمت کی راہ کو اپناتے ہوئے اپنے قافلہ سمیت میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرما گئے، چودہ صدیوں سے امت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مختلف انداز سے خراج عقیدت پیش کر رہی ہے، اور تا قیامت پیش کرتی رہے گی، زیر نظر رسالہ ''معاف کرنا حسین ؓ'' بھی اس سلسلۃ الذہب کی ایک حسین کڑی ہے۔

برادر محترم جناب ظفر اقبال ظفر صاحب کو رب تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا ہے، فن خطاطی، ادب وسخن میں ان کی مہارت کا تو میں بہت پہلے سے قائل تھا، لیکن اب زیر نظر شعری مجموعہ دیکھ کر ان کی اعلیٰ فکری، علمی صلاحیتوں اور مسلک اعتدال کا بھی معترف ہوا ہوں، میں نے اس رسالہ کو اول تا آخر مکمل پڑھا، یہ شعری مجموعہ شاعری کی کثیر اصناف کے ساتھ، سیدنا حسین ؓ کی سیرت وکردار، ان سے محبت کے معیار، حسینیت کے تعارف، حسینیت کے پیغام اور فلسفہ شہادت پر محیط ہے، جناب ظفر صاحب نے قوم کو اسوۂ شبیری زندہ کرنے، ہر آمر وظالم سے اعلان بغاوت کرنے اور منافقت کی راہ ترک کرنے کی تلقین کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

اب بھی یزید وقت کی بیعت ہے ناروا
ایمان ہو تو آج بھی بپا ہے کربلا
یہ رسم خودکشی ہے عقیدت کے نام پر
اپنا نہیں حسین کے قاتل کا خون بہا

جناب ظفر اقبال صاحب سیدنا حسین ؓ کے سلسلہ میں مسلک اعتدال پہ قائم ہیں، وہ نہ تو حسین ؓ بیزار ہیں اور نہ ہی محبت وغم حسین میں حد سے گزر کر شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روندنے کو روا سمجھتے ہیں، وہ غم حسین ؓ سے بڑھ کر حسینیت اپنانے کی تلقین کر رہے ہیں:

غمِ حسینؑ تو ہم سارا سال کرتے ہیں
حسینیت کا مگر کب خیال کرتے ہیں

انہوں نے اپنے حسین کلام میں حسینیت کی دلنشین تشریح بھی فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

بے سمت لگ رہی تھی امت حسینؑ کو
ورنہ تو کیا پڑی تھی ضرورت حسینؑ کو
طیبہ سے کربلا کا سفر بے سبب نہ تھا
مجبور کر رہی تھی شریعت حسینؑ کو

دل سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ جناب ظفر اقبال صاحب کی اس کاوش کو قبول فرما کر دنیا و آخرت میں سرخروئی کا ذریعہ فرمائے اور ہم سب کو روزِ محشر حسینؑ اور خانوادۂ حسینؑ کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین!!

(تقریظ کتاب ''معاف کرنا حسینؑ'' تصنیف: ظفر اقبال)

افتم بہ پائے خود کہ کویت رسیدہ است

(دارالعلوم دیوبند میں حاضری)

کہنے کو تو یہ بھی ایک دینی مدرسہ ہے۔ اس مدرسہ میں بھی شب و روز "قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ دیکھنے کو تو یہ بھی وارثانِ صفہ کی وردو گاہ ہے، جہاں عاشقانِ علوم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روکھی سوکھی کھائے، پیوند زدہ لباس پہنے، چٹائی اور ٹاٹ پر مسند نشین دنیا کے بکھیڑوں سے الگ تھلگ فکرِ معاش اور نانِ شبینہ کے اندوہناک و غمناک کرب سے آزاد مرضیِ حق اور عشق نبی کی جستجو میں صبح و شام اور دن رات تحصیل علوم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرمست اور نشہ عشق و محبت میں شرابور رہتے ہیں۔ یہ ایک تربیت گاہ ہے جہاں دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی فکر، دنیا و اہل دنیا سے اعراض، توجہ الی اللہ و توکل علی اللہ، اسباب پر نظر کی بجائے مسبب الاسباب کی جانب دھیان، معاصی سے اجتناب اور تقویٰ و پاکیزگی، تکبر کی بجائے تواضع، خود غرضی کی بجائے ایثار، حسد کی بجائے خدمت، ریاکاری نہیں اخلاص، نیکی کا اظہار کم اخفاء زیادہ، انسانیت پر رحم، اہل اسلام کی خدمت، اللہ کی مخلوق پر شفقت، باہمی مودت، الفت، محبت اور پیار کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں شب و روز عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، احترام انبیاء و رسل، عدالت صحابہ و اہل بیتؓ، عظمت اولیاء و علماءؒ کے جام بھر بھر کے پلائے جاتے ہیں۔ یہاں علم و تحقیق کے جوہر نکالے اور بانٹے جاتے ہیں۔ امت کی ہمہ جہت راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے۔ حفاظتِ دین، اشاعت قرآن و سنت، علوم عالیہ، تفسیر، حدیث، فقہ اسلامی، علوم آلیہ، منطق، فلسفہ، ریاضی اور الجبرا کا سامان فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مدرسہ ہی تو ہے جو دشمنان اسلام کی فکری یلغار کے سامنے سد سکندری بن کر حفاظت دین اسلام کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ جہاں دشمنان اسلام کے

اعتراضات کے جوابات کے ساتھ دانت کھٹے کیے جاتے ہیں۔ لیکن دارالعلوم دیوبند، ضلع سہارن پور یوپی، ہندوستان صرف ایک مدرسہ ہی تو نہیں بلکہ ایک فکر، ایک تحریک، ایک تنظیم، اسلام واہل اسلام کی قیادت، انسانیت کی سیادت، قیام عدل، نجات ظلم، حریت فکر، آزادیٔ وطن، استبداد واستعمار کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا نام دارالعلوم دیوبند ہے۔

دینی مدارس صدیوں سے دنیا بھر، بالخصوص برصغیر میں اپنا مضبوط وجود ونظام رکھتے ہیں۔ سترہویں صدی میں سفید چمڑی اور سیاہ دل والے یورپین، تاجر بن کر ہندوستان آئے اور غاصب بن کر ہندوستان پر چھا گئے۔ سورخور، درندہ صفت، سفاک، انسانی لبادہ اوڑھے درندہ انگریز نے احسان فراموشی، نمک حرامی کرتے ہوئے نہ صرف حکومت وقت کو تاراج کیا، بلکہ باشندگان ہند، بالخصوص والیان ہند، مسلمانوں کی معیشت، سیاست، معاشرت، تمدن، مذہب، ثقافت، تعلیم، زبان، سبھی پر دھاوا بول دیا۔ مقامی صنعت تباہ کر دی گئی۔ جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ روزگار چھین لیے گئے۔ شاہوں کو گدا اور امراء کو دربدر کر دیا گیا۔ ریاستوں کی خودمختاری سلب ہوئی۔ کاسہ لیسوں، خوشامدیوں، مخبروں اور انگریز کے بوٹ پالش کرنے والوں کو چھینی ہوئی جاگیروں سے نواز دیا گیا۔ علماء جلاوطن، پابند سلاسل اور گولیوں کا نشانہ بنائے گئے۔ نظام تعلیم کو ختم کر کے چھوڑ دیا گیا۔ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور طعن وتشنیع کا بازار گرم کر کے عیسائیت کا پرچار شروع کیا گیا۔ عیسائی مبلغین ومناظرین کو درآمد کر کے سگ آوارہ کی طرح گلی محلہ میں چھوڑ دیا گیا۔ جن کا کام تشکیک پیدا کرنا، ایمان سلب کرنا اور مرتد بنانے کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا؟ مغربی نظام تعلیم کو ترویج دے کر اعلان کیا گیا کہ اس نظام تعلیم سے ایسے افراد پیدا ہوں گے جو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی لیکن فکر وذہن کے اعتبار سے انگلستانی (مغربی) ہوں گے۔ انہی جذبات کا اظہار اس نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں کیا تھا۔ یہاں کی سرکاری زبان فارسی یکسر ختم کر کے انگلش کو ترویج دی گئی۔ زبان کے ساتھ ساتھ مغرب کی ثقافت بھی درآمد کر کے مسلط کی گئی۔ لباس، طرز بود وباش اور رہن سہن کے طریقے سبھی نئے لائے گئے۔ الغرض ہندوستان کے انسان کو غلامی کے طوق میں جکڑ کر مذہب سمیت بنیادی حقوق میں نہ صرف مداخلت کی گئی، بلکہ استحصال بھی کیا گیا۔

اہل اسلام کے عظیم ترین مرکز، مرکز شاہ ولی اللہؒ، مدرسہ رحیمیہ پر پابندی لگ گئی تو قافلہ شاہ ولی اللہ کے بچے کھچے خدا ترس، مخلص، دین و مذہب کے خدام، حریت وطن کے علمبردار، علم و تقویٰ کے امام، جہاد و تزکیہ کے پیشوا چند مقدس شخصیات نے بجائے ہتھیار ڈالنے کے ملک و ملت اور دین و مذہب کی بقاء کی ٹھان لی۔ اس مقصد کے لیے طویل سوچ و بچار، استشارہ و استخارہ، دعا و زاری کے بعد ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند میں مؤرخہ 31 مئی 1866ء بمطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ چھتہ کی جامع مسجد میں ایک انار کے درخت کے نیچے قائم ہوا۔ نہ درسگاہیں، نہ رہائش گاہیں، نہ کھیل کا میدان، نہ سبزہ زار، بس سادگی اور خلوص کے ساتھ بغیر چھت کے مسجد ہی میں قائم کر ڈالا۔ اس مدرسہ کی تاسیس کے اغراض و مقاصد اس کے کارناموں سے عیاں ہیں۔ بانیان دارالعلوم دیوبند ظاہر میں تو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت حاجی عابد حسینؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم تھے۔ لیکن در حقیقت یہ بہت سے خدا ترس، شب بیدار صاحب علم اصحاب زہد کی دیرینہ خواہش اور دلوں کی دھڑکن تھی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ نے قیام دارالعلوم کی اطلاع دی تو فرمایا: "تم نے دارالعلوم قائم کیا، ہم نے جو عرصہ دراز سے شب و روز اہل ہند کی دستگیری کی دعائیں مانگیں وہ کہاں گئیں؟" حاجی صاحب کے اس جملے سے جہاں دارالعلوم کے بانیان کا پتہ ملتا ہے، وہاں دارالعلوم کے قیام کی غرض بھی نمایاں ہوتی ہے۔

قائم ہونے والا یہ مدرسہ "مدرسہ عربیہ دیوبند" تھا جو مستقبل میں دارالعلوم دیوبند کہلایا۔ اس مدرسہ نے نہ صرف اہل ہند کو انگریز کے ہاتھوں غصب شدہ متاع اور عظمت رفتہ واپس دلائی، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا بھر کے مظلوموں، مجبوروں، مقہوروں کو جینے کا سلیقہ سکھایا۔ تحفظ اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن، مشرقی روایات کو بھی زندہ و تابندہ رکھا۔ دارالعلوم کی خدمات کو ان مختصر سے اوارقی صفحات پر نقل کرنا ممکن نہیں، تاہم چند خدمات کا تذکرہ بطور نمونہ کے ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱)۔ دارالعلوم کے قیام کی برکت سے نہ صرف یہ کہ برصغیر میں اسلام کی حفاظت و خدمت کا حق ادا ہوا، بلکہ اسلام کے خلاف مغربی یلغار، ہندو انتہا پسند تحریکوں اور تنظیموں کے

دار بھی خطا ہو گئے۔ نہ صرف عیسائی مبلغ پیٹر فنڈر کی عوام الناس کو مذہب سے برگشتہ کرنے کی تحریک کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہاتھوں زک پہنچی، بلکہ بعد ازاں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے ہاتھوں "مناظرہ الٰہ آباد" میں شکست فاش بھی ہوئی۔ سوامی دیانند کی "آریہ سماج" اور سوامی شردھانند کی "شدھی" جیسی تحریکیں بھی دم توڑ کر رہ گئیں۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور اکابرین دیوبند نے دشمنان اسلام کے اعتراضات کے مدلل و مسکت جوابات دے کر اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ دیوبندی مناظرین نے اپنے فن علم مناظرہ اور علم کلام کے ذریعے ایسے بد باطن لوگوں کو شکست فاش دے کر ہمیشہ کے لیے اسلام کی سربلندی کا سامان پیدا کر دیا۔

۲)۔ حفاظت اسلام کے ساتھ ساتھ احیائے سنت اور ترکِ بدعت کا شرعی فریضہ بھی، دار العلوم کے فیض یافتگان کی بدولت خوب خوب ادا ہوا اور بحمد اللہ ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ دیوبند کوئی فرقہ یا گروہ نہیں، بلکہ چودہ سو سال سے متوارث اور منقول افکار و نظریات "اہل السنت والجماعت" کا نام ہی دیوبند ہے۔ علمائے دیوبند نے اہل السنت والجماعت کے حقیقی مزاج و مذاق، نظریات و افکار کو متعارف کرایا اور سند متصل کے ساتھ علم و فکر کی ترویج کی۔ ان کی سند امام شاہ ولی اللہؒ سے جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک متصل ہے۔ علمائے دیوبند دراصل امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے لائق ترین فرزندوں کے حقیقی وارث اور ترجمان ہیں جو انہیں کے فیض یافتگان اور تلامذہ ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں کی فکر و درد کے امین ہیں۔ ان کے عقائد و نظریات بعینہ وہی ہیں، جو امام شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، ملا علی قاریؒ، حافظ بدر الدین عینیؒ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہیں۔ دیوبندی علماء فروع میں امام ابو حنیفہؒ کے مقلد اور اصول میں شیخ ابو منصور ماتریدیؒ اور اشاعرہ کے پیروکار ہیں۔ اہل دیوبند نے رسوم و بدعات اور سنتوں کو الگ الگ کر کے قوم کو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور بدعات سے اجتناب کا جذبہ عطا کیا۔

۳)۔ دار العلوم دیوبند نے تحفظ عقائد کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث، فقہ اسلامی اور علوم

نبوت کے احیاء و بقاء اور حفاظت کا فریضہ بھی بخوبی انجام دیا۔ وہ جملہ علوم وفنون جو صدیوں سے برصغیر میں پڑھائے جا رہے تھے اور انگریز کے استبداد و جبر کی نحوست سے بند کر دیے گئے تھے ایک بار پھر پوری آب وتاب کے ساتھ زندہ کیے گئے اور دارالعلوم سے یہ سلسلہ دنیا بھر میں منتقل ہو کر اب علوم نبویہ کی اشاعت کی ایک عالمگیر تحریک بن چکی ہے۔ احیائے علوم نبوت کی برکت سے عقائد اسلام، اسلامی ثقافت، سیرت نبوی، تاریخ اسلامی اور مسلمانوں کا عہد درخشاں سبھی محفوظ ہو گئے۔ دین ہمیشہ کے لیے تحریفات، تاویلات فاسدہ اور انتحالاتِ باطلہ سے محفوظ ہو گیا۔ اس سب کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا مبارک زمانہ ایک بار پھر عود کر آیا۔ اکابرین دیوبند نے عربی، فارسی، اردو، ہندی، سندھی، پنجابی، انگریزی الغرض دسیوں زبانوں میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم بلاغت، علم کلام، اصول فقہ، علم و صرف ونحو، علم منطق وفلسفہ، علم ادب وغیرہ میں ہزاروں کتابیں تحریر کیں۔ ان اکابرین کی علمی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تفسیر وحدیث پر لکھی گئی عربی کی ضخیم کتابوں نے دنیا بھر کے اہل علم بالخصوص عرب علماو مشائخ کو انگشت بدنداں کر دیا۔ اگر تفسیر وحدیث کی خدمت پر مشتمل علمائے دیوبند کی کتب کی صرف فہرست بنائی جائے تب بھی بیسیوں صفحات درکار ہوں گے۔ ان کے علمی رسوخ کی وجہ سے دنیا بھر کے تشنگان علم نبوت نے سلسلہ دیوبند کے مدارس اور دارالعلوم کا رخ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم کے قیام کے ابتدائی سالوں میں ہی مکہ مکرمہ سے طلبہ کی آمد شروع ہو گئی تھی۔

۴)۔ تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق اور تصوف بھی علمائے دیوبند کا خاص مشن تھا اور یہی مقاصد نبوت میں سے ایک مقصد ہے، جسے قرآن کریم نے ”وَيُزَكِّيهِمْ“ کے عنوان سے اور حدیث پاک نے ”أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ...“ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہی علمائے دیوبند کی خصوصیت ہے کہ وہ لفظی توحید پرست ہونے کے بجائے حقیقی معنوں میں توحید کی حقیقت کو حاصل کیے روحانیت

کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ بعض اہل عرب نے بھی عقائد اسلام بالخصوص توحید کے تحفظ کا دم بھرا، لیکن وہ روحانیت وتصوف سے الگ تھلگ ہو کر حقیقت توحید سے محروم ہو گئے۔ جبکہ علمائے دیوبند کو حق تعالیٰ نے علم وعمل کے ساتھ روحانیت اور شریعت کے ساتھ طریقت سے بھی مالا مال فرمایا۔ وہ عقیدت کے سلاسل اربعہ کو حق جانتے اور مانتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ اصلاح نفس، اخلاص، اخلاق فاضلہ کے ارتکاب اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کو ضروری سمجھتے ہیں۔ سلاسل کو ان کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مقصود بالذات اور فرض قرار نہیں دیتے۔

۵)۔ علمائے دیوبند کا نمایاں امتیاز، ان کے مسلک ومزاج کا اعتدال ہے۔ وہ کسی بھی شعبہ میں انتہاء پسندی کے قائل نہیں۔ علمائے دیوبند عقیدہ توحید کے ساتھ عقیدہ رسالت پر بھی پورا ایمان رکھتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور رسل علیہم الصلوٰۃ کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جملہ انبیاء علیہم السلام اور مخلوقات سے افضل اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی عدالت اور اہل بیتؓ کی طہارت پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ عصمت کو انبیاءؑ کا خاصہ مانتے ہیں۔ وہ ذات الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں، صفات کے بھی منکر نہیں، لیکن حق تعالیٰ کے لیے انسانی صفات بھی ثابت نہیں کرتے۔ وہ اپنے موقف کو دلائل کے ساتھ ثابت کرنے کے قائل ہیں۔ وہ مسلکی تعصب رکھنے کے باجود مسلکی تشدد کے خلاف ہیں۔

۶)۔ علمائے دیوبند کی برکت سے نہ صرف یہ کہ قوم کو غیر ملکی استبداد سے آزادی نصیب ہوئی، بلکہ قوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام سے آزادی کا پختہ سبق بھی نصیب ہوا۔ انہیں علما کی کاوشوں سے انگریز اپنا بوریا بستر گول کرنے پر مجبور ہوا۔ 1857ء کے معرکہ شاملی اور تحریک ریشمی رومال سے لے کر تحریک پاکستان اور آزادی ہند تک ہر مرحلہ پر انگریز کے خلاف یہی علما سینہ سپر نظر آئے۔ انہیں علما نے انگریز کی بنائی ہوئی کال کوٹھریوں کو آباد کیا۔ انہیں کے آباء کو گولیوں سے چھلنی کر کے دریا برد کیا گیا۔ انہیں کو جلاوطن کر کے انتقام کی آگ بجھائی گئی۔ انہیں کو طوق پہنائے گئے۔ انہیں ہی سر

بازارتشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انہیں کی قربانیوں کی برکت سے نسل نو کو زندگی نصیب ہوئی۔ بلاشبہ انہیں کے جذبہ حریت نے افغانستان میں روس کے حصے بخرے کیے، تو انہیں کے فرزندان کی کاوشوں کی برکت سے امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان سے شکست خوردہ واپس جارہے ہیں۔ انہیں کی بصیرت سے پاکستان ایک حد تک امریکی یلغار سے محفوظ رہا اور انہیں کے فرزند دنیا بھر بالخصوص پاکستان میں امریکی اثر و نفوذ کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

۷)۔ دارالعلوم دیوبند کی برکت سے عقیدہ ختم نبوت کو تحفظ ملا۔ انگریز کے خودکاشتہ پودے قادیانیت کا تعاقب ہوا اور دنیا بھر میں انگریز کے اس ناجائز تخم کو جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیریں ہوئیں۔

۸)۔ اسی مدرسہ کے فرزندان آج بھی ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

۹)۔ یہی دیوبندی ہیں جو ناموس صحابہ واہل بیت کے لیے برسرپیکار ہیں۔

۱۰)۔ اسی کے ابناء پاکستان میں نفاذ شریعت کے لیے ایک عرصے سے پارلیمنٹ اور ایوان سے باہر نبرد آزما ہیں۔ دنیا بھر میں قرآن وسنت کی خدمت بھی انہیں کے دم قدم سے ہے۔ اس لیے بجا طور پر میں اسے اپنا مجازی قبلہ کہہ سکتا ہوں اور حق تعالیٰ نے احقر کو اس قبلہ گاہ میں حاضری کا شرف نصیب فرمایا۔ تبھی تو میں سوچ رہا ہوں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بہ پائے خود کہ کویت رسیدہ است
عقل وخرد فدائے دل خویشتن کنم
کز جام عشق تو شراب محبت چشیدہ است

(تاریخ اشاعت ”ماہنامہ صدائے فاروقیہ“ شعبان، رمضان ۱۴۳۵ھ/ جون، جولائی 2014ء)

باب دوم

اخلاق و اعمال

نسلِ نو کو تباہی سے بچائیں!

میڈیکل سائنس کے مطابق والدین کی بعض اچھی یا بری صفات اولاد میں منتقل ہوتی ہیں، یہ امر مشاہد بھی ہے اور حقیقت بھی، چنانچہ والدین کا رنگ، ہیئت، شکل وصورت، مزاج، زبان، حتیٰ کہ بعض امراض تک بچوں میں پائے جاتے ہیں، خاندانی اوصاف، صلاحیتیں وغیرہ بھی موروثی ہوتی ہیں، مذکورہ بالا مادی اشیاء کی طرح روحانی اشیاء بھی والدین سے اولاد میں منتقل ہوتی ہیں، چنانچہ صالحین کی اولاد وذریت عموماً نیک وصالح اور فساق وفجار کی نسلیں عموماً اپنے آباء کے نقش قدم پر ہوتی ہیں، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں کو ہدایت کی دولت نصیب فرمادیں اور صالحین کی اولاد کو گمراہ کردیں۔ چنانچہ بیشتر انبیاء علیہم السلام کی اولادیں بھی نبی و رسول بنائی گئیں، قرآن کریم میں ایسی ذریات کا تذکرہ موجود ہے:

إِنَّ اللهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحاً وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ○ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ○

(آل عمران: ۳۳،۳۴)

”اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ یہ ایسی نسل تھی، جس کے افراد (نیکی اور اخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔ اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّداً

وَبُكِيًّا ○ (مریم:۵۸)

''آدم کی اولاد میں سے یہ وہ نبی ہیں، جن پر اللہ نے انعام فرمایا، اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں، جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، اور کچھ ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہیں۔ اور یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں، جن کو ہم نے ہدایت دی، اور (اپنے دین کے لیے) منتخب کیا۔ جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے، تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ نیک اعمال کا اثر اولاد میں جاری ہوتا ہے، جس سے اولادیں بھی نیک بن جاتی ہیں، جبکہ برے اعمال کا اثر نسل پر پڑتا ہے، جس سے اولاد بھی بری بن جاتی ہے، قرآن کریم نے اس حقیقت کی جانب اس طرح بھی اشارہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ○ (الطور:۲۱)

''اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہے، تو ان کی اولاد کو ہم انہی کے ساتھ شامل کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریں گے۔ ہر انسان کی جان اپنی کمائی کے بدلے رہن رکھی ہوئی ہے۔''

آیت سے واضح ہوا کہ نیکوں کی اولاد اگر نیکی پر قائم رہے، تو حق تعالیٰ شانہ ایسی اولاد کو باوجود اعمال کی کمی کے اپنے فضل و کرم کے ساتھ اپنے آباء و اجداد کے ساتھ لاحق فرما دیں گے اور بزرگوں کے درجات بھی کم نہیں کریں گے، گویا نیکوں کی اولاد پر نیکی کا اثر ہوتا ہے اور اس کی نیکی کی وجہ سے ان کا حشر اپنے بزرگوں کے ساتھ ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ بھی اسی طرح ہے، بعض معاصی و گناہ ایسے ہیں کہ ان کا اثر والدین پر ایسا پڑتا ہے، جس سے پوری نسل ہی خراب ہو جاتی ہے، نتیجتاً دونوں نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ذیل میں چند ایسے گناہ ذکر کیے جا رہے ہیں جو

نسلوں کو تباہ کر رہے ہیں:

۱)۔ توہین انبیاء علیہم السلام:

توہین انبیاء علیہم السلام ایسا خطرناک جرم ہے، جس سے نسل کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، احادیث نبویہ میں اس کا اشارہ موجود ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی وغیرہ میں مذکور ہے:

"سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یمن سے سونے کا ایک ٹکڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا، آپ نے یہ سونا صرف چار افراد میں تقسیم فرمادیا:

۱)۔ اقرع بن حابس

۲)۔ عیینہ بن بدر الفزاری

۳)۔ زید الطائی

۴)۔ علقمہ بن علاقہ العامری

اس پر قریش وانصار کو ناگواری ہوئی، وہ گویا ہوئے کہ آپ نجد کے سرداروں کو نواز رہے ہیں اور ہمیں نظر انداز فرمارہے ہیں (یہ ناراضگی فطری تھی) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ان (نومسلموں) کی تالیف قلب کر رہا ہوں (قریش وانصار مطمئن ہوگئے) بعد ازیں ایک ایسا شخص آیا جو گہری آنکھیں، موٹے رخسار، ابھری ہوئی پیشانی، گھنی داڑھی اور سر سے گنجا تھا، اس نے کہا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خوفِ خدا کیجیے! آپ نے ارشاد فرمایا: اگر میں خدا کی نافرمانی کرتا ہوں تو فرمانبرداری کون کرے گا؟ اللہ تعالیٰ تو اہل زمین کے لیے مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے، ایک شخص نے اس (گستاخ) کے قتل کی اجازت طلب کی، شاید وہ خالد بن ولید ؓ تھے (ایک روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت نہ فرمائی، جس میں یہ شخص جانے لگا، تو آپ صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی نسل سے کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو (بظاہر) قرآن کریم پڑھتے ہوں گے، لیکن قرآن کریم ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے ایسے باہر ہو جائیں گے جیسے تیر کمان سے باہر ہو جاتا ہے، یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے، بت پرستوں سے تعرض نہیں کریں گے، اگر میں نے انہیں پالیا تو قوم عاد کی طرح انہیں قتل کر دوں گا۔"

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء: ۳۳۴۴)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بے ادبی کے مرتکب اس شخص کا نام ذوالخویصرہ حرقوص بن زہیر تھا، جس کا تعلق بنو تمیم سے تھا، جو غالباً منافق تھا، اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بداعتمادی کے ساتھ بے ادبی بھی کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر حلم وحوصلہ کا مظاہرہ فرمایا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے قتل کی اجازت مرحمت نہیں فرمائی، کیونکہ بظاہر یہ نماز بھی پڑھتا تھا۔ منافقین کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طرز یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں قتل نہیں فرماتے تھے، ورنہ لوگ یہ الزام دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، اس برے تاثر سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عبداللہ بن ابی جیسے رئیس المنافقین کو بھی کبھی قتل کرنے کی اجازت نہیں دی، لیکن جب یہ شخص جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے اس عمل بد کی نحوست بھی بیان فرمائی، کہ اس کے گناہ کی نحوست سے اس کی نسل بھی بے دین ہوگی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی، سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس شخص کی نسل سے خارجی پیدا ہوئے، جو بظاہر قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے، عبادت گزار بھی تھے اور شب بیدار بھی، لیکن صحابۂ کرام بشمول حضرت علیؓ کو کافر کہتے تھے، ان کے متعلق سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کا یہ موقف تھا کہ یہ جادۂ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں، حضرت علیؓ نے ان کے خلاف جہاد بھی فرمایا۔

قارئین! اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک شخص کے گناہ کی نحوست سے اس کی نسل تباہ ہوگئی۔

۲)۔ توہینِ علماء کرام:

اہل علم نے انبیاء علیہم السلام کی توہین کے ساتھ وارثان انبیاء یعنی علماء ومشائخ کی بے ادبی کو بھی خطرناک قرار دیا ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی سے آدمی خارج از ایمان اور کافر ہو جاتا ہے، جبکہ علماء ومشائخ کی توہین سے کفر تو لازم نہیں آتا، البتہ ایمان کا نور اور دین کا علم ضرور سلب ہو جاتا ہے، سلف صالحین کا تجربہ ہے کہ علماء کرام کے گستاخ کی نسل سے اللہ تعالیٰ علم دین دور رکھتے ہیں، اگر گستاخ خود بھی صاحب علم ہو تو نور علم سلب ہو جاتا ہے، جب کہ اہل علم کے ادب اور احترام کی برکت سے اللہ تعالیٰ باادب کی نسل سے کوئی نہ کوئی عالم پیدا فرما دیتے ہیں۔

مقامِ افسوس یہ ہے کہ معاشرے سے تحمل اور اختلاف رائے برداشت کرنے کا عنصر ختم ہو گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام سے سیاسی اختلاف کی بنیاد پر علماء کرام کی توہین اور ان پر الزام تراشی تک کو روا رکھا جاتا ہے، جس سے زبردست نقصان کا اندیشہ ہے۔ تحریک آزادیٔ ہند میں قیام پاکستان سے متعلق، مسلمانوں اور علماء کرام کی دو آراء تھیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ علماء کے اس طبقے میں سے تھے، جو تقسیم ہند کے خلاف تھا، جبکہ ہمارے بہت سارے اکابرین تقسیم ہند کے پرجوش حامی تھے، حضرت مدنیؒ کی اس موقع پر بعض جذباتی نوجوانوں نے توہین کی اور ان کے سامنے برہنہ ہو گئے، داڑھی پر شراب پھینکی، دشنام طرازی کی، عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کے بعد ان لوگوں کو گلیوں میں بھیک مانگتے اور ذلیل ہوتے دیکھا۔ ہمارے بزرگ خواجہ عبدالرحمن مرحوم بھی ان عینی شاہدین میں شامل تھے، جنہوں نے احقر کو بتایا تھا کہ بعض کو تو یہ اعتراف بھی تھا کہ انہیں حضرت مدنیؒ کی گستاخی کی سزا مل رہی ہے۔

قطب الارشاد، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مستجاب الدعوات اور صاحب کشف بزرگوں میں سے تھے، ان کا ملفوظ ہے کہ علماء کرام کے گستاخ کا چہرہ قبر میں قبلہ رو نہیں رہتا، اس لیے اس نسل کو تباہ کر دینے والے جرم سے باز رہنا چاہیے۔

۳)۔ اہل حق کی عداوت:

نسل کش گناہوں میں سے ایک گناہ اہل حق کی مخالفت وعداوت بھی ہے، کچھ نہ کر سکنے کے باوجود اہل حق سے بغض وعناد رکھنا، نہ صرف خود کو تباہ کر دیتا ہے، بلکہ نسلیں بھی برباد کر دیتا ہے، صحیح بخاری میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے پر ایک جانور کے آپ کے لیے دہکائی گئی آگ میں پھونک مارنے کا ذکر ہے، تاکہ آگ زیادہ بھڑکے، اس پر اس جانور کی نسل کو قیامت تک مارڈالنے کا حکم ہے۔

> ''ام شریکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سام ابرص (بڑی چھپکلی) کے قتل کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر پھونک مارتا تھا۔''
>
> (صحیح بخاری کتاب الانبیاء:۳۳۵۵)

حدیث کی شرح میں امام قسطلانیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابرہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، تو تمام جانور آگ بجھانے اور سام ابرص آگ بھڑکانے کی کوشش میں تھا، گویا اس جانور کی گھٹی میں صالحین ومقام صالحین کی دشمنی سموئی ہوئی ہے، ایک روایت میں ہے کہ، جب بیت المقدس کو آگ لگائی گئی تو یہ جانور آگ میں پھونک مار کر آگ بھڑکانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، اس لیے اس جانور کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ارشاد ہے کہ جس نے پہلی ضرب میں اس جانور کو قتل کیا اسے سونیکیاں ملیں گی، جس نے دوسری ضرب میں مارا اسے اس سے کم اور جس نے تیسری ضرب میں اسے قتل کیا، اسے اس سے کم حسنات نصیب ہوں گی۔

معلوم ہوا کہ یہ جانور اہل اللہ اور مساجد سے نفرت کی وجہ سے لائق قتل قرار دیا گیا۔ اسی نفرت کے اظہار، سیدنا ابرہیم علیہ السلام اور بیت المقدس کو جلانے کی کوشش میں مصروف چند جانوروں کی وجہ سے ان کی پوری نسل خراب ہوگئی، جس کی بنیاد پر انہیں مارڈالنے کا حکم دیا گیا اور مار دینے پر نیکیاں مرحمت فرمائی گئیں، بعض روایات میں تو یہاں تک فرمایا گیا کہ یہ جانور کعبہ میں داخل ہو جائے، تب بھی اسے قتل کر دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل اللہ اور مقدس مقامات یا دین کی ادنی سی مخالفت بھی تباہ کن ہے، جو نسلوں کو خراب کر دیتی ہے، ہر چند کہ اس جانور کی یہ کوشش بے کار و بے سود ہی تھی، جس کا بظاہر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور نہ ہی بیت المقدس کی آگ میں اس کے پھونک مارنے سے چنداں اشتعال ہوا ہوگا، لیکن یہ ادنی کاوش بھی اس کی نسلوں کی تباہی کا ذریعہ بن گئی، اعاذنا اللہ من ذالک۔

والدین کی اولاد کے حق میں دعائیں اور ان کی حسنات اولاد کی مادی و روحانی ترقی اور رزق میں وسعت کا باعث ہوتی ہیں، قرآن کریم نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی ہے:

رَّبَّنَا إِنِّيٓ أَسۡكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيۡرِ ذِي زَرۡعٍ عِندَ بَيۡتِكَ ٱلۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجۡعَلۡ أَفۡـِٔدَةً مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهۡوِيٓ إِلَيۡهِمۡ وَٱرۡزُقۡهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُونَ○

(الابراھیم:۳۷)

”اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے حرمت والے گھر کے پاس، ایک ایسی وادی میں لا بسایا ہے، جس میں کوئی کھیتی نہیں، ہمارے پروردگار! (یہ میں نے اس لیے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں، لہٰذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے کشش پیدا کر دیجیے، اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرمایئے، تاکہ وہ شکر گزار بنیں۔“

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت و اولاد (جو مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئی) کی محبوبیت اور لوگوں کے ان کی جانب رجحان، نیز وسعت رزق کی دعا فرمائی، جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قبول فرمایا۔ ذریت ابراہیم علیہ السلام کو مکہ جیسے بے آب و گیاہ غیر زرعی خطہ میں ہمہ قسم کے پھل نصیب فرمائے، چنانچہ اس دعا کی قبولیت کا ذکر سورۂ قصص کی آیت نمبر ستاون میں یوں مذکور ہے:

أَوَلَمۡ نُمَكِّن لَّهُمۡ حَرَمًا ءَامِنٗا يُجۡبَىٰٓ إِلَيۡهِ ثَمَرَٰتُ كُلِّ شَيۡءٖ رِّزۡقٗا مِّن

لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (القصص:۵۷)

''بھلا کیا ہم نے ان کو اس حرم میں جگہ نہیں دے رکھی، جو اتنا پرامن ہے کہ ہر قسم کے پھل اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں، جو خاص ہماری طرف سے دیا ہوا رزق ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

''بعض مفسرین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت ابراہیم علیہ السلام کو پھلوں سے رزق دینے کے لیے فلسطین کی سرزمین سے طائف کو مکہ کے قریب منتقل فرمادیا۔''

(تفسیر قرطبی)

والدین کے حسن اعمال کے سبب اولادوں کے رزق میں وسعت کے بے شمار واقعات قرآن وسنت میں مذکور ہیں۔ امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد میں باب ''برکة الغازی فی ماله حیا ومیتا'' کے تحت سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کا تفصیلی واقعہ روایت فرمایا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہادت سے قبل وصیت فرمائی، کہ مجھے سب سے زیادہ فکر اپنے قرض کی ہے اور میرے خیال میں میرا اثر کہ میرے قرض سے شاید بچ جائے، لہٰذا میرا مال فروخت کر کے قرض ادا کرنا، باقی مال سے ایک تہائی کے متعلق وصیت فرمائی، اس ایک تہائی کا ثلث حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو دینے کی وصیت فرمائی، پھر قرض سے متعلق ہدایت فرمائی کہ اگر ادائیگی قرض میں دشواری ہو تو میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا، ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ادائیگی قرض کے سلسلہ میں دشواری پیش آئی، تو وہ یوں دعا مانگتے:

يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ اقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ

''اے زبیر کے مولیٰ ان کے قرض کی ادائیگی کروادیجیے۔''

حضرت زبیرؓ کے ترکے میں نقد رقوم بالکل نہ تھیں، بلکہ مکان، زمین اور جائیدادیں

ان کا ترکہ تھا۔ اس ترکہ میں ''غابہ'' کی زمین، مدینہ منورہ میں گیارہ گھر، بصرہ میں دو گھر، کوفہ میں ایک گھر کے علاوہ مصر میں بھی ایک گھر تھا۔ حضرت زبیرؓ کی شہادت کے بعد جب قرض کا حساب لگایا گیا تو 22 لاکھ نکلا، حضرت حکیم بن حزامؓ کے قرض کے متعلق سوال کے جواب میں حضرت عبداللہ نے صرف ایک لاکھ قرض ظاہر کیا، اس پر وہ کہنے لگے مجھے نہیں لگتا کہ اس ترکہ سے اتنا سارا قرض ادا ہو، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا: اگر قرض 22 لاکھ ہو تو پھر؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے نہیں لگتا کہ آپ والد کا قرض ادا کر سکیں گے، میری مدد کی ضرورت ہو تو ضرور بتایئے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد کے قرض کی ادائیگی شروع کی، غابہ کی وہ زمین جو ان کے والد نے ایک لاکھ ستر ہزار کی خریدی تھی، اسے سولہ لاکھ میں فروخت کیا، پھر اعلان کیا جس نے ہمارے والد سے قرض لینا ہو غابہ میں آکر لے جائے، یہ سن کر عبداللہ بن جعفرؓ آئے اور بتایا میرا چار لاکھ قرض ہے، اگر آپ چاہیں تو میں معاف کر دوں، حضرت عبداللہؓ نے انکار فرمادیا، انہوں نے مہلت دینے کی پیشکش کی تو اسے بھی مسترد کر دیا گیا، چنانچہ ان کی ادائیگی بصورت زمین کر دی گئی۔

حضرت عبداللہؓ نے غابہ کی پوری جائیداد فروخت کر کے مکمل قرض ادا کر دیا، اور زمین کے ساڑھے چار حصے بچ بھی گئے اور ان ساڑھے چار حصوں میں سے ڈیڑھ حصہ حضرت معاویہؓ نے ڈیڑھ لاکھ اور حضرت منذرؓ، عمرو ابن عثمانؓ، عبداللہ ابن زمعہ نے ایک ایک لاکھ کا ایک ایک حصہ خرید لیا، یوں قرض کی ادائیگی سے فراغت ہوئی تو چار سال تک انتظار کیا گیا، کہ کوئی قرض خواہ نہ آجائے اور ادائیگی قرض کے لیے ہر سال حج پر اعلان بھی کیا جاتا رہا، اگر کسی نے حضرت زبیرؓ سے قرض لینا ہو تو آکر لے جائے، چار سال بعد باقی رقم ورثا میں تقسیم ہوئی، تو اس قدر برکت ظاہر ہوئی کہ کل ترکہ 52 لاکھ روپے تک جا پہنچا، اور چار بیویوں میں سے ہر بیوی کو بارہ لاکھ روپے حصہ ملا، اللہ تعالیٰ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طاعات کی برکت سے ورثاء کو بھی مالا مال کر دیا۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' جمادی الثانی ۱۴۴۱ھ/فروری 2020ء)

تربیت اولاد کیوں اور کیسے؟

اولاد حق تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ نسل انسانی، حسب ونسب کی بقااور انسانی ومعاشرتی عمارت کی تعمیر کا ذریعہ ہے۔ اولاد ہر انسان کی دینی ودنیاوی وارث اور دنیاوآخرت کا سہارا ہوتی ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی نظر دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر ہوتی ہے۔ وہ اس دارِ فانی سے کنارہ کش ہوتے ہیں۔ انہیں دنیا سے بس ضرورت کا تعلق رکھنا ہوتا ہے۔ اس کے باجود انہیں بھی اولاد کی تمنا وآرزو رہی۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام جیسے اولوالعزم انبیاء کی طلب اولاد کے سلسلہ میں دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان ادعیہ قرآنیہ میں بیٹے کی طلب کے ساتھ حکمت بھی مذکور ہے کہ بیٹا اپنے باپ اور بزرگوں کا علمی وعملی وارث ہوگا۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کی دنیوی وراثت نہیں ہوا کرتی بلکہ ان کی وراثت صرف علم وعمل کی ہی وراثت ہے۔

اولاد ہر انسان کا سہارا اور دکھوں کا مداوا ہوتی ہے۔ اپنے والدین کے ناتمام امور اور خواہشات کو عملی جامہ پہناتی ہے۔ گویا ماں باپ اور خاندان کی عزت وتکریم بھی اولاد سے وابستہ ہوتی ہے۔ فطری طور پر حق تعالیٰ نے والدین کے قلوب میں اولاد کی اور اولاد کے دلوں میں والدین کی محبت موجزن کی ہوتی ہے۔ اس لیے فریقین ایک دوسرے کے لیے باعث نفع اور باعث سہارا ہوتے ہیں۔ اولاد جتنی صالح، باصلاحیت، محنتی، باسلیقہ اور باادب ہوا تنی ہی والدین، خاندان اور برادری کے لیے باعث عزوشرف ہوتی ہے۔ نیز اولاد جس قدر بدکار، نکمی، کام چور، بے سلیقہ اور بے ادب ہوا تنی ہی والدین، خاندان اور معاشرے کے لیے باعث ننگ وعار ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ بعض بیٹے اور بیٹیاں ماں باپ کا نام روشن کرتے ہیں جبکہ کچھ اولادیں والدین کو بدنام اور رسوا کرتی ہیں۔

اولاد کی لیاقت اور صلاحیت میں جہاں دیگر عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہاں والدین کی

تربیت کا عنصر بھی نہایت اہم ہوتا ہے۔ ہر بچہ اپنے ماں باپ سے نہ صرف رنگ پکڑتا ہے بلکہ دین، دنیا، علم، عمل، ادب، تقویٰ، خدا ترسی، سخاوت، شجاعت، دیانت، امانت الغرض سبھی کچھ اپنے والدین سے ہی سیکھتا ہے۔ بچے کے لیے پہلی درسگاہ ماں کی گود اور باپ کا کندھا ہوتا ہے۔ وہ لاشعوری طور پر اپنے ماں باپ کی خصلتوں کو اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو خوب واضح فرمایا ہے۔

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ

(صحیح بخاری:۱۳۸۵)

"ہر بچہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں، نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"

مذکورہ بالا حدیث میں تو اولاد کی بداعتقادی اور گمراہی کا ذمہ دار بھی والدین کو ٹھرایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روز محشر والدین سے اولاد کی بابت بھی یہ سوال ہوگا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

(صحیح البخاری:۸۹۳)

"تم میں سے ہر شخص محافظ اور ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے اسی کی رعیت (جو کوئی اور جو چیز اس کی ذمہ داری میں ہے) کے متعلق پوچھا جائے گا۔"

مذکورہ بالا حدیث میں اس حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے کہ روز محشر اولاد سے متعلق ازواج واولاد اور ماتحتوں سے متعلق سوال ہوگا۔ قرآن کریم نے اس حکم کو مزید واضح فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ....الخ (تحریم:۶)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

حضرات انبیاء علیہم السلام، صالحین امت نے ہمیشہ اس فریضہ کی تلقین بھی کی اور اس

پر عمل بھی کیا۔ قرآن کریم میں متعدد انبیاء علیہم السلام سے ازواج واولاد کی اصلاح وتربیت کے حوالے سے واقعات اور فرامین مذکور ہیں۔ تربیت اولاد ولادت اولاد سے لے کر انسان کی وفات تک جاری رہتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بوقت وفات اپنے صاحبزادوں کو جمع کر کے اپنی ذریت کی اعتقادی تربیت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (البقرہ:۱۳۳)

''کیا اس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ ان سب نے کہا تھا کہ ہم اسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اسی کے فرمانبردار ہیں۔''

مشاہدہ وتجربہ یہی ہے جو والدین اپنی اولاد کے سلسلہ میں ہوشیار، ذمہ دار ہوتے ہیں ان کی اولاد لائق اور مہذب ومؤدب ہوتی ہے۔ جو والدین خود غیر تربیت یافتہ، غافل اور غیر ذمہ دار ہوتے ہیں ان کی اولاد جاہل اور غیر متمدن وآوارہ ہو جاتی ہے۔ دور حاضر کا ایک بہت بڑا مسئلہ نسل نو کی تربیت ہے۔ ملک میں ایک بڑا طبقہ اس فریضہ سے غافل ہے۔ اسی کے نتیجے میں آوارگی، معاشرتی جرائم، بداعتقادی، بدعملی، بے روزگاری اور بے راہ روی پھیل رہی ہے۔ آئے روز دینی اور معاشرتی انحطاط ہوتا جارہا ہے۔ شرفاء اور معززین کی اولادیں معاشرے پر بدنما داغ بنتی جارہی ہیں۔ کالجز اور یونیورسٹیز کے بعض طلبہ وطالبات شرمناک کھیل کھیلتے نظر آتے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک معتدبہ حصہ خوف خدا سے عاری ہو کر ظلم وستم، ناانصافی، بدعنوانی، رشوت ستانی اور خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ملک میں امن نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ انصاف وعدل بھی خواب بن کر رہ گیا ہے۔ انسانیت انس سے اور مسلمان سلامتی سے عاری ہوتا جارہا ہے۔ اس لیے اس فریضہ کی جانب ہر خاص وعام کا متوجہ

ہونا ضروری ہے۔

اسلام نے تربیت اولاد کا سلسلہ ہونے والے والدین سے اولاد کی ولادت سے قبل ہی شروع کرنے کا حکم دیا۔ اس سلسلے میں ہدایت دی گئی کہ ولادت اولاد سے پہلے ہی حق تعالیٰ سے نیک اولاد کی دعا کی جائے۔ قرآن کریم نے نیک اولاد کی طلب کی متعدد دعائیں ذکر کی ہیں۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ○ (الصافات:۱۰۰)

"میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دے دے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

......رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ○

(آل عمران:۳۸)

"یارب! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بیشک تو دعا سننے والا ہے۔"

ایک جگہ اس دعا کی تلقین کی گئی:

......رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ○ (فرقان:۷۴)

"ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنادے۔"

بچے کی ولادت کے بعد بچے کو حق تعالیٰ کی جانب سے عظیم عطیہ اور تحفہ جاننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ قرار دے کر اس نعمت کی قدردانی کی ترغیب دی گئی۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

...يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ○ (شوریٰ:۴۹)

"وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔"

ماضی وحال میں بعض ناسمجھ لوگ بیٹے کی ولادت پر خوشی ومسرت کا اظہار کرتے اور

بیٹی کی ولادت پر اظہار غم وافسوس کرتے۔ قرآن وسنت نے بیٹے و بیٹی کی اس تفریق کی بھی نفی کی بلکہ بیٹی کی ولادت پر کف افسوس ملنے والوں کی ان الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ○ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○ (النحل:۵۸،۵۹)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی (پیدائش) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، (اور یہ سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے، یا اسے زمین میں گاڑھ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیٹیوں کے سلسلے میں خصوصی طور پر احکامات وفضائل ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیٹیوں کو والدین کے جنت میں داخلے کا سبب وذریعہ ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وُلِدَتْ لَهُ ابْنَةٌ فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا يَعْنِي الذَّكَرَ أَدْخَلَهُ اللهُ بِهَا الْجَنَّةَ.

(مسند احمد:۳/۲۲۶)

''جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا پہنچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے۔ اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے۔ تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسن سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔''

''اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو بیٹیوں کی تربیت و پرورش کرنے

والے شخص کو روزِ محشر اپنا ساتھی و ہم نشین قرار دیا ہے۔"

(مسلم)

بعد از ولادت والدین کے فرائض میں سے ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیں۔ نومولود کے کان میں اذان و اقامت کہنے کی حکمت اہل علم نے یہ بتائی ہے کہ اس مبارک عمل سے جہاں بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوگا وہاں اس کے کان میں جانے والی پہلی آواز اور اس کے قلب و دماغ تک پہنچنے والا پہلا پیغام حق تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا ہوگا۔ نیز اس عمل سے دنیا کی فنائیت اور بے ثباتی کا درس بھی نمایاں ہے۔ آج بچے کے کان میں اذان کہی جا رہی ہے کل بوقت موت اسے غسل دے کر جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔ گویا کہ اس کی کل زندگی اتنی ہی ہوگی جتنا کہ اذان و نماز کا درمیانی وقفہ۔

آتے ہوئے اذان ہوئی اور جاتے ہوئے نماز
اتنی سی دیر میں وہ آئے اور چلے گئے

ماں باپ کے فرائض میں سے ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد کسی نیک انسان سے تحنیک کروائیں، دعا کریں اور بچے کے لیے دعا کروائیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے، انہیں گھٹی دلواتے اور برکت کی دعا بھی کرواتے۔ بچہ جب سات یوم کا ہو اس کا نام رکھا جائے۔ نام مقرر کرنے میں یہ امر ملحوظ رہے کہ نام بامعنیٰ اور حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، صلحاء امت اور علما و اولیاء جیسا ہو۔ اس لیے کہ نام کا شخصیت پر بہرحال اثر ہوتا ہے۔ کفار، منافقین، فساق و فجار، بے دین و بری شہرت کے حامل خواتین و حضرات کے نام رکھنا ناپسندیدہ ہے۔ اس سلسلے میں "پرویز" نام کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ نام ایران کے بادشاہ کا تھا۔ جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا والا نامہ چاک کیا تھا۔ آپ کی توہین و گستاخی کا مرتکب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے خلاف بددعا فرمائی اور یہ بددعا کا مصداق بن کر ہلاک بھی ہوا۔ لہٰذا ایسے نام سے اجتناب کیا جائے۔

ساتویں روز ہی بچے کے سر کے بال منڈوا کر اتنی مقدار چاندی کا صدقہ بھی مستحب

امر ہے۔ اگر استطاعت ہو تو ساتویں روز نومولود کا عقیقہ بھی سنت ہے۔ بچی کی جانب سے ایک بکرا یا بکری جبکہ بچے کی جانب سے دو حصے مقرر کیے گئے ہیں۔ عقیقہ کی حکمت اظہار مسرت ہے۔ اس مسرت میں اقارب و متعلقین کی شرکت اور ایک لحاظ سے صدقہ وخیرات ہے جس سے مصائب و بلاؤں کا مداوا ہوتا ہے۔ بچے کے حقوق میں سے ہی اس کی پرورش، حضانت اور صحت کا خیال رکھا جائے۔ مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلائیں۔ وقت پر غذا و خوراک کھلائیں۔ والد اخراجات وضروریات کا انتظام کریں۔ ان کی صحت و آرام کا خوب خیال رکھیں۔ بچے جب بولنا شروع کریں تو اسے سب سے پہلے کلمہ طیبہ اور اذکار سکھلائیں۔ بچہ جب باشعور بن جائے تو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرات انبیاء کرامؑ، صحابہ و اہل بیتؓ کا تذکرہ و تعارف رکھیں۔ اسلاف کے واقعات سنائیں۔ قرآنی قصص، سیرۃ اور تاریخ کے تربیت آموز واقعات سے بچوں کے قلب و جگر پر ایمانی نقوش ثبت کیے جا سکتے ہیں۔

بچوں کو جائز و ناجائز، حلال و حرام، سچ، جھوٹ کا فرق عملی طور پر بتانا ضروری ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تھے۔ راستے میں گری پڑی کھجور اٹھا کر آپ نے منہ میں ڈال لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انگلی آپ کے منہ میں ڈال کر کھجور نکال دی۔ اور کخ کخ کہہ کر تلقین فرمائی کہ اس کھجور کو منہ سے باہر نکال پھینکو اور ساتھ ہی فرمایا: ''آلِ محمد صدقہ نہیں کھاتے۔''

جائز ناجائز، حلال و حرام وغیرہ کے سلسلے میں ترغیب و ترہیب کے انداز بھی اختیار کیے جائیں۔ جنت اور جنت کی آسائشوں، جہنم اور جہنم کی ہولناکیوں کا تذکرہ بھی بچوں کو راہ مستقیم پر لانے میں ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔

بچہ جب سن تعلیم کو پہنچے تو اس کی دینی و دنیوی تعلیم کا بندوبست بھی بہت ضروری ہے۔ کم از کم ناظرہ قرآن کریم اور ضروری دینی تعلیم نیز عصری ضروری تعلیم دلوانا بچے کا حق ہے۔ تعلیم کے لیے ایسے اساتذہ اور اداروں کا انتخاب بھی ضروری ہے جو دینی، اسلامی تہذیب وتمدن کے لحاظ سے لائق اعتماد ہوں۔ ملحد، زندیق، غیر مسلم اساتذہ یا ان کے ادارے بسا اوقات بچوں کو

اپنے ڈھنگ میں ڈھال کر ان سے دینی حمیت واقدار سلب کر لیتے ہیں۔ نظریہ وعقیدہ چھین لیتے ہیں۔ ان کا ماحول بچوں کو بے راہ روی پر ڈال دیتا ہے۔ ایسے ادارے یقیناً نسل نو کے لیے باعث نقصان ہیں۔

بچے جب سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کا کہنا اور عملاً اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا اور جب دس سال کے ہوں تو نماز کا اہتمام کروانا بھی والدین کا اہم فرض ہے۔ لڑکپن کی عمر والدین کے لیے نہایت ذمہ داری کی ہے۔ اسی عمر میں بچے بنتے یا ضائع ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے گردو پیش، ماحول، مصروفیات، حلقہ احباب، ان کے زیر مطالعہ لٹریچر، پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ خصوصاً نیٹ اور کمپیوٹر کے استعمال کی صورت میں فلٹریشن اور نگرانی کی اشد ضرورت ہے۔ بصورت دیگر کم عمر لڑکے بچپن میں ہی اپنا ایمانی وجسمانی سرمایہ کھو بیٹھتے ہیں۔ اپنے اخلاق وکردار اور تعلیم کی بربادی سے اپنا مستقبل تباہ کر دیتے ہیں۔ بچیوں کے سلسلے میں والدین کی یہ ذمہ داری اور زیادہ ہے۔ طالبات کا اکیلے آنا جانا، نامحرم ٹیوٹر سے خلوت میں پڑھنا، آزادنہ موبائل اور انٹرنیٹ کا استعمال گھر کو آگ لگانے کے مترادف ہے۔

والدین کے لیے اپنی اولاد کو ضرورت سے زیادہ پارسا سمجھنا نامناسب ہے۔ ایسے ہی بلاوجہ شکوک وشبہات اور تجسس بھی اولاد کی بگاڑ کا سبب ہوتا ہے۔ والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی اولاد سے بھرپور محبت کریں۔ انہیں محبت وانس سے بلائیں۔ اپنے ساتھ بٹھائیں۔ انہیں وقت دیں۔ ان کی کوتاہیوں کی صورت میں تنبیہ کے ساتھ درگزر بھی فرمائیں۔ بچوں کو وجہ بلاوجہ مارنا، پیٹنا، گالم گلوچ کرنا ان کے ساتھ بائیکاٹ اور ترک کلام کا معمول بنالینا درست نہیں۔ یہ بچوں کو بغاوت پر اکساتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کے ساتھ طرز ورویہ لائق اتباع ہے۔ ان کے بیٹوں نے اپنے والد کے ساتھ نہ صرف دھوکہ کیا۔ غلط بیانی سے کام لیا بلکہ ایذاء و تکلیف کے مرتکب بھی ہوئے۔ اس کے باجود آپ نے نہ تو بیٹوں کو گھر سے نکالا اور نہ ہی بائیکاٹ کیا بلکہ ہمیشہ اصلاح کی فکر فرمائی نتیجۃً اولاد کی اصلاح ہوگئی۔

والدین کا فریضہ ہے کہ وہ بچوں کو مناسب عمر میں رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ فتنہ کے اس دور میں بہت دیر سے شادیاں معاشرتی بگاڑ کا ایک بڑا سبب ہے۔ بچیوں کے سلسلے

میں بھی یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جب ان کے لیے مناسب رشتہ کا انتظام ہو جائے اور عمر بھی مناسب ہو تو شادی کر دینی چاہیے۔

والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد میں ہمہ قسم مساوات وانصاف سے کام لیں۔ اپنی اولاد میں سے کچھ کو نواز دینا اور کچھ کو محروم کر دینا حدیث میں اسے ظلم قرار دیا گیا ہے۔ یقیناً یہ طرز بھی اولاد کی بگاڑ اور بغاوت کا سبب بنتا ہے۔ آخر میں والدین کو اس امر کی جانب متوجہ کرنا بھی ضروری ہے کہ جدید ٹیکنالوجی موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ وغیرہ یقیناً اس دور کی ضرورت میں سے ہیں۔ اس لیے موبائل وغیرہ بچوں اور بچیوں کو دیتے ہوئے ان کی عمر، ان کے اخلاق وکردار کو ضرور ملحوظ خاطر رکھیں۔ خاص طور پر کم عمر بچیاں اور غیر شادی شدہ خواتین میں موبائل کا استعمال یقیناً باعث فتنہ ہے۔ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اولاد کو نیک وصالح فرمائیں۔ آمین!

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ستمبر 2014ء)

عدم برداشت اور تشدد کا
بڑھتا ہوا خطرناک رجحان

بلاشبہ یہ کائنات متنوع اور متلون ہے، دنیا کی ہر چیز دوسری شئے سے نہ صرف ظاہری طور پر مختلف ہے، بلکہ ان کے خواص بھی باہم مختلف ہیں، ایک نوع کی اشیاء میں بھی بعض اوقات رنگ، جسامت، تاثیر اور خواص کا اختلاف ہوتا ہے، یہ اختلاف بھی کائنات کا حسن ہے، مختلف رنگوں اور خوشبوؤں کے پھولوں سے ہی بے رونق زمین چمنستان میں تبدیل ہوتی ہے۔ اگر سب ایک ہی رنگ کے پھول ہوں، تو نہ ان میں کشش پیدا ہوگی اور نہ ہی حسن۔ مختلف رنگوں کے پھولوں سے ہی گلدستہ تیار ہوتا ہے۔ زمین، پانی، درخت، پھل، پھول، دریا، پہاڑ، خطے، علاقے، ممالک سبھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور قدرت نے اسی سے ان کو ممتاز و حسین بنایا ہے۔ انسانی معاشرہ میں بھی ترجیحات، آراء، خیالات، افکار ونظریات، طبائع، مزاج، رنگ ونسل سبھی مختلف ہیں، اسی اختلاف سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے، ایک چیز کو دوسری چیز سے پرکھا، تولا اور ناپا جاتا ہے اور یہی معاشرے کا حسن ہے۔ ایک خاندان کے متعدد افراد میں سے ہر فرد کی شکل، صورت، مزاج، پسند وناپسند، مشاغل، ذرائع معاش وغیرہ جدا ہوتے ہیں، لیکن یہ اختلاف نزاع اور فساد کے لیے نہیں، بلکہ اصلاح اور سکون کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہان کو ہے زیب اختلاف سے

یہ اختلاف ابتداء آفرینش سے ہے اور انتہاء تک رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو شر وفساد کا نہیں بلکہ حسن کا ذریعہ بنایا ہے۔ بد قسمتی سے ملک عزیز پاکستان میں پائے جانے

والے علاقائی، لسانی، مذہبی، مسلکی، سیاسی، قبائلی اور ثقافتی اختلاف کو نزاع و فساد، اور تشدد کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے، یہ اختلافات تو صدیوں سے چلے آرہے ہیں، لیکن جو تشدد اور سفاکیت کچھ عرصہ سے محسوس ہو رہی ہے، اس سے قبل کبھی نہیں محسوس کی گئی۔

معاشرہ میں عدم تحمل اور تشدد اس قدر بڑھ گیا ہے کہ فرد سے لے کر قوم تک، عام آدمی سے لیکر اداروں تک، سبھی اس کا شکار نظر آتے ہیں۔ آئے روز ادنی سی پریشانی پر خود کشی، والدین کے ہاتھوں اولاد اور اولاد کے ہاتھوں والدین، شوہروں کے ہاتھوں بیویوں اور بیویوں کے ہاتھوں شوہروں اور دوست کے ہاتھوں دوست کے قتل کی لرزہ خیز داستانیں سننے اور پڑھنے کو ملتی ہیں۔ گلی محلوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑے معمول بن گئے ہیں، یہ جھگڑے دشمنیوں کی شکل اختیار کر کے اگلی نسلوں کو وراثت میں چلے جاتے ہیں، چند روپوں کے خاطر قیمتی جانوں کا ضیاع معمول بن کر رہ گیا ہے، بااختیار و بااقتدار لوگ ذاتی عناد کی خاطر لوگوں کے ساتھ ظلم و ستم کرتے، ان کی جان و مال تلف کرتے نظر آتے ہیں۔ ہمارے شہر شجاع آباد میں پانچ قتل صرف ایک سائیکل اور جیب میں موجود چند روپے چھیننے کی خاطر کیے گئے، تفتیش میں معلوم ہوا کہ غصب شدہ سائیکل قاتل نے صرف پانچ سو روپے میں فروخت کی۔

یہ نزاع تو عام افراد اور غیر تعلیم یافتہ افراد کے ہیں۔ قوم نے پڑھے لکھے، ڈگری ہولڈر، مہذب و متمدن طبقات کے احوال بھی دیکھے اور سنے ہیں۔ گذشتہ دو دہائیوں میں فرقہ اور مسلک کے نام پر ہولناک قتل و غارتگری سینکڑوں قیمتی جانیں نگل چکی ہے۔ اس جنگ میں ہر مکتب فکر کی مقتدر شخصیات، حتی کہ غیر جانب دار بزرگ بے دردی سے قتل کر دیے گئے، فرقہ واریت کی اسی آگ نے مساجد، مدارس، خانقاہوں، مجالس، جلوس، اجتماعات تک کو آگ و خون میں بدل دیا۔ حالانکہ مسلکی اختلاف تو برسہا برس سے ہیں، لیکن تشدد کا عنصر ماضی قریب میں ہی ظاہر ہوا، اس تشدد کی وجہ سے بلاشبہ مذہب اور اہل علم مطعون کیے گئے اور اس تشدد کا ذمہ دار دینی مدارس کو قرار دے کر مدارس کے خلاف طرح طرح کی کارروائیوں کا آغاز ہوا، جو تاہنوز زور و شور سے جاری و ساری ہے۔

ہم نے ہمیشہ تشدد کی مذمت کرتے ہوئے اس تشدد سے دینی مدارس اور ان کے نصاب تعلیم کو مبرا قرار دیا، اور ہمیشہ متوجہ کیا کہ اس دہشت گری کے اسباب دیگر ہیں، جن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے مؤقف کو حالات نے درست ثابت کیا۔ مسلک کے نام پر لڑائی اور تشدد بحمد للہ! ختم ہوا۔ اب تشدد کا رخ سیاست، عام معاشرہ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی جانب نظر آرہا ہے۔ مسلکی فرقہ واریت سے کہیں زیادہ اب سیاسی فرقہ واریت کا ناسور ہر گھر کے باسیوں کو باہم دست وگریبان کیے ہوئے ہے۔ ایک عرصہ سے سیاسی اختلاف کی وجہ سے ایک طبقہ اپنے علاوہ تمام سیاست دانوں کو چور، ڈاکو، کرپٹ، ملک کا غدار قرار دیتا نہیں تھکتا۔ اسی تناظر میں دھرنے، قومی اداروں پر حملے، پارلیمنٹ کے تقدس، انسانی احترام کی پامالی تک کو روا رکھا گیا ہے، دوسری جانب سے الزام دہندہ پر جواب آں غزل کے طور پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں۔ حکمران طبقہ یقیناً، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اسی عدم تحمل کے نتیجہ میں پوری اپوزیشن کو چور بنا کر احتساب کے نام پر انتقام کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے، انتقام کی آگ میں یہ لوگ آخری حد تک چلے گئے ہیں۔ عدم تحمل ہی کا نتیجہ ہے، ملک کے سابق وزیر اعظم پر جوتے سے حملہ کیا گیا اور موجودہ وزیر اعظم کے متعلق قطر میں بچوں کے پیمپر سے حملہ کی غیر مصدقہ اطلاعات ہیں۔

چند روز قبل لاہور میں دو اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں، ڈاکٹرز اور وکلاء کی سر بازار لڑائی اور ہسپتال پر حملے نے پوری قوم کا سر شرم سے جھکا دیا۔ اس لڑائی میں نہ صرف ہسپتال میں توڑ پھوڑ کر کے قیمتی سامان، عمارت اور مشینوں کو نقصان پہنچایا گیا، بلکہ وکلاء کی جانب سے ڈاکٹرز کی گاڑیوں اور پولیس وین کو توڑ پھوڑ کا نشانہ بنایا گیا، بعض گاڑیاں نذر آتش کر دی گئیں، مریضوں کے آکسیجن ماسک تک اتارے گئے، متعدد مریض اس ہنگامہ میں جاں بحق ہو گئے۔ ایک حکومتی وزیر بھی اس حملے کا شکار ہوئے، سوشل میڈیا پر وائرل ویڈیو میں ان کے سر کے بال ایسے کھینچے جا رہے ہیں، جیسے ناسمجھ بچے لڑائی میں ایک دوسرے کے بال کھینچتے ہیں اور یہ سب کام پڑھے لکھے وکلاء ہی کر رہے تھے۔ اس لڑائی کا سبب بتایا جاتا ہے کہ وکلاء کی جانب سے مفت دوائی کے مطالبہ پر لڑائی کا آغاز ہوا، جسے صلح کے ذریعے ختم کیا گیا، لیکن ایک

ڈاکٹر کی غیر اخلاقی ویڈیو وائرل ہونے سے وکلاء باقاعدہ منصوبہ بند ہوکر ہسپتال پر حملہ آور ہوئے، اس لڑائی پر وکلاء حضرات نے بجائے ندامت وافسوس کے ملک بھر میں احتجاجاً عدالتوں کا بائیکاٹ کردیا۔

اگلے ہی روز ایک اور دردناک سانحہ رونما ہوا، اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد میں، جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کا سالانہ تین روزہ ایکسپو انعقاد پذیر تھا کہ اس پر سرائیکی تنظیموں کے کارکنوں نے حملہ کردیا، جس کے نتیجہ میں محمد طفیل نامی ایک طالب علم شہید ہوگیا، نتیجتاً کشیدگی کی وجہ سے یونیورسٹی کا تعلیمی نظام نہ صرف متاثر ہوا، بلکہ جام ہوکر رہ گیا۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ وفاقی وزیر ریلوے جیسے ہی ایک اسٹیشن پر ٹرین سے باہر آئے، ان پر انڈوں سے حملہ کردیا گیا۔

مؤرخہ ۱۷ دسمبر ۲۰۱۹ء خصوصی عدالت نے سابق صدر اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل (ر) پرویز مشرف کے خلاف آئین شکنی کے مقدمے کا فیصلہ دیتے ہوئے انہیں سزائے موت کی سزا سنائی، جس کے ردعمل میں موجودہ حکومت کے نمائندگان اور پرویز مشرف کے حامیوں نے اس فیصلہ کے خلاف بھرپور مہم شروع کردی۔ ملک کا ایک اعلیٰ ادارہ بھی مشرف کے دفاع میں کود پڑا، کھلے بندوں نہ صرف عدالت کا وقار مجروح کیا جارہا ہے، بلکہ معزز ججوں اور عدالت کو سب وشتم کیا جارہا ہے، حالانکہ فیصلے پر اعتراض کی صورت میں اعلیٰ عدالت میں اپنا موقف پیش کرنے اور اپیل کا قانونی فورم موجود ہے۔ اس صورت حال میں عدلیہ اور ایک معزز طاقتور ادارہ کے ایک دوسرے کے بالمقابل آنے کا تاثر ابھر رہا ہے۔ دوسری جانب ایک جج صاحب کی رائے جو فیصلے کا جزو تو نہیں، لیکن ان کے جذبات ضرور ہیں، کو فیصلہ میں نقل کردیا گیا ہے کہ اگر ملزم پھانسی سے قبل فوت ہوجائے، اس کی لاش گھسیٹ کر ڈی چوک پر لٹکادی جائے، بلاشبہ ایک غیر ضروری چیز ہے، تاہم عدالت کا وقار اپنی جگہ قائم ہے۔

عدم تحمل وعدم برداشت کا مظاہرہ آئے روز ملک کے قانون ساز اداروں، قومی اسمبلی، سینٹ، صوبائی اسمبلیوں میں ہوتا رہتا ہے، کوئی بھی فریق تنقید سننے تک کو گوارہ نہیں کرتا، حالانکہ جمہوری نظام کا حسن ہی حزب اختلاف کی تنقید ہوا کرتا ہے، اس تنقید سے سیاسی جماعتوں کو نہ

صرف اصلاح کا موقع ملتا ہے، بلکہ ان کی راہنمائی بھی ہوتی ہے۔ الغرض معاشرہ میں عوام وخواص سبھی میں تشدد کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آوے کا آوا تباہ ہوگیا ہے۔ اگر اس رجحان کو روکا نہ گیا تو اندیشہ ہے کہ ملک میں خانہ جنگی اور انارکی پھیل جائے گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سب کے اسباب کیا ہیں؟ اور اس بڑھتے ہوئے رجحان کو کیسے روکا جائے؟ اور اس لاقانونیت کا انسداد کیسے ہو؟ اور اس سے کیسے جان چھڑائی جائے؟۔ سو اول اس کے اسباب پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ہماری نظر میں اس کے اسباب درج ذیل ہوسکتے ہیں:

دین سے دوری:

جرائم سے حفاظت کا واحد ذریعہ تقویٰ، اور خوف خدا ہے، چنانچہ آخرت کے مواخذے اور اللہ تعالیٰ کی حاضری کا مضبوط تصور دل میں جاگزین نہ ہو، کوئی قانون وادارہ گناہ سے باز نہیں رکھ سکتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جاہلی معاشرہ کی بدامنی اور فساد اہل نظر سے مخفی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی معاشرہ میں تقویٰ، خوف خدا، فکر آخرت پیدا فرما کر پورے معاشرے کو کرائم سے پاک بنادیا۔ تاریخ انسانی میں اس جیسے مہذب اور پرامن معاشرہ کی مثال نہیں ملتی۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں تقویٰ، خوف خدا ختم ہوکر رہ گیا ہے، ایک منظم منصوبہ کے تحت بے دینی اور مذہب بیزاری کو فروغ دیا گیا، دین اور دین داروں کو مطعون کر کے معاشرے کو دین سے دور رہنے کا پیغام دیا گیا، اسلامی احکام، خدا اور رسول کی اہمیت دلوں سے نکالنے کے لیے میڈیا کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا، جس کی وجہ سے نسل نو دین سے دور نکل گئی۔ جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور سے یہ سلسلہ شدومد کے ساتھ اٹھایا گیا، نتیجتاً بوئی ہوئی فصل تیار ہوگئی، جسے آج کاٹا جارہا ہے، اگر ان گندی فصلوں کو جڑ سے نہ اکھیڑا گیا تو مزید ایسی فصلیں پک کر خرابی کرتی رہیں گی۔

اس لیے ضروری ہے کہ نجی اور حکومتی سطح پر احیاء دین کی کوششیں کی جائیں، میڈیا کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے، قوم کی فکری ذہن سازی کی جائے، نیز فکر آخرت کا

احساس پیدا کیا جائے۔ یہ فریضہ والدین کا بھی ہے۔ تنظیموں، اداروں، حکومتوں، اساتذہ اور دیگر ذمہ داران کا بھی۔ اس سلسلہ میں قوم کو سیرت نبویؐ سے روشناس کرایا جائے، اسلامی تاریخ اور اور اسلامی تاریخ کے امتیازات ہر سطح پر اجاگر کیے جائیں۔

نظام تربیت کا فقدان:

بدقسمتی سے ہمارا نظام تعلیم اغیار کی نظر ہو کر تربیت سے سراسر عاری ہے، پڑھنے اور پڑھانے والوں کے پیش نظر صرف اور صرف ڈگری کا حصول، کسب معاش، مال و زر کی طلب ہوتی ہے۔ نصاب تعلیم سے اسلام کو بھی رفتہ رفتہ چلتا کیا گیا ہے، مادیت و ہوس نمایاں ہو کر سامنے آ رہی ہیں۔ خدمت کے جذبہ سے سرشار، خوف خدا کے حامل اساتذہ کی ریٹائرمنٹ کے بعد، اب اکثریت دنیا پرستوں کی رہ گئی ہے۔ اسلامی تربیت، آداب، جذبہ خدمت، احترام انسانیت، تحمل و برداشت وغیرہ پر کوئی قابل ذکر چیز نہ پڑھائی جاتی ہے اور نہ اسے اہمیت دی جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نظام تعلیم ایسا بنایا جائے جس سے صالح اور باصلاحیت افراد تیار ہوں، تربیت کو نصاب و نظام تعلیم کا حصہ بنایا جائے، اعلیٰ اخلاق کے حامل افراد کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

نصاب تعلیم کا ازسرنو جائزہ:

ملک میں رائج نصاب تعلیم ہی اصل نسلوں کی تعمیر کا باعث ہوتا ہے، نیز ہر ملک کا نصاب تعلیم اس ملک کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے، جس کی ثقافت، تمدن سبھی اسلامی ہیں، ہماری قومی زبان اردو ہے، لیکن نصاب تعلیم میں صرف اور صرف مغرب کی نقالی کی گئی ہے، اپنے اہداف اور تقاضے نصاب کی تدوین میں پیش نظر نہیں رکھے گئے، نقالی کا یہ عالم ہے نہ کہ نصاب تعلیم کی تدوین مغربی این جی اوز کے زیر اثر ہوتی ہے، جو ہماری اقدار کا بھی خون کرتی ہیں، جب تک اس سلسلہ کو روکا نہیں جائے گا، حالات بہتر نہیں ہوں گے۔

آئین کی بالادستی:

ملکی اداروں کو آئین پاکستان کی بالادستی، اہمیت اور ضرورت کو پیش نظر رکھنا ہوگا، اپنی قوت اور اختیارات کے بل بوتے ماورائے آئین اقدامات، احکامات، فیصلے ملک کو تباہی کی جانب لے جائیں گے۔ انہیں ناجائز اقدامات واحکامات کی وجہ سے معزز اداروں کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے۔ ہرادارے کو اپنی حدود کا پاس رکھنا ضروری ہے۔ جس کا کام اسی کو ساجھے، کا اصول ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔

کوئی بھی ادارہ یا شخصیت خواہ کتنے ہی بااثر کیوں نہ ہوں، قانون سے مستثنیٰ نہیں ہونے چاہییں۔ قانون کا خوف سبھی پر رہنا ضروری ہے۔ عدلیہ آزاد اور کسی کے زیر اثر نہ ہو، لوگوں کی آخری امید عدلیہ ہی ہونی چاہیے، اسے کسی شخصیت یا ادارہ یا غیر ملکی اثر ودباؤ کے تاثر سے باہر نکلنا ضروری ہے۔ قانون میں حکومت، اپوزیشن، سول، فوجی، غریب اور امیر کا فرق نہیں رہنا چاہیے، جو بھی قانون ہاتھ میں لے، اس سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنا اور نشان عبرت بنانا ضروری ہے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ/ جنوری 2020ء)

فحاشی کی اشاعت، بدکاری
اور بہتان تراشی سنگین جرائم

الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا ٹیکنالوجی تک عام لوگوں کی دسترس کے بعد سے یہ رواج زور پکڑ گیا ہے کہ کسی بھی مذہبی، سیاسی، سرکاری یا صاحب حیثیت شخصیت کی اخلاقی، جنسی یا کسی بھی قابل تشویش جرم کی ویڈیو یا خبر نشر ہو جانے کے بعد نہ صرف ایسی گندی ویڈیوز، خبروں اور اطلاعات کو تیزی کے ساتھ پھیلایا جاتا ہے، بلکہ اس پر جائز و ناجائز تبصروں، تجزیوں اور عیب جوئی کا ایک نا تھمنے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور پھر کسی ایک جزوی واقعہ کی آڑ لے کر پورے طبقے بالخصوص مذہبی طبقہ، مدارس و مساجد پر بہتان تراشیوں، الزامات، بکواسات اور کردار کشی کا طوفان برپا کر دیا جاتا ہے۔

کردار کشی کے لامتناہی سلسلہ کو منظم کر کے ایک طبقہ اپنے مقاصد کے حصول اور غیر ملکی آقاؤں کے دین دشمن ایجنڈے کی تکمیل کے لیے میدان میں کود پڑتا ہے، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ انہیں دین اور دینداروں کے خلاف اس موقع کی انتظار تھی، انہیں اب یہ زریں موقع نصیب ہو گیا اور اب وہ اپنی تنخواہ نہ صرف یہ کہ حلال کریں گے بلکہ تنخواہ میں اضافہ بھی کرائیں گے۔

ہمارے نزدیک جرم کی قباحت، جرم کی اشاعت اور بہتان تراشی تینوں الگ الگ گناہ ہیں، اگر کوئی شخص بدکاری کے گناہ میں مبتلا ہوا ہے تو بہت سے لوگ فحاشی کی اشاعت اور بہت سے لوگ بہتان تراشی اور الزام تراشی کے سنگین گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں، اسی لیے ضروری ہے کہ مذکورہ بالا تینوں جرائم پر قرآن وسنت کا نقطہ نظر پیش کیا جائے۔

بدکاری بالخصوص غیر فطری عمل جسے "ہم جنس پرستی" (Homosexulatiy) بھی کہا جاتا ہے، قرآن وسنت کی نظر میں بدترین، قابل لعنت ونفرت اور بے حیائی پر مبنی عمل ہے،

جس پر قرآن وسنت میں سخت وعیدیں مذکور ہیں، قرآنی مطالعہ بتاتا ہے کہ روئے ارض پر سب سے پہلے اس قبیح وشنیع خوئے بد کا ارتکاب حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم نے کیا تھا، ان کی تربیت واصلاح کے لیے نبی وقت سیدنا لوط علیہ السلام نے سرتوڑ کوشش فرمائی، قرآن کریم میں متعدد مقام پر اس قوم کی اس بدکاری اور ان پر آنے والے عذابوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، سورۃ اعراف میں ہے:

وَلُوطاً إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ○ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ○ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ○ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ○ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَراً فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ○ (الاعراف: ۸۰-۸۴)

"اور ہم نے لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو، جو تم سے پہلے دنیا جہاں کے کسی شخص نے نہیں کی؟ تم جنسی ہوس پوری کرنے کے لیے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ (اور یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ (شرافت کی) تمام حدیں پھلانگ چکے ہو۔ ان کی قوم کا جواب یہ کہنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ: نکالو ان کو اپنی بستی سے! یہ لوگ ہیں جو بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ پھر ہوا یہ کہ ہم نے ان کو (یعنی لوط کو) اور ان کے گھر والوں کو (بستی سے نکال کر) بچالیا، البتہ ان کی بیوی تھی جو باقی لوگوں میں شامل رہی (جو عذاب کا نشانہ بنے)۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) ایک بارش برسائی۔ اب دیکھو! ان مجرموں کا انجام کیسا (ہولناک) ہوا؟۔"

ان آیات کی تفسیر میں اہل علم نے تحریر کیا ہے کہ یہ قوم جنس پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی، لڑکوں اور مردوں کے ساتھ شہوت پوری کرتی تھی، اس بے حیائی کا آغاز انہی سے ہوا، شیطان

نے بطورِ خاص انہیں اس خوئے بد کا عادی بنایا، شہوانیت کے نشہ میں یہ نبی وقت کے گھر کی چہار دیواری کے تقدس کو بھی پامال کر گئے، یہ لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان فرشتے جو خوبرو لڑکوں کی شکل میں بطورِ امتحان آئے تھے، ان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہے تھے، نتیجہ میں حق تعالیٰ نے ان پر متعدد قسم کے عذاب نازل فرمائے۔ جس سے نہ صرف یہ بدکار قوم نیست و نابود ہوگئی، بلکہ ان کی بستیاں اور آبادیاں بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، زمین اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکی، اور وہ "بحرِ میت" (Dead Sea) میں تبدیل ہو کر حیات و زندگی سے محروم ہوگئی۔

قرآن کریم نے اس قوم پر آنے والے عذابوں کا مختلف سورتوں میں ذکر فرمایا، یہ پانچ قسم کے عذاب تھے:

۱)۔ آسمان سے پتھر برسا کر انہیں ہلاک کیا گیا، ہر مجرم کے لیے پتھر مقرر کیا گیا تھا، تفاسیر میں مرقوم ہے کہ ایک شخص مکہ مکرمہ گیا ہوا تھا تو اس کا پتھر واپسی آنے پر اس کو پیوست ہوا۔

۲)۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے ان کی آبادی کی زمین کو اٹھا کر آسمان تک لے جا کر الٹا کر کے زمین پر دے مارا، یوں زمین تہ و بالا کر دی گئی۔

۳)۔ انہیں عذاب سے قبل اندھا بھی کر دیا گیا۔

۴)۔ اسی طرح انہیں زلزلہ سے بھی دوچار کیا گیا۔

۵)۔ زمین میں دھنسا دیے گئے۔

عذاب کی ترتیب اس طرح تھی کہ اول انہیں اندھا کیا گیا، پھر زمین پر زلزلہ آیا، پھر فرشتے نے زمین پر پر مارا، اور آسمان تک اٹھا کر نیچے پٹخ دیا، اور پھر انہیں زمین میں دھنسا دیا گیا۔ اب یہاں کوئی مچھلی بھی زندہ نہیں رہ سکتی، یہاں کا پانی کوئی بھی جاندار استعمال نہیں کر سکتا۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لواطت (غیر فطری عمل) پر احادیث میں لعنت فرمائی ہے، ایک روایت میں ہے:

.... وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ وَقَعَ عَلٰى بَهِيْمَةٍ، وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ

لُوطِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

(مسندِ احمد)

''والدین کو برا بھلا کہنے والے پر اللہ کی لعنت، غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے پر اللہ کی لعنت، جانور کے ساتھ جنسی عمل کرنے والے پر اللہ کی لعنت، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والے عمل کے مرتکب پر اللہ کی لعنت۔ تین بار ایسے شخص پر آپ نے لعنت فرمائی۔''

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اپنی امت پر جو خطرات محسوس ہو رہے ہیں، ان میں سے سب سے بڑا خطرہ قوم لوط کی بدکاری کا ہے۔''

(سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۳)

اس فعل بد کی قباحت ایک اور حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے:

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار قسم کے لوگ صبح، شام اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی میں رہتے ہیں، صحابہ نے استفسار کیا وہ کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) مردوں میں سے وہ لوگ جو خواتین کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (۲) خواتین جو مردوں کی مشابہت و صورت اختیار کرتی ہیں۔ (۳) جو شخص جانوروں کے ساتھ شہوت رانی کرے۔ (۴) جو شخص قوم لوط جیسا عمل کرے۔ یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔''

(لابن عبد الکامل)

احادیث مبارکہ میں ایسا جرم ثابت ہونے پر سخت ترین سزاؤں کا ذکر ہے، اور سزائیں مختلف منقول ہیں، اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بہت سے اہل علم ایسے مجرم جو اس فعل بد کے مرتکب ہیں، خواہ مرد، مرد کے ساتھ جرم کریں، یا خواتین خواتین کے ساتھ جنس پرستی میں مبتلا ہوں، جرم رضا کے ساتھ ہو یا بالجبر ان کے لیے تعزیری سزاؤں کے قائل ہیں۔

بدقسمتی سے ایک جانب اس فعل بد کو مغرب اور ان کے آلہ کاروں کی جانب سے اس

حد تک ترویج دی جا رہی ہے کہ مردوں کی مردوں اور خواتین کی خواتین کے ساتھ اعلانیہ شادی کی تقاریب تک کروا کر میڈیا میں تشہیر کی جا رہی ہے، لڑکیوں سے "میرا جسم میری مرضی" کا جالب لعنت لوگو اختیار کروایا جا رہا ہے، ایسی بے حیائی کو انسانی آزادی اور آبادی کنٹرول کرنے کا ذریعہ قرار دیا جا رہا ہے۔ دوسری جانب جزوی واقعات کو اچھال کر مذہبی طبقات کو بدنام کیا جا رہا ہے اور اعلانیہ یہ راگ الاپا جا رہا ہے کہ یہ قابل لعنت عمل رضا کے ساتھ جائز ہے (العیاذ باللہ) جبکہ اسلام نے ہر طرح کی لواطت کی تعزیری سزا مقرر کی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ تعزیری سزائیں اس طرح کے ہر عمل پر لاگو کر دی جائیں اور ان مجرموں کو الٹا لٹکایا جائے، زنا اور لواطت رضا کے ساتھ ہوں یا جبر کے ساتھ اس بے حیائی کو روکا جائے۔ چنانچہ احادیث میں اس جرم کی متعدد سزائیں منقول ہیں:

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں، جو شخص قوم لوط جیسا عمل کرے اوپر اور نیچے والے دونوں کو سنگسار کر دو۔"

(ابن ماجہ)

یعنی دونوں مجرموں کو سنگ ریزی کر کے قتل کر دیا جائے۔

واضح رہے کہ سزاؤں کی تنفیذ عوام کا نہیں، بلکہ حکومت و عدالت کا فریضہ ہے، عوام یہ معاملات عدالت تک پہنچا کر اپنا فرض نبھا سکتے ہیں۔

"سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو عمل کرنے اور کرانے والے دونوں کو قتل کر دو۔"

(سنن ابی داود)

بعض اہل علم ایسے شخص کو پہاڑ سے گرا کر قتل کر دینے کی سزا تجویز کرتے ہیں تو بعض آگ میں جلا دینے کا حکم دیتے ہیں اور بعض دیگر سخت سزاؤں کے قائل ہیں۔

اس لیے یہ فعل بد جہاں کہیں ہو، جو بھی اس کا مرتکب ہو، قابل مذمت اور قابل تعزیر

ہے، جرم اور مجرم میں تفریق نہایت خساست اور رزالت ہے، دین سے منسوب کسی شخصیت کے کسی جزوی واقعہ کا سہارا لے کر اس کی تشہیر اور مذہب کی بدنامی کی مہم اور عین اسی وقت ایک یونیورسٹی میں اس سے زیادہ ہولناک واقعہ کے ارتکاب پر چپ سادھ لینا اور یونیورسٹی کے ایک طالب علم کے ساتھ اجتماعی زیادتی پر "ایف آئی آر" تک نہ ہونا، اسی طرح گوجرانوالہ کے ایک دینی مدرسہ کے استاذ کی دس سالہ بچی کا اغوا، ریپ اور پھر اس کے بعد بے دردی سے قتل کی خبر تک میڈیا پر نہ دینا بہت سے سوالات جنم دیتا ہے۔

بے حیائی کی خبروں اور بے حیائی، بدکاری کی ویڈیوز کی میڈیا اور سوشل میڈیا پر وائرل کرنے کا معمول بن گیا ہے، قرآن وسنت کی نظر میں بے حیائی کی اشاعت و پھیلاؤ بھی کبیرہ گناہ اور قابل نفرت عمل ہے، قرآن کریم نے برائی کے پھیلاؤ اور بے حیائی کی اشاعت پر سخت وعید بیان کی ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○

(النور:۱۹)

"یاد رکھو کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس آیت کی تفسیر میں خالد بن معدان ارشاد فرماتے ہیں کہ: "جس شخص نے اپنی آنکھوں سے برائی ہوتے دیکھی اور اپنے کانوں سے برائی ہوتے سنی، اور پھر لوگوں کے سامنے اسے بیان کیا تو وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے، جو بے حیائی کی اہل ایمان میں اشاعت کرتے ہیں۔ (اور عذاب الیم کے مستحق ہیں)"

(درمنثور)

"سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو لوگ برائی کے مرتکب

ہوں اور جو لوگ اس بے حیائی کی اشاعت کریں دونوں گناہ مسیں برابر کے شریک ہیں۔"

(تفسیر در منثور بحوالہ بخاری فی الادب وبیہقی فی شعب الایمان)

"سیدنا عطاءؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ: جو شخص بے حیائی (زنا و لواطت) کی اشاعت کرے، اس پر بھی شرعاً سزا ہے، اگرچہ سچا ہی کیوں نہ ہو۔"

(در منثور)

"شبل بن عون کہتے ہیں کہ: بڑوں میں یہ مشہور تھا کہ جو شخص کسی بے حیائی کی بات سنے اور پھر اس کا افشاء کرے تو وہ بھی ایسے ہی مجرم ہے، جیسے گناہ کا مرتکب مجرم ہے۔"

(امام بخاری، الادب بحوالہ در منثور)

مسند احمد میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا تُؤْذُوْا عِبَادَ اللهِ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَطْلُبُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهٗ مَنْ تَطَلَّبَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰى يَفْضَحَهٗ فِيْ بَيْتِهٖ

(مسند احمد)

"اللہ کے بندوں کو نہ ستاؤ، ان کو عیب بھی نہ لگاؤ، ان کی کمزوریاں اور غلطیاں بھی تلاش نہ کرو، جس کسی نے کسی مسلمان کی قابل ستر برائیوں کو تلاش کیا، اللہ اسے اس کے گھر میں رسوا کریں گے۔"

مذکورہ بالا آیت اور احادیث و آثار سے معلوم ہوا کہ بے حیائی کی خبریں چھاپنا، چلانا، یا بے حیائی پر مبنی کوئی ویڈیو یا تصاویر میڈیا پر وائرل کرنا بھی سخت جرم اور قابل سزا گناہ ہے۔ ایسی خبروں کی اشاعت اور برائیوں کی ویڈیوز وائرل کرنے سے معاشرے میں بے حیائی کی ترویج، معصوم بچوں اور خواتین پا کباز لوگوں کو خبر کی آڑ میں اس کار بد کا راستہ دکھانا اور معاشرے میں بے راہ روی پھیلانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بدقسمتی سے ایسی گندی حرکت وطن عزیز میں ہی زور و شور سے کی جاتی ہے۔ جرائم تو دنیا بھر میں ہوتے ہیں، لیکن کہیں اس طرح جرائم کی ترویج

نہیں کی جاتی، کسی ایک طبقہ کی بدنامی کی غرض سے پورے معاشرے کو خراب کرنا نہایت قابل مذمت ہے۔

ہماری معروضات کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کسی بھی جرم کو کھلی چھٹی دی جائے اور اس کے خلاف کارروائی نہ کی جائے، ایسا بھی معاشرے کو تباہ کرنے کے مترادف اور جرم کی حوصلہ افزائی کرنا ہوگا، جرم کو قانون کی گرفت میں دینا بھی معاشرے کا فریضہ ہے، ایسی خبر صرف متعلقہ فورم پر کرنے سے ہی ہم اپنی ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ متعلقہ فورم صرف اور صرف تھانہ کچہری ہے، میڈیا یا ذرائع ابلاغ نہیں، قرآن کریم نے منافقین کی اس عادت بد کا ذکر کیا کہ وہ خبر سن کر پھیلا دیتے ہیں، ذمہ داران اور متعلقہ فورم تک اطلاع نہیں دیتے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ○ (النساء:۸۳)

”اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحاب اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔“

معلوم ہوا کہ ہر خبر کی اشاعت کے بجائے متعلقہ فورم تک پہنچائی جائے اور مجرم کو سزا دلوائی جائے۔

کچھ لوگ کسی جزوی واقعہ کو پورے طبقہ کے ساتھ جوڑ کر بہتان تراشی کا سلسلہ بھی شروع کر دیتے ہیں، یہ بات بدیہی ہے کہ جرم معاشرہ کا حصہ ہے، اس کا طبقہ سے نہ تعلق ہوتا ہے، نہ ہی اسے کسی طبقہ کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے، جرم ہر طبقہ اور ہر مقام پر کیا جا رہا ہے۔ کسی کے جرم کو چھپانا اور کسی کے جرم کو پھیلانا، کہیں جرم کو شخصی و جزوی واقعہ قرار دینا اور کہیں جرم کا ذمہ دار پاکباز طبقہ، مقدس مقامات اور شخصیات کو قرار دینا نہایت حماقت اور ناانصافی کی بدترین شکل ہے

،اگر جرم کو طبقہ کے ساتھ جوڑے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تو کوئی بڑے سے بڑا طبقہ بھی محفوظ نہیں رہے گا، اگر خدانخواستہ فوجی جرنیل جرم کرے تو کیا پوری فوج مجرم ہوگی، اور اس کی کردار کشی کی جائے گی؟ کیا کوئی اعلیٰ پولیس افسر، کوئی معروف صحافی، وکیل، تاجر، سیاستدان، کوئی جج یا بیوروکریٹ جرم کرے تو ان کے طبقات کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا، کیا کسی کے والدین، اولاد، بیوی اور رشتہ دار ذمہ دار ہوں گے، ہرگز نہیں! قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○ (الفاطر:۱۸)

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

اگر خدانخواستہ یہی سلسلہ شروع کر دیا گیا تو پھر نہ صرف ہر طبقہ قصوروار ہوگا، بلکہ اسلام اور پاکستان بھی خدانخواستہ مجرم ٹھہریں گے۔ مجرم جہاں کسی ایک طبقہ کا فرد ہے، وہاں پاکستانی بھی ہے، اور مسلمان بھی، درجہ بدرجہ وابستگیاں موجود ہیں۔ اس لیے یہ سلسلہ بھی قابل مذمت اور قابل سزا ہے، کسی ایک شخص کے جرم کی وجہ سے پورے طبقہ کو بدنام کرنا، نیز ان کی بے شمار دینی، ملی، ملکی، تعلیمی اور رفاہی خدمات کو روند ڈالنا بہتان عظیم ہے۔

سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ (النور:۱۶)

''یا اللہ! آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے یہ تو بڑا زبردست بہتان ہے۔''

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ○ (النساء:۱۱۲)

''اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو، پھر اس کا الزام کسی بے گناہ کے ذمے لگا دے، تو وہ بڑا بھاری بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر لا دلیتا ہے۔''

کسی بے گناہ کو مجرم قرار دینا شرعی طور پر بہتان کہلاتا ہے، جو گناہ کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ ہے، اس سے احتراز ہر مسلمان کا فرض ہے۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ/ جولائی، اگست 2021ء)

عفت وحیاء کی برکات

عفت و پاک دامنی یعنی خواہشات نفسانیہ اور جنسی جذبات کا صحیح استعمال اور غلط و بے محل استعمال سے اجتناب، اسلام کا تاکیدی و مبارک حکم، فطرت انسانی کا تقاضا اور شرافت کا اعلیٰ معیار ہے۔ عفت و پاک دامنی، انسانی حسن و جمال اور اعلیٰ سیرت کا تقاضا ہے۔ شرمگاہوں کی حفاظت اور خواہشات کو قابو میں لانے کو عظیم و مقبول عمل اور اخروی درجات میں بلندی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جملہ انبیاء کرام، صحابہ عظام رضی اللہ عنہم، اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم، اولیاء کرام اور شریف انسانوں نے ازل سے ہی اس وصف کو بدرجہائے کمال اپنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اعلیٰ درجہ کے عفیف اور عفیف خاندان کے فرد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسب نامہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد محترم سے سیدنا آدم علیہ السلام تک ایک شخص بھی بدکار نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسب وحسب بھی محفوظ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عفت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانی وایمانی دشمنوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بدچلنی کا کبھی الزام نہیں لگایا، بلکہ ہمیشہ غائبانہ طور پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت، امانت اور عفت کا اعتراف کیا، صرف اعتراف ہی نہیں بلکہ عفت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت قرار دیا اور اس کا برملا اظہار کیا۔ شاہ روم "هرقل" کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دعوتی مکتوب پہنچا، تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بابت حصول معلومات کے لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس وقت کے حریف، جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو ان دنوں شام تجارتی دورہ پر آئے ہوئے تھے، کو اپنے دربار میں طلب کر کے مختلف سوالات دریافت کئے، ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ تمہیں کیا کہتے ہیں، تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حریف نے دوٹوک

الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت کو نقل کیا، صحیح بخاری میں یہ الفاظ منقول ہیں۔"

"اُعْبُدُوْا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا، وَاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ آبَاؤُكُمْ، وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ"

(رواہ البخاری:۷)

"ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے آباء و اجداد کی تقلید کو ترک کردو، اور ہمیں نماز، سچائی، پاک دامنی، اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں"

عفت و پاک دامنی، حسب و نسب کی حفاظت اور رشتہ داریوں کے قیام کا ذریعہ ہے، جس معاشرے میں بے راہ روی اور بدکاری عام ہو جائے، وہاں نہ تو قبائل، برادریاں اور خاندانوں کا تصور رہتا ہے اور نہ ہی رشتہ داریوں کا احترام ولحاظ۔ رشتہ داریوں کے قیام کی بدولت معاشرہ میں ایثار، محبت اور خدمت کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے معاشرہ میں امن اور بھائی چارہ کی فضاء قائم ہوتی ہے، جبکہ بدکاری، بے حیائی، بدامنی، قتل و غارت گری، عزت و عصمت دری، ریپ جیسے جرائم کا موجب بنتی ہے۔ جب ایک انسان حیا کی حدود سے تجاوز کر کے اسلامی حدود سے باہر نکل جاتا ہے، پھر انسانی فطری ہمدردی اور محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، نتیجہ میں وہ سب کچھ ہوتا ہے، جو حال میں "زینب، اسماء، کائنات" جیسی بچیوں کے ساتھ ہوا، جسے میڈیا نے رپورٹ کیا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عفت کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے، سنن کبری کی ایک حدیث قابل غور ہے کہ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْحَيَاءَ الْعَفَافُ، وَالْعِيَّ عِيَّ اللِّسَانِ، لَا عِيَّ الْقَلْبِ، وَالْعَمَلُ مِنَ الْإِيْمَانِ، وَإِنَّهُنَّ يَزِدْنَ فِي الْآخِرَةِ، وَيَنْقُصْنَ مِنَ الدُّنْيَا، وَمَا يَزِدْنَ فِي الْآخِرَةِ أَكْثَرُ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الدُّنْيَا"

(السنن الکبری للبیہقی:۲۰۸۰۸)

"حیا، پاک دامنی، زبان کا خاموش رہنا اور علم ایمان کا حصہ ہیں، یہ سب

آخرت میں بڑھتی اور دنیا میں کم ہوتی ہیں۔اور جو چیزیں آخرت میں بڑھتی ہیں زیادہ ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ادعیہ میں جن خیروں کو حق تعالیٰ سے طلب کیا گیا،ان میں پاک دامنی بھی ہے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا کثرت سے منقول ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدٰى، وَالتُّقٰى، وَالْعَفَافَ، وَالْغِنٰى

(صحیح مسلم،سنن ابن ماجہ،مسند امام احمد)

"اے اللہ میں آپ سے ہدایت،تقویٰ اور پاک دامنی اور مالداری کا سوال کرتا ہوں"

صحیح مسلم کی ایک روایت میں عفاف کی جگہ "العفۃ" کا لفظ بھی مذکور ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عفت کے اخروی منافع کے ساتھ،دنیاوی برکات ومنافع بھی منقول ہیں۔ذیل میں چند احادیث ذکر کی جارہی ہیں:

عرش کا سایہ:

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ،سے مروی ہے کہ،جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"روز محشر سات قسم کے لوگ عرش خداوندی کے سایہ تلے ہوں گے،اس روز سوائے عرش کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا:

۱)۔ انصاف خصلت حاکم

۲)۔ عبادت خداوندی میں منہمک نوجوان

۳)۔ خلوت میں یادِ خداوندی سے رونے والا شخص

۴)۔ مسجد میں دل اٹکانے والا آدمی

۵)۔ وہ دو شخص جو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر باہمی محبت رکھتے ہوں

۶)۔ وہ شخص جسے اعلیٰ منصب کی حامل حسین وجمیل خاتون نے دعوت گناہ دی اور اس نے یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے خوف آتا ہے۔

۷)۔ چھپ کر صدقہ کرنے والا شخص، جو اس طرح صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ کے دیے ہوئے کا، بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو۔"

(صحیح بخاری:۶۸۰۶)

مصیبت سے نجات:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین شخص سفر پر نکلے، راستے میں بارش آ گئی، جس کی وجہ سے وہ ایک پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اچانک غار کے دہانے پر ایک چٹان آ گری، یہ ایک دوسرے سے کہنے لگے، اپنے اپنے نیک اعمال یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، ان میں سے ایک نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! میرے بوڑھے والدین تھے، میں بکریاں چرایا کرتا تھا، پھر میں واپس آتا بکریوں کا دودھ نکالتا، یہ دودھ کا برتن اٹھا کر والدین کی خدمت میں لاتا، وہ نوش کر لیا کرتے، تو میں اپنے بچوں، بیوی اور اہل خانہ کو پلایا کرتا تھا، ایک شب میں تاخیر سے واپس آیا، تو وہ دونوں سو چکے تھے، میں نے انہیں نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ جانا، میرے بچے (بوجہ بھوک) روتے روتے میرے پاؤں کو چمٹ گئے، اسی حالت میں صبح ہو گئی، اے اللہ! اگر یہ سب کچھ میں نے آپ کی رضاء کے لئے کیا تھا، تو اتنی کشادگی کر دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دعا قبول ہوئی اور آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے شخص نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ، مجھے اپنی ایک چچا زاد بہن سے عشق ہو گیا تھا اور یہ عشق بھی کمال درجے کا تھا، اس نے مجھے کہا کہ تم اپنے مقصد میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے، جب تک اسے ایک سو اشرفی لا کر نہ دو، میں نے محنت و مزدوری کر کے یہ رقم حاصل کی اور اس کے پاس جا بیٹھا، تو اس نے مجھے کہا کہ خوف خدا کرو اور نکاح کے بغیر مجھ سے قرب اختیار نہ کرو، اس پر میں اٹھ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ آپ کی رضا کے لیے کیا تھا، تو اسے کھول دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو تہائی حصہ کھل گیا۔

تیسرے نے یوں دعا کی کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اجرت پر کام میں لگایا تھا، اجرت میں مکئی کے دانے کی تھوڑی سی مقدار طے ہوئی تھی، میں نے اسے یہ اجرت دی، اس نے لینے سے انکار کر دیا، میں نے اس مکئی کو کاشت کر دیا اور اس کی پیداوار سے گائے اور چرواہا خرید لیا، پھر وہ ایک روز آیا اور کہا اے اللہ کے بندے! میرا حق مجھے دے دیجئے، میں نے اسے جواب دیا کہ یہ بہت سی گائے اور چرواہے کو لے جاؤ، اس نے کہا کہ میرے ساتھ مذاق نہ کرو، میں نے کہا میں مذاق نہیں کر رہا، یہ آپ کا ہی ہے، اے اللہ! میں نے یہ آپ کی رضا کے لیے کیا تھا، تو اسے کھول دیجئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس غار کو کھول دیا۔

(صحیح بخاری: ۲۳۳۳)

ظالم بادشاہ سے نجات:

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ سارہ کی معیت میں ہجرت کی، وہ اپنی زوجہ کے ہمراہ ایک شہر میں داخل ہوئے، اس شہر میں ایک جابر بادشاہ اقامت پذیر تھا، اسے اطلاع دی گئی کہ ابراہیم علیہ السلام ایک خوبصورت خاتون کے ساتھ آئے ہیں، اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بلوا بھیجا اور دریافت کیا کہ، آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میری (دینی) بہن ہے (کیونکہ ایک بہن کا رشتہ ہی دست درازی سے محفوظ رکھ سکتا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ کے پاس واپس تشریف لائے اور اس سے فرمایا کہ، میری تکذیب نہ کرنا، میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ میری (دینی) بہن ہیں۔ قسم بخدا! میرے اور آپ کے بغیر روئے ارض پر کوئی مومن نہیں (اس لیے ایمانی اخوت موجود ہے) باشاہ نے سیدہ سارہ کو طلب کیا اور ان پر دست درازی کی نیت سے کھڑا ہوا، سیدہ سارہ نے وضو کر کے نماز شروع کر دی اور دعا کی کہ اے اللہ! اگر میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان لائی اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ماسوائے اپنے شوہر کے، تو مجھ پر کسی کافر کو مسلط نہ کیجئے (اللہ

تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی) اس کافر کا سانس پھول گیا، حتیٰ کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر مارنے لگا (ایسا اس کے ساتھ تین مرتبہ ہوا، بالآخر کہنے لگا کہ، یہ کوئی جنی ہے اسے لے جاؤ......)''

(صحیح بخاری ج:۱، ص:۲۲۱۷)

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ، ایسے ظالم بادشاہ سے سیدہ سارہ ؓ کو نجات ان کے ایمان اور عفت و پاک دامنی کے سبب نصیب ہوئی۔ عفت کی بدولت صرف نجات ہی نہیں ہوتی، بلکہ اس جابر بادشاہ نے ایک باندی ''ہاجرہ'' بھی سیدہ سارہ کو عطا کردی۔

عفت و پاکدامنی کے برعکس بدکاری و بے حیائی ہے، جسے قرآن وسنت کے اصطلاح میں زنا اور فواحش کا نام دیا گیا ہے، فواحش ومعاصی، نہ صرف یہ کہ قہر خداوندی کا موجب ہیں بلکہ، ان خطرناک امراض روحانیہ کا سبب بھی ہیں کثرت اموات، طاعون، متعدی امراض، قلت رزق، قحط اور اس جیسی بے شمار دنیوی آفتیں بھی اسی مرض قبیح سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اہل علم نے قرآن وسنت سے مستنبط فرما کر فواحش ومعاصی کے درج ذیل نقصانات ذکر فرمائے ہیں:

۱)۔ غم کی کثرت، پریشانیوں اور بے چینی میں اضافہ۔

۲)۔ دل اور چہرہ کی ظلمت وتاریکی بھی ایسے گناہوں کی بدولت وقوع پذیر ہوتی ہے، دل میں وحشت جنم لیتی ہے اور چہرہ اداس سا رہتا ہے۔

۳)۔ نفرتیں، بغض اور عداوتیں جنم لیتی ہیں، جو بعض اوقات قتل جیسے جرم عظیم کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔

۴)۔ ایسے گناہوں کی نحوست سے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دور ہونا شروع ہوجاتی ہیں اور پکڑ شروع ہوجاتی ہے، اللہ کی نعمت سے بے زاری اور رحمت کی دوری شروع ہوجاتی ہے۔

۵)۔ انسانی صحت خراب ہوجاتی ہے، اعصابی ودماغی کمزوری کے لاحق ہونے کے ساتھ ساتھ جسم کے بہت سے اعضاء متاثر ہوتے ہیں۔

۶)۔ رزق سے محرومی ہونے لگتی ہے۔

۷)۔ دین وتقوی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

۸)۔ نیک،عفیف اور عادل جیسے نام سلب ہوجاتے ہیں اور فاجر،فاسق،زانی اور جاہل جیسے القاب کا مستحق ہوتا ہے۔

۹)۔ قطع رحمی،والدین کی نافرمانی،ظلم اور حرام خوری جیسے امراض روحانیہ لاحق ہوجاتے ہیں،مال کا ضیاع ہوتا ہے۔

۱۰)۔ عزت وشہرت خراب ہونے کے ساتھ ساتھ بے غیرتی پیدا ہوجاتی ہے۔

۱۱)۔ نسب وحسب غیر محفوظ ہوجاتے ہیں۔

۱۲)۔ ذلت ورسوائی مقدر بن جاتی ہے۔

۱۳)۔ علم وعقل سلب ہوجاتا ہے۔

۱۴)۔ معاشرتی فساد پیدا ہوجاتا ہے۔

(تاریخ اشاعت"ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ/مارچ 2018ء)

حلال وحرام پہچانئے!

اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کو پیدا فرمایا اور ان کی ہدایت کے لئے سلسلۂ انبیاء علیہم السلام جاری فرمایا۔ آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختم کردیا گیا۔ انبیاء علیہم السلام نے جہاں اپنی اپنی امتوں کے عقائد ونظریات کی اصلاح ودرستگی کی شب وروز محنتیں فرمائیں، وہاں انسانیت کی معاشی، معاشرتی، تمدنی، سماجی اور سیاسی میدان میں بھی صحیح سمت کی جانب راہنمائی فرمائی، خلقِ خدا کو حق تعالیٰ کی معرفت وعبادت کی راہ پر ڈالا اور ساتھ ہی خدمتِ خلق، اصلاحِ سماج ومعاشرہ کے لئے اقدام اٹھائے۔ ان انبیاء علیہم السلام نے حق تعالیٰ کی ہدایات اپنی اپنی امتوں کو پہنچائیں اور واضح فرمایا کہ فلاں، فلاں کام تمہارے لئے حلال ہیں، جنہیں تم بہر صورت کرسکتے ہو اور فلاں فلاں کام حرام ہیں، جن سے بہر صورت تمہیں دور رہنا ہے۔ حلت وحرمت کے قوانین کو اس قدر واضح کردیا گیا کہ ہر خاص وعام تک حلال وحرام کی تفصیلات پہنچ گئیں۔ حلت وحرمت کا یہ باب عقائد، عبادات، معاملات غرضیکہ ہر شعبہ میں بیان کردیا گیا، حلال کو اختیار کرنے کی تاکید کی گئی اور حرام سے بچنے کا لازمی حکم دیا گیا، سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (البقرۃ: ۱۶۸)

"اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال، پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔"

رحمتِ عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا کو حلال وحرام میں تمیز کرکے بتائیں کہ کیا حلال

ہے اور کیا حرام ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ○ (الاعراف:۱۵۷)

''جو لوگ کہ ایسے رسول نبی اُمی کی اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں......''

چنانچہ حصولِ تقویٰ بھی اختیارِ حلال و اجتنابِ حرام کے بغیر ممکن نہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف حرام سے بچنے کو ضروری قرار دیا بلکہ مشکوک و مشتبہ اشیاء سے بھی پرہیز کا حکم دیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہٗ کی روایت ذکر کی ہے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَةٌ فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ اَتْرَكَ وَمَنِ اجْتَرَاَ عَلٰى مَا يَشُكُّ فِيْهِ مِنَ الْاِثْمِ اَوْشَكَ اَنْ يُّوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ...

(صحیح بخاری:۲۰۵۱)

''حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، حلال (صاف صاف) کھلا ہوا ہے اور حرام بھی (صاف صاف) کھلا ہوا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو دونوں طرف ملتی جلتی ہیں، پھر جس نے اس چیز کو چھوڑ دیا جس کے گناہ ہونے میں شبہ ہو تو وہ صاف صاف گناہ کو ضرور چھوڑ دے گا اور جس نے شبہ کی چیز پر دلیری کی، قریب ہے

کہ وہ صاف صاف حرام میں بھی پھنس جائے گا......"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلال وحرام کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں ترک کرنا چاہئے ان مشتبہ ومشکوک چیزوں کے ترک سے حرام سے بچنا آسان ہوگا اور مشکوک چیزوں کے ارتکاب سے حرام میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کی جس نہج پہ تربیت فرمائی تھی ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی شخص عمداً ارتکابِ حرام کرے لیکن جونہی نیک لوگ اور اخیار دنیا سے رخصت ہوئے اور اشرار کا غلبہ ہوا، اللہ تعالیٰ کی حرمتیں ٹوٹنے لگیں اور نتیجۃً آج حلال وحرام کا تصور ہی ناپید ہوگیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بجا طور پر اسی اندیشہ کا اظہار فرمایا تھا۔ صحیح بخاری ہی میں سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ

(صحیح بخاری:۲۰۵۹)

"لوگوں کے اوپر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی پرواہ ہی نہیں کرے گا کہ وہ کیا کما رہا ہے، آیا وہ حلال ہے یا حرام!"

معاشرہ میں مروّج محرمات اتنی کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں، ذیل میں معاشرتی زندگی میں رائج چند حرام کاموں کا ذکر کیا جا رہا ہے تا کہ ان محرمات سے اجتناب کی کوشش کی جائے اور دنیا وآخرت میں فلاح وصلاح نصیب ہو۔

باغات کی مروّجہ خرید وفروخت:

پاکستان بحمد اللہ ایک خوشحال زرعی ملک ہے، اللہ تعالیٰ نے ارضِ پاک کو زرخیز اور ثمر آور بنایا ہے، جہاں آم، کھجور، سیب، انار، کینو، مالٹے، کیلے، فالسے، انگور، امرود، جامن وغیرہ کے باغات کی کمی نہیں، یہ پھل نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرونِ ملک بھی پسند کئے جاتے ہیں، ان باغات کی خرید وفروخت میں لاعلمی کی وجہ سے بسا اوقات اس قدر کوتاہی برتی جاتی ہے کہ رزق حلال رزقِ حرام میں بدل جاتا ہے۔ اکثر زمیندار اپنے باغات کے پھلوں کو کئی برس کے لئے

فروخت کردیتے ہیں یا باغات کے پھلوں کو پھل ظاہر ہونے یا پکنے سے قبل ہی فروخت کردیتے ہیں، جو سراسر خلافِ شرع ہے، اس سلسلہ میں دو احادیث نبویہ پیش کی جارہی ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی یَبْدُوَ صَلَاحُھَا نَھَی الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ

(صحیح بخاری: ۲۱۹۴، صحیح مسلم ۳۸۶۲)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کو بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ اس کی پختگی واضح نہ ہوجاوے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کرنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔"

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ الثِّمَارِ حَتّٰی تُزْھِیَ، فَقِیْلَ لَہٗ وَمَا تُزْھِیَ؟ قَالَ حَتّٰی تَحْمَرَّ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَرَأَیْتَ إِذَا مَنَعَ اللّٰہُ الثَّمَرَۃَ بِمَ یَأْخُذُ أَحَدُکُمْ مَالَ أَخِیْہِ

(صحیح بخاری: ۲۰۸۶)

"حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کو بیچنے سے منع فرمایا، اس کا "زہو" ہونے سے پہلے، لوگوں نے آپ سے پوچھا "زہو" کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرخ ہوجانا، پھر فرمایا: بھلا بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل ہی نہ نکالے تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس چیز کے بدل کھائے گا؟"

ان احادیث کی وضاحت میں فقہاء کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ باغات کے پھلوں کی بیع وشرا (خرید وفروخت) کے لئے ضروری ہے کہ پھل لگ چکے ہیں اور پھل قابلِ انتفاع بھی ہوں، اگر پھل باغات پر ظاہر ہی نہیں ہوئے، جیسے عموماً سال یا دو سال قبل ہی باغات کے پھلوں کو بیچ دیا جاتا ہے، یا سیزن شروع ہونے سے قبل، ابھی پھل لگے ہی نہیں ہوتے، بلکہ پھول بھی ظاہر نہیں ہوتے اور باغات بیچ دیے جاتے ہیں، شرعاً یہ حرام ہے۔ بیچنے اور خریدنے والے دونوں

فریقوں کو اس سے اجتناب ضروری ہے۔

باغات کے پھل لگ چکے ہوں لیکن قابلِ انتفاع نہ ہوں، ایسے پھلوں سے نہ انسان فائدہ اٹھا سکتے ہوں اور نہ ہی جانور، اس صورت میں بھی باغات کے ایسے پھلوں کو خریدنا اور بیچنا حرام ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں کی حرمت پہ اہلِ علم کا اتفاق ہے۔

اگر باغات پر پھل آ چکا ہو اور قابلِ انتفاع بھی ہو لیکن اس پھل کے آفت میں ضائع ہونے کا اندیشہ موجود ہو کہ آفت آ جانے کی صورت میں اس کا پھل کلی طور پر یا جزوی طور پر ہلاک ہو جائے گا۔ اس صورت میں اگر فروخت کنندہ کی جانب سے یہ شرط ہو کہ خرید کنندہ باغ سے فوراً پھل توڑ کر باغ فارغ کر دے گا تو یہ صورت جائز، بصورت دیگر یہ صورت بھی نامناسب ہے۔ اس لئے کہ پھل ضائع ہو جانے کی صورت میں فریقین میں قیمت پر تنازع ہوگا، خرید کنندہ کہے گا پھل ضائع ہو گیا میں کس چیز کی قیمت ادا کروں اور فروخت کنندہ پھل کی قیمت کا متقاضی ہوگا، اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مشورۃً یہ حکم دیا کہ اپنے پھلوں کو اس وقت فروخت کرو جب درج ذیل شرائط پائی جارہی ہوں:

۱)۔ پھل لگ چکے ہوں۔

۲)۔ پھل قابلِ انتفاع ہوں۔

۳)۔ پھل آفت سے محفوظ ہو چکے ہوں۔

اب پھل درختوں پر بھی بیچے جا سکتے ہیں۔

سیونگ اکاؤنٹ:

موجودہ ملکی بینکنگ نظام میں عموماً دو قسم کے اکاؤنٹ کھولے جاتے ہیں۔ ۱۔ کرنٹ اکاؤنٹ، ۲۔ سیونگ اکاؤنٹ۔

کرنٹ اکاؤنٹ ایک طرح سے امانتی اکاؤنٹ ہوتا ہے، جتنی رقم جمع کرائی جائے اتنی ہی رہتی ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی (ماسوا بینک اخراجات کی کٹوتی کے) اس اکاؤنٹ میں رقم محض حفاظتی نقطہ نظر سے رکھی جاتی ہے اور اکاؤنٹ ہولڈر بوقتِ ضرورت رقم نکلوا لیتا ہے۔

سیونگ اکاؤنٹ میں رکھی گئی رقم پہ ماہانہ یا سالانہ منافع دیا جاتا ہے، بینک مختلف رقوم پہ مختلف شرح سے کھاتہ دار کو منافع فراہم کرتا ہے۔ عموماً لوگ اپنی بھاری رقوم، حصولِ منافع کی خاطر محدود مدت کے لیے اکاؤنٹس میں فکس کرا دیتے ہیں اور منافع بینک سے وصول کر کے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت میں یہ منافعہ نہیں ہوتا بلکہ رباء یا سود ہوتا ہے۔ بینک لوگوں کی رقوم کمپنیوں کو بطور قرض فراہم کرتا ہے، اور سود وصول کرتا ہے، اسی سود کا ایک حصہ بینک خود استعمال کرتا ہے اور ایک حصہ ان کھاتہ داروں کو دیتا ہے جنہوں نے سودی اکاؤنٹ میں رقوم جمع کرائی ہوئی ہوتی ہیں۔ یوں بہت سے لوگ سودی منافع حاصل کرتے رہتے ہیں۔

رباء اور سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور سود خوروں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دشمن قرار دیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں سود خور پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سود خوری کو حقیقی ماں کے ساتھ بدکاری جیسا عمل قرار دیا ہے۔ سود کی وجہ سے قحط اور متعدی امراض کی نحوستیں، بے برکتی اور معاشرہ میں بدامنی بھی جنم لیتی ہے، دعاؤں اور عبادتوں کی عدمِ قبولیت اور حرام مال سے نشو ونما حاصل کرنے والے جسم کا دوزخ میں جلنا بھی سود کی نحوستوں میں شامل ہے۔ رزقِ حرام، سود و جوا کی کمائی کے نتیجے میں بیوی اور اولاد کی بغاوت و نافرمانی بھی ڈھکی چھپی نہیں۔

انعامی بانڈز:

حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً بانڈز جاری کیے جاتے ہیں، مختلف مالیت کے یہ بانڈز رقوم جمع کروا کر حاصل کیے جاتے ہیں، بانڈز کے بدلے جمع کرائی گئی رقم قابلِ واپسی ہوتی ہے، لیکن حکومت یا متعلقہ ادارے بانڈ ہولڈرز کے ناموں کی قرعہ اندازی کرتے ہیں، قرعہ اندازی میں جن لوگوں کے نام نکل آئیں انہیں بھاری وقیمتی انعامات دیے جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ انعامات بھی سود اور حرام ہیں، ان انعامات کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت پرائز بانڈز سے لی گئی رقم (قرض) پر دے کر سود وصول کرتی ہے، ان تمام لوگوں کے سود کو جمع کیا جاتا ہے اور پھر قرعہ اندازی کر کے چند لوگوں کو تمام بانڈز ہولڈرز کا سود دے دیا جاتا ہے، یہ معاملہ ابتداء سود اور انتہاء

قمار و جوا ہے، یہ انعامات بھی مالِ حرام ہیں، ان سے اجتناب ضروری ہے۔ یہی حکم بینکوں کی کروڑ پتی اسکیمز کا بھی ہے۔ بینک بھی اپنے اکاؤنٹس ہولڈرز کا سود جمع کر کے قرعہ اندازی کے ذریعے چند لوگوں کو سب کا سود دے دیتے ہیں، یہ بھی حرام اور ناجائز ہے۔

لاٹری کی بعض حرام صورتیں:

کچھ افراد یا کمپنیاں مختلف اسکیمیں جاری کرتی ہیں، ان اسکیموں کے تحت رقوم جمع کروانی ہوتی ہیں، پھر قرعہ اندازی کر کے کچھ لوگوں کو انعامات دیے جاتے ہیں، اس کی بعض صورتیں قمار اور جواء ہیں جسے شریعت مطہرہ نے حرام کہا ہے، مثلاً:

۱)۔ لوگ ایک شخص کے پاس دو دو سو روپے جمع کرواتے ہیں، یہ شخص ان لوگوں کے ناموں کی قرعہ اندازی کرتا ہے، جس کا نام نکل آئے اسے ایک لاکھ روپے انعام دے دیا جاتا ہے، یہ انعام حقیقت میں جواء اور حرام ہے کیونکہ ایک جانب سے 200 روپے کی ادائیگی یقینی ہے اور دوسری جانب سے انعام کا نکلنا غیر یقینی ہے، ایک کا انعام نکل آئے گا باقی تمام اپنی اپنی رقوم سے محروم ہو جائیں گے، یہ "معلق علی الخطر" ہے، اسی کو قمار یا میسر کہتے ہیں اسی کا نام جواء ہے، جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

۲)۔ پیسے کمانے کا ایک نیا طریقہ یہ ہے کہ ایئر پورٹس وغیرہ پر گاڑی کھڑی کر دی جاتی ہے اور 500 روپے کے ٹکٹ فروخت ہو رہے ہوتے ہیں، ان ٹکٹ ہولڈرز کی قرعہ اندازی کر کے گاڑی ایک شخص کو دے دی جاتی ہے یہ بھی قمار و جواء ہے، اس سے حاصل ہونے والا رزق، رزقِ حرام ہے۔

بیمہ یا انشورنس:

عموماً معاشرہ میں مختلف کمپنیاں تین قسم کے بیمے کرتی ہیں۔

۱)۔ لائف انشورنس (Life Insurance)

۲)۔ گڈز انشورنس (Goods Insurance)

۳)۔ تھرڈ پارٹی انشورنس (Third Party Insurance)

لائف انشورنس یا زندگی کے بیمہ میں لوگ کمپنی کے پاس قسطیں یا پریمیم جمع کرواتے ہیں، کمپنی کے بقول یہ قسطیں اکاؤنٹ میں جمع ہوتی رہتی ہیں، یہ قسطیں پارٹی کی صحت کے پیش نظر اندازہ کر کے محدود سالوں مثلاً دس سال یا آٹھ سال تک جمع کروائی جاتی ہیں، اگر اس مدت میں پارٹی کا انتقال ہو جائے تو کمپنی ورثاء کو قسطوں سے زیادہ رقم ادا کرتی ہے اور اگر متعین مدت میں اس شخص کا انتقال نہ ہو تو قسطوں کے ذریعے جمع کرائی گئی رقم بمعہ سود کے واپس مل جاتی ہے۔ یہ صورت اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں غرر ہے، پارٹی کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے جو رقم جمع کرائی ہے اسے واپس کتنے ملیں گے، مدتِ مقررہ میں فوت ہو جانے کی صورت میں لاکھوں اور بعد میں کم ملتے ہیں، تو معقود علیہ یا معاوضہ مجہول ہے، اگر ہزاروں جمع کرائے اور واپس لاکھوں ملے تو یہ سود ہے، اس لیے ناجائز ہے، تو گویا ایک صورت میں غرر اور دوسری صورت میں غرر بھی ہے اور سود بھی۔

گڈز انشورنس یا اشیاء کے بیمہ میں مکان، گاڑی، جہاز، جہاز کے سامان، کھلاڑیوں کے اعضاء وغیرہ کا بیمہ کرایا جاتا ہے، گاڑی، مکان وغیرہ کے حادثہ یا کھلاڑی کے عضو کے تلف ہونے کی صورت میں کمپنی نے بیمہ شدہ سامان یا گاڑی وغیرہ کا معاوضہ ادا کرنا ہوتا ہے اور پارٹی ماہانہ اقساط جمع کرانے کی پابند ہوتی ہے۔ اگر حادثہ پیش نہ آئے تو جمع شدہ پریمیم واپس نہیں ملتیں اور حادثات کی صورت میں جمع شدہ رقم سے کئی گنا زیادہ مل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ معلق علی الخطر ہونے کی وجہ سے جوا بھی ہے، یہ غرر بھی ہے، اس لئے یہ حرام اور ناجائز ہے۔

تھرڈ پارٹی انشورنس یا ذمہ داری کا بیمہ کا مطلب یہ ہے کہ پارٹی ماہانہ اقساط بیمہ کمپنی کو جمع کرائے گی اور بیمہ کمپنی پارٹی کی جانب سے تھرڈ پارٹی کو مالی ذمہ داری ادا کرے گی، جس ذمہ داری کے پارٹی پہ ناگہانی طور پر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے، مثلاً گاڑی سے حادثہ ہوا نتیجہ میں بندہ فوت ہو گیا، گاڑی والے کے ذمہ اس متوفی کی دیت ادا کرنا ہے، اس کار مالک نے تھرڈ پارٹی انشورنس کرائی ہوتی ہے کہ دیت بیمہ کمپنی ادا کرے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت بھی تعلیق علی الخطر ہے، ایک جانب سے ادائیگی یقینی اور دوسری جانب سے موہوم ہے، اسی کا نام قمار یعنی جواء ہے اور یہ غرر بھی ہے لہٰذا بیمہ کی مذکورہ بالا صورتیں پاکستان میں حرام و ناجائز ہیں۔

مروّجہ موٹر سائیکل لاٹری:

کچھ عرصہ سے ملک کے طول وعرض میں بذریعہ لاٹری وقرعہ اندازی موٹر سائیکل وغیرہ کی خرید وفروخت کثرت سے ہورہی ہے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص یا کمپنی موٹر سائیکل کی سکیم شروع کرتی ہے،سو یا دوسو ممبرز رجسٹر کیے جاتے ہیں،ہر ممبر کے ذمہ 1000 روپے ماہانہ قسط ہوتی ہے،کمپنی ہر ماہ ممبران کے ناموں کی قرعہ اندازی کرتی ہے،جس ممبر کا قرعہ نکل آئے اسے موٹر سائیکل دے دی جاتی ہے اور بقیہ اقساط اسے معاف ہوجاتی ہیں،یوں کسی ممبر کو پہلے مہینے صرف 1000 روپے میں موٹر سائیکل ملی اور کسی کو دوسرے مہینے 2000 روپے میں،کسی کو پچاس ماہ بعد -/50,000 روپے کا موٹر سائیکل جا ملتی ہے،متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ سواری کے حصول کے لئے دھڑا دھڑ اس سکیم کے ممبر بن جاتے ہیں اور -/1000 روپے ماہانہ قسط آسانی سے جمع کروا لیتے ہیں،انہیں جلدی یا دیر سے موٹر سائیکل مل جاتی ہے۔

موٹر سائیکل یا گاڑیوں کی یہ سکیم بھی سراسر خلافِ شرع اور ناجائز ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے بیع وشراء میں ضروری قرار دیا ہے کہ مبیع (فروخت کیا جانے والا سامان) اجل (مدت ادائیگی) اور معاوضہ (قیمت) معلوم ہوں ان میں سے اگر کوئی چیز بھی معلوم نہ ہو تو یہ معاملہ ناجائز ہوجاتا ہے۔اور اس سکیم میں معاوضہ بھی مجہول ہوتا ہے اور ادائیگی بھی مجہول،اس لئے یہ سکیم خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔نیز اس سکیم میں موٹر سائیکل لینے سے پہلے جو قسطیں ادا کی جاتی ہیں یہ بطور قرض کے ہوتی ہیں،مکمل قسطوں کی ادائیگی سے پہلے قرعہ اندازی کے ذریعے جس کو موٹر سائیکل ملے گی گویا اسے قرض دینے کی وجہ سے فائدہ حاصل ہوگیا،جبکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ قرض دے کر فائدہ حاصل کرنا سود ہے۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حرام سے اجتناب کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین۔

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الْحَرَامَ حَیْثُ کَانَ وَاَیْنَ کَانَ

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ/مارچ 2011ء)

امانت ایک شرعی و انسانی فریضہ!

امانت و دیانت خوبصورت و پاکیزہ انسانی صفات ہیں۔ جنہیں حق تعالیٰ نے صرف انسان میں ہی ودیعت رکھا ہے۔ اسی امانت کی وجہ سے انسان صاحبِ عزّ و شرف اور حاملِ قرآن و دین ٹھہرا ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولًا۝ (الاحزاب:۷۲)

ترجمہ: ”ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا، اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھالیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم، بڑا نادان ہے۔“

مذکورہ بالا آیت بتا رہی ہے کہ جملہ مخلوقات میں سے حضرت انسان ہی کو امانت و دیانت کا فریضہ ودیعت ہوا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی انسان وہی ہے جو امانت کی پاسداری کرتے ہوئے امین ہو، نیز امانت کی پاسداری نہ کرنے والا اور خائن، انسان کہلانے کے قابل نہیں ہے۔ امانت، معاشرہ کا حسن اور انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہے۔ امانت کے بغیر انسان معاشرہ کے لیے بدنما داغ ہے۔ اس سے قبل کہ امانت سے متعلق قرآن وسنت کی نصوص اور دین کی ہدایات، ہم جانیں، ضروری ہے کہ امانت کی تعریف اور توضیح بھی نذرِ قارئین کر دی جائے۔

اہلِ علم کے نزدیک ”امانت انسان کے اپنی ہمہ قسم ذمہ داری خواہ قول سے ہو یا فعل سے پوری کر دینے کا نام ہے“۔ امانت میں جہاں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی شامل ہے وہاں بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے۔ امانت کے مفہوم میں ہر صاحبِ حق کے حق کی ادائیگی کا اہتمام داخل ہے نیز اپنے آپ کو ہر منکر و حرام سے محفوظ رکھنا بھی امانت ہے۔

امانت کے اس مفہوم کے تحت مزدور، کارخانہ دار، مزارع اور کاشتکار، مالک اراضی، آجر، مستاجر، غریب، امیر، حاکم، رعایا، والدین، اولاد، پڑوسی، رشتہ دار، قرابت دار، استاذ، شاگرد، چھوٹا بڑا اور مرد و زن سبھی کے لیے دوسروں سے متعلق حقوق کی ادائیگی کا نام امانت ہے۔ اگر کوئی بھی مرد و زن اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتے، خواہ اپنے بول و زبان کو نہ نبھائے یا اپنے عمل سے اپنے فریضہ میں کوتاہی کرے، دوسروں کا حق تلف کرے، اپنی ذمہ داریوں سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ نہ ہو یا بدعنوانی کا مرتکب ہو تو یہ خیانت اور جدید اصطلاح میں کرپشن ہے ایسا شخص خائن یا کرپٹ کہلاتا ہے۔

دیانت و امانت کی اہمیت تو ابتدائے آفرینش سے چلی آ رہی ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو ادائے امانت کی تاکید فرمائی اور خیانت و بدعنوانی کو جرم قرار دے کر اس فعلِ بد کے ارتکاب کرنے پر عذابِ خداوندی سے ڈرایا۔ چنانچہ قرآنی تصریحات کے مطابق حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت اسی بناء پر ہوئی کہ وہ خیانت اور مالی بدعنوانیوں میں مبتلا تھے۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدائشی صادق و امین ٹھہرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو منصب نبوت عطا کیے جانے سے قبل ہی صادق و امین کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ظاہری طور پر نبوت بعد میں اور دیانت و امانت و صداقت پہلے عطاء کی گئی۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی خاص طور پر امین کا لقب عطا کیا گیا۔ ہر رسول نے اپنی قوم سے فرمایا: ''اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ'' میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امانت و صداقت کے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالفین بھی معترف تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شاہانِ عالم کو تبلیغی خطوط ارسال فرمائے، ان میں ایک خط اس وقت کی عالمی مضبوط ترین طاقت روم کے بادشاہ کو بھی تحریر فرمایا۔ ہرقل روم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احوال جاننے کے لئے مکہ سے شام آئے ہوئے قریشی تاجروں کو اپنے پاس بلا کر چند سوالات کیے اور حضرت ابوسفیانؓ کی سربراہی میں آئے ہوئے ایک قافلہ کو سامنے بٹھا کر ان سے جوابات چاہے۔ اس نے دیگر

سوالات کے ساتھ ایک سوال یہ بھی کیا: هل یغدر ...... کیا وہ شخص عہد شکنی بھی کرتا ہے؟

تو جواب میں جناب ابوسفیان ؓ ...... جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور مشرکین مکہ کے سردار تھے...... گویا ہوئے: لا، نہیں! وہ عہد شکن نہیں ہیں۔ اس پر شاہِ روم ہرقل نے کہا، و کذلك الرسل لا تغدر ...انبیاء ورسل (علیہم السلام) عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امت کو ہمیشہ قولی وعملی طور پر دیانت وامانت کی تاکید فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ہر خطبہ میں دیانت کا یہ پیغام اُمت کو مرحمت فرمایا:

لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهُ...

(مسند احمد)

''جس میں امانت نہیں، اس کا ایمان ہی نہیں''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے تاریخی اور اہم ترین خطبہ ''خطبہ حجۃ الوداع'' میں بھی اس فریضہ کی جانب امت کو متوجہ فرمایا۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ اَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَى مَنِ ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا

(احمد، دارمی)

''جس کے ذمہ کوئی امانت ہو، وہ صاحبِ امانت کو امانت ادا کردے''۔

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی علامات بیان فرمائی ہیں، ان میں ایک علامت یہ بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ (مومنون:۸)

''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں''۔

امین وامانت کے پاسداران کو ہی جنت کا مستحق ٹھہرایا گیا جبکہ اس کے برعکس خائن کو خیانت کے جرم کی وجہ سے دوزخی قرار دیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ، وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (آلِ عمران:۱۶۱)

"اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے، اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔"

غزوۂ اُحد میں کچھ صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقرر کردہ مقام کو جنگ فتح ہونے پر چھوڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو وقتی ہزیمت اٹھانی پڑی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شاید تم نے اس خطرہ کے پیش نظر مرکز کو چھوڑا کہ شاید مال غنیمت کچھ لوگوں کو مرحمت کیا جائے گا! اس پر مذکورہ بالا آیت کا نزول ہوا، جس میں صراحت کی گئی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس خیانت کے مرتکب نہیں ہو سکتے کہ ناانصافی کرتے ہوئے کچھ لوگوں کو عطا فرمائیں اور کچھ کو محروم کر دیں۔ جو کوئی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے وہ مال خیانت کے ساتھ روزِ محشر اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوگا۔

بددیانتی اور خیانت پر سزا کی تفصیل احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ، گائے، بکری، سونا، چاندی الغرض ہر چیز کا چور اِن چیزوں کو کندھے پہ اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا اور یہ اشیاء اپنے چور اور خائن کو اپنے تلے روندیں گی۔

ایک حدیث میں مِدعم نامی غلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، یہ غلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بنی خباب نے ہدیہ کیا تھا۔ غزوۂ خیبر سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وادیٔ قریٰ کی جانب متوجہ ہوئے، ایک جگہ قافلہ کے ساتھ ٹھہرنے کا ارادہ فرمایا، یہ غلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اونٹنی سے کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک ایک گمنام تیر آن پہنچا، یہ تیر اس غلام کو پیوست ہوا اور یہ شخص راہیٔ اجل ہو گیا۔ لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس شخص کو شہادت مبارک ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گویا ہوئے: "ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وہ چادر جو اس نے خیبر کے روز مالِ غنیمت سے قبل از تقسیم لے لی تھی، اس پر دوزخ کے شعلے بھڑک رہی ہے۔" لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان سنا تو ایک شخص

ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر حاضر ہوا، کہ میں نے یہ تسمے لے لئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک تسمہ بھی دوزخ سے ہے اور دو تسمے بھی دوزخ سے ہیں" ......

[صحیح بخاری: ج ۲ ص ۸۴]

قارئین! یہ غلام جس نے مالِ غنیمت سے صرف ایک چادر رکھ لی تھی اس پر اسے اس قدر سزا دی گئی، وجہ اس کی یہ تھی کہ مالِ غنیمت میں اگرچہ اس شخص کا بھی حصہ تھا لیکن یہ غنیمت کا مال تا ہنوز تقسیم نہ ہوا تھا، قبل از تقسیم غنیمت یا اجتماعی مال میں ہر شخص کا حصہ ہوتا ہے۔ گویا اس چادر میں جملہ مجاہدین کا حصہ تھا جو اس شخص نے لے لیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے لیے وعید بیان فرمائی۔ یہی حکم وقف، حکومت اور اداروں کے مال کا ہے۔ یہ اجتماعی مال ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے لوگوں کا حصہ وحق ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایک ملازم، افسر یا چوکیدار اس مال کو ہڑپ کر لے تو اسے بھی حدیث مذکور کی رو سے اس عمل کا وبال جان لینا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیانت وامانت کے بارے میں نہایت ہی حساس تھے، چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے کہ:

"ایک شخص غزوۂ خیبر میں وفات پا گیا، لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اپنے ساتھی کا تم ہی جنازہ پڑھ لو (آپؐ نے جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا) اس پر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے، راویٔ حدیث حضرت زید رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا، تمہارے ساتھی نے راہِ خدا میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس متوفی کا سامان کھولا تو اس میں سے یہودیوں سے حاصل شدہ دو درہم قیمت کا ایک ہار ملا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بددیانتی اور خیانت پر اس قدر سختی فرمائی کہ ایک مرتبہ خیانت کرنے والے شخص کا مال تک جلوا دیا، اور یہی عمل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

[تفسیر قرطبی]

اللہ تعالیٰ نے جملہ مسلمانوں کو ادائے امانت کی تاکید فرمائی اور عدل و انصاف کے نفاذ پر زور دیا:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ (النسآء: ۵۸)

"(مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے"

اس آیت کا نزول فتح مکہ کے روز ہوا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کی چابی خانہ کعبہ کے کلید بردار "عثمان بن طلحہ" سے لے لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاتھ بڑھا کر چابی کا تقاضا کر لیا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو بلا کر چابی ان کے حوالہ کی اور ارشاد فرمایا یہ چابی اب ہمیشہ تمہارے خاندان میں ہی رہے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرٹ اور امانت کی پاسداری کی عملی طور پر اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اقرباء پروری سے اجتناب فرمایا۔

آج معاشرہ بددیانتی، خیانت اور کرپشن کی راہوں پر گامزن ہے جس کی وجہ سے پوری قوم دنیا بھر میں نہ صرف بدنام، ناقابلِ اعتبار اور دنیا کی نظر میں بے وقعت ہوگئی ہے بلکہ بدامنی، فساد اور خونریزی جیسی لعنتیں ہمارے مقدر کا حصہ بن چکی ہیں۔ آج حاکم و محکوم، غریب و امیر سبھی اس انسانی اور شرعی فرض سے غافل ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے اس خوبصورت حکم کو اپنا کر دنیا بھر میں اپنا نام روشن کریں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کریں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" محرم الحرام ۱۴۳۶ھ/نومبر 2014ء)

بد دیانتی کے دنیوی اور اُخروی نقصانات

اس وقت ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ کرپشن یعنی بدعنوانی، خیانت، رشوت، لوٹ مار، کمیشن خوری، ملاوٹ، دھوکہ دہی، چوری، ڈکیتی اور ناجائز کمائی ہے، اس بدعنوانی نے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا اور وطن عزیز کو کمزور سے کمزور تر کر دیا ہے، ادارے تباہ اور ملک بدنام ہو کر رہ گیا ہے۔ حکمران اور عوام دنیا میں اپنی ساکھ کھو چکے ہیں، کوئی ملک ہو یا ادارہ، فرد ہو یا کمپنی، پاکستانیوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پاکستانی سبز پاسپورٹ نفرت کا نشان بن کر رہ گیا ہے، دنیا کے بیشتر ممالک اس قومی بدنامی کی وجہ سے پاکستانیوں کو ویزا تک دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، امیگریشن حکام واہلکار پاکستانی پاسپورٹ دیکھتے ہی اپنے تیور بدل لیتے ہیں، پاکستانیوں کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے، اندرون ملک بدعنوانی کا یہ سیلاب اتنی تیز رفتاری سے رواں دواں ہے کہ چپڑاسی سے لے کر صدر مملکت تک، نجی اداروں سے لے کر سرکاری وحکومتی محکموں تک سبھی اس کا شکار نظر آتے ہیں، عوام وخواص اس وبائے عام میں مبتلا ہیں، ادارے اور جماعتیں سبھی متاثر ہیں، صورت حال یہاں تک خراب ہو چکی ہے کہ دیانت وامانت کا پاس رکھنے والے فرد کو معاشرہ قبول کرنے کو تیار نہیں، اداروں میں ایسے پاکباز شخص کو ماتحت افراد کی جانب سے مخالفتوں اور مافوق شخصیات (افسران بالا) کی جانب سے دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ شاید میں مجنون واحمق ہوں یا گویا کہ یہ سب ٹھیک ہیں اور میں راہِ بد پہ چل نکلا ہوں۔

آج سے چند سال قبل تک ملک کے اکثر محکمے اچھی شہرت کے حامل تھے، پولیس اور مال کے محکمے اگرچہ بدنام تھے مگر ان میں بھی اچھے لوگوں کی کمی نہ تھی، بدنام ترین پولیس افسر بھی قتل جیسے مقدمات میں بدعنوانی سے گھبرایا کرتا تھا، محکمہ مال میں بھی تلاش کرنے سے اچھے لوگ بکثرت مل جایا کرتے تھے، آج عالم یہ ہے کہ محکمۂ پولیس کے افسران بالا، ذیلی ملازمین سے ماہانہ رقم کا تقاضا ہی نہیں کرتے بلکہ ماتحتوں کا فرض سمجھتے ہیں، اس رقم کے حصول کے لیے ذیلی

افسران رشوت وبدعنوانی کوذریعہ بنا کر اپنا پیٹ بھی بھرتے ہیں اور افسران بالا کی جیبیں بھی گرم کر کے اپنے اوران کے لیے آتش جہنم بھڑکاتے ہیں، اس مقصد کے لیے قتل وغارت گری، ڈکیتی اور دہشت گردی جیسے جرائم سے صرف نظر کر کے مقتولین کے ورثاء کو بھی قاتلوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، محکمہ مال میں بیوگان، یتیموں، غریبوں اور لاچاروں کی اراضی کا ناجائز انتقال درج کر کے اس پر قبضہ تو عام تھا اب ہزاروں ایکڑ سرکاری اراضی تک ہتھیا لینا اور افسران بالا سے ساز باز کر لینا معمول بن چکا ہے۔

صوبائی محکموں میں محکمہ انہار اور محکمہ صحت بھی محکمہ مال اور پولیس سے پیچھے نہیں رہے، اسی طرح محکمہ بلدیات تو اس دوڑ میں بہت ہی سبک رفتار ثابت ہو رہا ہے، ترقیاتی کام کاغذوں میں ہوتے ہیں اور کروڑوں روپے ٹھیکیدار اور افسران کی جیبوں میں چلے جاتے ہیں، کئی سڑکیں متعدد بار کاغذوں میں بنیں لیکن اللہ کی زمین پر ان کا وجود نظر نہیں آتا، کمیشن مافیا نے ترقیاتی منصوبوں کا معیار جس طرح خاک میں ملایا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، بدعنوانی اس حد تک سرایت کر گئی کہ ایک لاکھ روپے کے ترقیاتی منصوبہ میں سے بمشکل پچیس سے تیس ہزار روپے منصوبہ پر خرچ ہوتے ہیں، باقی ٹھیکیدار، انجینئر، بلدیہ کے چیف افسر، ایڈمنسٹریٹر یا ناظم کا حق سمجھا جاتا ہے، اب تو یہ داغ ایم۔ پی۔ اے، ایم۔ این۔ اے اور وزراء تک جا پہنچا ہے۔

محکمہ صحت کی ''بیماری'' بھی عیاں ہے، ہسپتال کی مشینری اور عمارت کا غلط استعمال اور مفت فراہم کی جانے والی ادویات کی فروختگی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، ملٹی نیشنل کمپنیوں سے لاکھوں کے کمیشن لے کر بلا ضرورت اور مہنگی ادویات کی تجویز ڈاکٹروں کا وطیرہ بن چکا ہے، دوائیوں کی کمپنیوں کی جانب سے ڈاکٹر حضرات کو غیر ملکی دورہ جات، گھریلو سامان کی فراہمی، نقد رقوم کا ہدیہ جیسی رشوتیں گناہ ہی نہیں سمجھی جاتیں، علی ہذا القیاس باقی محکموں کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

وفاقی اداروں میں ریلوے اور ''پی آئی اے'' کی بدحالی پر پوری قوم نوحہ کناں ہے، دنیا بھر میں کسی بھی ملک میں ریلوے کی ایسی خستہ حالی نہیں جتنی پاکستان میں ہے، چلتی ٹرین کا راستہ میں ڈیزل ختم اور پہیہ جام ہو جاتا ہے، چلتی ٹرینوں میں پانی اور بجلی مفقود ہوتی ہے، مسافر بے چارے قفس میں بند پرندے کی طرح تڑپنے اور تڑپ تڑپ کر کڑھنے کے سوا کچھ نہیں کر

پاتے، اب تو ریلوے کی بندش کی نوید بھی کان میں پڑ رہی ہیں، پی ائی اے کے خستہ حال جہاز اور رشوت ستانی کے ذریعے بھرتی کیے گئے افسر اور پائلٹ پی آئی اے میں سفر کرنے والوں کو کلمہ پڑھنے اور وصیت لکھنے کا پیغام دے رہے ہیں۔ بجلی و پانی کے محکمے کے مظالم بھی اپنی انتہا کو پہنچ چکے ہیں، اس پورے محکمے کو بدعنوانی نے بے رحم بنا دیا ہے، سوئی گیس، پی آئی اے، محکمہ ڈاک، محکمہ اطلاعات سبھی لائق توجہ ہیں، اعلیٰ عدلیہ کے چند نیک نام ججوں کے علاوہ عدلیہ بھی اس حمام میں دوسروں جیسی ہی بن کر رہی گئی ہے، میڈیا پر تو قلم چلاتے ہوئے بھی قلم میں کپکپاہٹ طاری ہوتی ہے، قلم و قرطاس کی حرمت کو بھی بدعنوانی نے داغدار کر دیا ہے، جملہ وفاقی و صوبائی حکومتیں بھی اس میدان میں بدنام اور داغدار بن کر رہ گئی ہیں، عوام الناس کا حال یہ ہے کہ کوئی کسی سے قرض لے کر واپس کرنے کو تیار نہیں، ڈکیتیاں اتنی عام ہیں کہ کوئی علاقہ اور کوئی گھنٹہ خالی نہیں، موبائل فون سے لے کر گاڑی کے غصب بالجبر تک تمام وارداتیں عام ہیں، گویا کہ پوری قوم اس مرض کی مریض بن کر رہ گئی ہے، بدعنوانی کے دنیوی نقصانات سے تو پوری قوم ''عین الیقین'' کی حد تک آگاہ ہو چکی ہے، اُخروی نقصانات کا اندازہ درج ذیل قرآنی آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واضح ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (آل عمران:۱۶۱)

''اور کسی نبی سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا، جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔''

اسی مناسبت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک ایسی حدیث ہے جسے پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْغُلُولَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ قَالَ لَا أُلْفِيَنَّ

أَحَدَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ عَلَى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ وَعَلَى رَقَبَتِهِ بَعِيرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ وَعَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ أَوْ عَلَى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ"

(صحیح بخاری: ۳۰۷۳، صحیح مسلم: ۱۸۳۱)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر (مالِ غنیمت/سرکاری خزانہ میں) خیانت کا تذکرہ فرمایا، پس اس کو اور اس کے معاملہ کو بہت بڑا ابتلایا، فرمایا: ''قیامت کے دن میں تم میں سے کسی ایک کو ایسا ہر گز نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر ممناتی بکری ہو، اس کی گردن پر ہنہناتا گھوڑا ہو، وہ کہے گا: ''يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي '' (اے اللہ کے رسول مدد فرمایئے) تو میں کہوں گا: میں تیرے لئے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، تحقیق میں نے تجھ تک بات پہنچا دی تھی، (میں ہر گز نہ پاؤں کسی شخص کو کہ) اس کی گردن پر آوازیں نکالتا اونٹ ہو، وہ کہے کہ: ''يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي '' (اے اللہ کے رسول مدد فرمایئے) تو میں کہوں: میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں، تحقیق میں نے تو بات پہنچا دی تھی۔ (میں کسی کو ایسا ہر گز نہ پاؤں کہ) اس کی گردن پر سونے، چاندی کا بوجھ ہو، پھر وہ کہے: ''يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي '' (اے اللہ کے رسول مدد فرمایئے) تو میں کہوں: میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں، تحقیق میں نے تو بات پہنچا دی تھی۔ (میں کسی کو ایسا ہر گز نہ پاؤں کہ) اس کی گردن پر لہراتے کپڑے ہوں، پھر وہ کہے: ''يَا رَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي '' (اے اللہ کے رسول مدد فرمایئے) تو میں کہوں: میں تیرے لئے کسی چیز کا مالک نہیں، تحقیق میں نے تو بات پہنچا دی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ

جب ہزار دو ہزار درہم کی خیانت پر خائن کو روز حشر یہ رقم اٹھا کے لانی پڑے گی تو اس کا کیا حال ہوگا جو سو دو سو اونٹ خیانت کرے، تو فرمایا کہ روزِ حشر تو ایسے شخص کا دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور اس کی بیٹھنے کی جگہ مقام ربذہ سے مدینہ تک پھیلی ہوئی ہوگی، تو وہ کیوں نہ اتنے اونٹوں کو اٹھا کر لا سکے گا۔

(الدر المنثور: ۲/۳۷۵)

بددیانتی اور خیانت کے مرتکب افراد کی قرآن کریم نے جا بجا مذمت اور ان کے لئے وعید بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ○ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ○ (المطففين: ۱،۲،۳)

"بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ لوگوں سے خود کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں اور جب وہ کسی کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ اپنی تفسیر معارف القرآن جلد ۸ ص ۶۹۳ پر رقمطراز ہیں:

"قرآن وحدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے، انہی کے ذریعہ کہا جا سکتا ہے کہ حقدار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ مقصود اس سے ہر ایک حقدار کا حق پورا پورا دینا ہے، اس میں کمی کرنا حرام ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ناپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے کسی کا حق پورا کرنا یا نہ کرنا جانچا جاتا ہے اس کا یہی حکم ہے، خواہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے ہر ایک میں حقدار کے حق سے کم دینا "بحکم تطفیف" حرام ہے۔"

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے رکوع سجدے وغیرہ پورے نہیں کرتا جلدی جلدی نماز ختم کر ڈالتا ہے، تو اس کو فرمایا لَقَدْ طَفَّفْتَ یعنی تو نے اللہ کے حق میں "تطفیف" کر دی، فاروق اعظمؓ کے اس قول کو نقل کر کے حضرت امام

مالکؒ نے فرمایا "لکل شیٔ وفاء و تطفیف" یعنی پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے، یہاں تک کہ نماز، وضو، طہارت میں بھی اور اسی طرح دوسرے حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کوتاہی کرنے والا "تطفیف" کرنے کا مجرم ہے، اسی طرح حقوق العباد میں جو شخص مقررہ حق سے کم کرتا ہے وہ بھی "تطفیف" کے حکم میں ہے، مزدور، ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے اُس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے، وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرف میں معمول ہے اس میں سُستی کرنا بھی "تطفیف" ہے، اس میں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہلِ علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا، اعاذنا اللہ منہ

قرآن کریم نے سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی ایک وجہ مالی بددیانتی اور خیانت بھی ارشاد فرمائی ہے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو بددیانتی کے بارے میں یوں وعظ فرمایا:

وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ۝ (ھود:۸۴)

"اور ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ خوش حال ہو، اور مجھے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمھیں چاروں طرف سے گھیر لے گا۔"

سیدنا شعیب علیہ السلام نے ناپ تول میں کمی، بددیانتی اور خیانت کو فساد سے تعبیر فرمایا، چنانچہ انکا یہ جملہ قرآن کریم میں منقول ہے:

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ (ھود:۸۵)

"اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔"

اور اس کے ساتھ ہی انہیں یہ تلقین فرمائی:

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ۝ (ھود:۸۶)

"اگر تم میری بات مانو تو (لوگوں کا حق ان کو دینے کے بعد) جو کچھ اللہ کا دیا بچ رہے، وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور (اگر نہ مانو تو) میں تم پر پہرہ دار مقرر نہیں ہوا ہوں۔"

لیکن قوم نے بجائے اپنی اصلاح کے سیدنا شعیب علیہ السلام کی دعوت کو اپنے معاملات میں دخل اندازی قرار دیا اور یوں گویا ہوئے:

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ○ (هود:۸۷)

وہ کہنے لگے: "اے شعیب! کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں چھوڑ دیں، اور اپنے مال و دولت کے بارے میں جو کچھ ہم چاہیں، وہ بھی نہ کریں؟"

یہی سوچ آج بھی معاشرہ میں کارفرما ہے، علماء و مشائخ کے وعظ و نصیحت اور سمجھانے کو بہت سے لوگ اپنے نجی معاملات میں مداخلت گردانتے ہیں اور یہی کچھ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا، سیدنا شعیب علیہ السلام برابر قوم کو دیانت و امانت کی تلقین اور بددیانتی و خیانت سے اجتناب کا حکم دیتے رہے، لیکن قوم ٹس سے مس نہ ہوئی، انہوں نے سیدنا شعیب علیہ السلام سے صاف صاف کہہ دیا:

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ○ (هود:۹۱)

"وہ بولے: "اے شعیب! تمھاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو۔"

حضرت شعیب علیہ السلام کو اشارۃً دھمکی دینے کے ساتھ ساتھ انہوں نے صراحتاً بھی اس تبلیغ سے باز نہ آنے پر رجم و قتل کی دھمکی دے دی:

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ○ (هود:۹۱)

"اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے۔ ہم پر

تمہارا کچھ زور نہیں چلتا۔"

بس پھر وہی ہوا جو مجرم کے ساتھ ہوا کرتا ہے، کرپٹ قوم نے بے باکی سے حضرت شعیب علیہ السلام سے عذاب خداوندی مانگ ڈالا، پھر جو ہوا قرآن کریم کی زبانی معلوم کیجیے:

وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْباً وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِيْنَ ○ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا أَلَا بُعْداً لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ○

(ھود: ۹۵،۹۴)

"اور (آخرکار) جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے شعیب کو اور اُن کے ساتھ جو ایمان لائے تھے، ان کو اپنی خاص رحمت سے بچا لیا، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، انہیں ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں اس طرح اوندھے منہ گرے رہ گئے۔ جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو! مدین کی بھی ویسی ہی بربادی ہوئی جیسی بربادی ثمود کی ہوئی تھی۔"

اس آسمانی چیخ و پکار پر پوری قوم ساکن و ساکت اور دم بخود رہ گئی اور اس کی ہولناکی سے سب لوگ ہلاک ہو گئے۔

کرپشن کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اس کی نحوست سے پیداوار میں کمی اور قحط و بحران پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ یہ حدیث ہماری عقل سے پردہ ہٹانے کیلئے کافی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوْذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، حَتَّى يُعْلِنُوْا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ، إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ، وَشِدَّةِ الْمَؤُوْنَةِ، وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ،

وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ، إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ.

(سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۹)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ گے...... اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ...... اعلانیہ فحاشی جب بھی کسی قوم میں ظاہر ہوتی ہے تو (اس کی پاداش میں) ان کے درمیان طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے پچھلے بڑوں میں نہیں پائی جاتی تھیں، اور نہ ہی کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، مگر انہیں پکڑا جاتا ہے خشک سالی، سخت مشقتوں اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے، اور نہیں روکتے لوگ اپنے مالوں زکوٰۃ کو مگر (اس کی پاداش میں) ان سے بارش روک لی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر جانور نہ ہوں بارش بلکل ہی نہ برسے، اور نہ ہی کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے توڑتی ہے مگر (اس کی سزا کے طور پر) ان پہ ان کا بیرونی دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے جو ان کی ملکیتی و مقبوضہ اشیا چھین لیتے ہیں، اور جب قوم کے بڑے کتاب اللہ کے ذریعے فیصلے نہیں کرتے تو اللہ ان کے درمیان آپس کی جنگیں ڈال دیتے ہیں۔"

ایک دوسری روایت سیدنا بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مروی ہے:

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا نَقَضَ قَوْمٌ الْعَهْدَ قَطُّ إِلاَّ كَانَ الْقَتْلُ بَيْنَهُمْ، وَمَا ظَهَرَتْ فَاحِشَةٌ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ، وَلَا مَنَعَ قَوْمٌ الزَّكَاةَ إِلَّا حَبَسَ اللهُ عَنْهُمُ الْقَطْرَ

(السنن الکبری للبیہقی وفی ذیلہ الجوہر النقی ۳/۳۴۶)

"حضرت بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والدِ محترم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو لوگ عہد و پیمان کی مخالفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے ان میں قتل و غارت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور فحاشی پھیل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر موت کو مسلط کر دیتے ہیں اور جو لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک دیتے ہیں۔"

ہمارے ملکی بحران، بجلی اور گیس کی کمی، بدامنی اور دہشت گردی کا حقیقی سبب ان احادیث سے بخوبی واضح ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک غلام ایک جنگ میں غنیمت کی چادر میں خیانت کا مرتکب ہو کر دشمن کے حملہ میں راہی اجل ہوا، لوگوں نے اس کے حصول جنت پر مبارک باد دی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ چادر میں خیانت کی وجہ سے آگ کے شعلے اس کو لپیٹیں گے، لوگوں نے کہا کہ مالِ غنیمت میں سے کچھ چیزیں تقسیم سے پہلے ہم نے لی ہیں، فرمایا:

شِرَاكٌ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ

(صحیح بخاری: ۴۲۳۴)

"کسی نے ایک تسمہ چرایا یا دو تسمے اٹھائے وہ جہنم میں جائے گا۔"

معلوم ہوا کہ کرپشن، دنیا و آخرت میں ہلاکت، ذلت، قلت اور بحران کا باعث ہے، رشوت خور افسر، سود خور تاجر، جوئے باز مالدار نیز چوری ڈکیتی کا مجرم، سرکاری اور مشترکہ مال میں خیانت کا مرتکب ذمہ دار جو کمائی کرتا ہے حقیقت میں وہ کمائی اس کے اور اس کے اہل خانہ کی بربادی کا باعث ہوتی ہے، تجربہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اولاد بدکار و بد چلن اور اہل خانہ باغی ہوتے ہیں، علاوہ ازیں دنیا میں مقدمات، امراض اور مصیبتوں میں ابتلاء مستقل اذیت کا باعث ہوتا ہے جبکہ آخرت کی رسوائی اور تکلیف تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ/ اکتوبر 2012ء)

کرونا وائرس وبا
اسباب، سدباب، طریق علاج

جنوری 2020ء سے چائنا کے شہر ''ووہان'' سے پھیلنے والی وبائی مہلک مرض ''کرونا وائرس'' آفت بن کر دنیا میں پھیل چکی ہے، اس متعدی بیماری کی وجہ سے ہلاکتوں میں دن بہ دن نہ صرف اضافہ ہوتا جارہا ہے، بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ بیماری شہروں اور ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لیتی جارہی ہے۔ بڑھتی ہوئی اس بیماری کے علاج کے لیے دنیا، بالخصوص پاکستان کے پاس، اس وبا میں مبتلا لوگوں کے لیے ہسپتال، ادویات اور ساز و سامان کی قلت ہے۔ چائنا کے بعد اس وبا سے سب سے زیادہ اٹلی متاثر ہوا ہے، جہاں روزانہ سینکڑوں ہلاکتیں ہو رہی ہیں، حکمران اس ہلاکت خیز وبا کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایران، فرانس، جرمنی، ہانگ کانگ سمیت 166 ممالک اس مرض کے حملوں کا شکار ہیں۔

23 جنوری 2020ء میں اس وبا کی چائنا میں دریافت ہوئی اور 7 مارچ 2020ء تک صرف 44 روز میں، دنیا میں ایک لاکھ مریض رجسٹرڈ ہوئے۔ آج بوقت تحریر مورخہ 22 مارچ تک تین لاکھ سے زائد مریض دنیا بھر میں رجسٹرڈ ہو چکے ہیں۔ مضمون قارئین تک پہنچنے کے وقت تک نہ جانے کتنے مریض بن چکے ہوں گے۔ دنیا بھر میں اس مرض کی وجہ سے اس قلیل عرصہ میں پندرہ ہزار سے زائد افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ پاکستان میں مؤرخہ 26 فروری کو ایران سے آنے والے زائرین میں پہلا کیس رجسٹرڈ ہوا، ان زائرین اور ان سے متاثر دیگر افراد کی وجہ سے تادم تحریر پانچ ہزار چھ سو پچاس مشتبہ مریض، جبکہ آٹھ سو تین تشخیص شدہ مریض بن چکے ہیں، اب تک پاکستان میں اس مرض کی وجہ سے تین اموات بھی ہو چکی ہیں۔ جس تیزی کے ساتھ یہ وبا پھیل رہی ہے، خطرہ محسوس کیا جارہا ہے کہ بروقت اقدامات نہ ہونے کی صورت میں یہ وبا ملک بھر، بلکہ دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

دنیا بھر کی طرح پاکستان نے بھی اس مرض سے نبرد آزما ہونے کے لیے اقدامات اٹھائے ہیں، جن میں تعلیمی اداروں کی بندش، مدارس اور عصری تعلیمی امتحانوں کی منسوخی، اجتماعات پر پابندی، دفعہ 144 کا نفاذ، سندھ بھر میں لاک ڈاؤن، دوسرے صوبوں میں کاروباری مراکز، شادی ہالز، ہوائی جہازوں، بسوں، موٹروں، ٹرینوں وغیرہ کی بندش، گھر میں رہنے کے احکامات، مختلف حفاظتی تدابیر وغیرہ شامل ہیں، دیگر ممالک میں احتیاطی نقطۂ نظر سے مساجد، حتی کہ حرمین شریفین بند کر دیے گئے ہیں، جو بلاشبہ اہل ایمان اور دردمند مسلمانوں کے لیے اذیت ناک ہے۔

بعض لوگ کرونا وائرس وبا کا موجد امریکا کو قرار دے کر، اسے چائنا اور اس کے اتحادی ممالک کے خلاف معاشی جنگ قرار دے رہے ہیں، تاہم سبب کوئی بھی ہو، بلاشبہ اب یہ ایک عالمی وبا بن چکی ہے، جسے اقوام متحدہ نے بھی عالمی وبا قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا بھر میں خوف وہراس کی فضا قائم ہے، ممکن ہے اس مرض سے کچھ ممالک اپنے سیاسی ومعاشی فوائد بھی حاصل کر رہے ہوں، تاہم اس وبا کو سنجیدگی کے ساتھ لینے کی ضرورت ہے۔

وبا اور امراض کے متعدد اسباب ہوتے ہیں، ظاہری اسباب تو علم ظاہر رکھنے والے حضرات یعنی ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ بتاتے ہیں، جبکہ باطنی، حقیقی اور اصل اسباب وحی کی تعلیمات بتاتی ہیں، جو آسمانوں سے نازل ہوتی ہے، ذیل میں ایسے امراض کے باطنی اسباب کا قرآن وسنت سے جائزہ لیا جا رہا ہے۔

۱)۔ اعلانیہ فحاشی:

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت مہاجرین کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا.

(سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۹)

''جس قوم میں علانیہ فحش کاری کا بازار گرم ہوجائے، اس میں طاعون اور ایسی بیماریاں عام ہوجائیں گی، جو اس سے پہلے ان کے گذشتہ آباء واجداد میں کبھی نہیں تھیں۔''

یاد رہے کہ طاعون بھی وبائی مرض ہے، جو تیزی سے پھیلتا ہے، اور ماضی میں عہد خلفائے راشدین سے لے کر انگریز کے دور تک متعدد بار یہ وبائی مرض ظاہر ہوکر لاکھوں لوگوں کو لقمۂ اجل بنا چکا ہے، حدیث مبارک میں، طاعون کو امم سابقہ کے لیے عذاب الٰہی قرار دیا گیا ہے، بنی اسرائیل میں متعدد بار اس وبا سے ستر ہزار، ایک لاکھ تک لوگ بوجہ فحاشی وعریانی ودیگر معاصی ہلاک ہوئے (بخاری) البتہ! یہ طاعون اور اس جیسے امراض کفار کے لیے عذاب اور مؤمنین ومقربین کے لیے باعث درجات ہوتے ہیں، اس لیے طاعون میں فوت ہوجانے والے شخص کو شہید قرار دیا گیا ہے، ایک حدیث میں ہے:

فَالطَّاعُوْنُ شَهَادَةٌ لِأُمَّتِي وَرَحْمَةٌ لَهُمْ

(مسند احمد: ۳۶۶)

''طاعون میری امت کے لیے شہادت اور رحمت ہے۔''

سنت اللہ یہ ہے کہ جب عذاب خداوندی اترتا ہے، تو وہ کفار وفساق کی وجہ سے اترتا ہے، لیکن اس میں نیک وبد، مسلم وکافر بھی مبتلا ہوتے ہیں، البتہ آخرت میں تفریق کرکے مقربین اور نیکوکاروں کو درجات عالیہ نصیب ہوں گے، معجم طبرانی میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''طاعون میں صبر کرنے والا ایسے ہے، جیسے: میدان جہاد میں جمنے والا اور طاعون سے بھاگنے والا ایسے ہے، جیسے: میدان جنگ سے بھاگنے والا (گناہ گار ہوتا ہے)۔

حاصل یہ ہے کہ اعلانیہ فحاشی وعریانی کے سبب سے ایسی وبائیں اور امراض مسلط کیے جاتے ہیں، جو اثر کے لحاظ سے صرف کفار تک محدود نہیں رہتے، بلکہ ہر انسان، خواہ مسلم ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، ان پر طبعی لحاظ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔

۲)۔ کثرت زنا:

معاشرے میں جب بدکاری وزنا کی کثرت ہوجائے، تو کثرت اموات کی شکل میں

عذاب بھیجا جاتا ہے، چنانچہ مؤطا امام مالک کی ایک روایت میں ہے:

وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمِ الْمَوْتُ

(موطا مالک: ۶۵۴)

"جس قوم میں زنا عام ہو جائے، اس قوم میں اموات زیادہ ہو جاتی ہیں۔"

ام المؤمنین سیدہ میمونہؓ کی روایت مسند احمد میں مذکور ہے، انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں سنا:

"لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا لَمْ يَفْشُ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَإِذَا فَشَا فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَيُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ بِعِقَابٍ"

(مسند احمد: ۳۱۲)

"میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی، جب تک ان میں اولادِ زنا عام نہیں ہو جائے گی۔ جب ان میں ناجائز اولادیں عام ہو جائیں گی، تو اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا"۔

اسی طرح کی ایک حدیث معجم طبرانی میں بھی موجود ہے۔ واضح رہے کہ تیزی سے پھیلتی یہ وبا اور کثرت سے ہوتی اموات بھی، اس پیشین گوئی کا مصداق محسوس ہوتی ہیں۔ بے راہ روی اور بغیر نکاح کے مرد و زن کا برسہا برس سے اختلاط دنیا میں اتنا عام ہے کہ کسی سے مخفی نہیں، کوئی بعید نہیں کہ موجودہ حالات اس بے راہ روی کا نتیجہ ہوں۔

حق تعالیٰ کی نافرمانی:

قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق آنے والی ہر آفت و مصیبت انسانی اعمال بد اور بداعتقادی کا نتیجہ ہوتی ہے، انسانوں کی سرکشی اور معاصی کی کثرت، اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہوا کرتی ہے، چنانچہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے:

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝

(الاعراف: ۱۶۶)

"چنانچہ ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا، جب انہوں نے اس کے خلاف

سرکشی کی تو ہم نے ان سے کہا: جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ"۔

سورۂ زخرف میں ہے:

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ○ (الزخرف ۵۵)

"چنانچہ جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا، تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کر دیا"۔

معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی انتقام خداوندی ہوتا ہے اور انتقام تب لیا جاتا ہے، جب لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ امم سابقہ میں بندر و خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو جانا سرکشی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانیوں پر عذاب کے اترنے کو لوگوں کی جانب سے اپنے آپ پر ظلم قرار دیا ہے:

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ○ (النحل:۱۱۸)

"اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے"۔

سورۂ شوریٰ میں اس مضمون کو مزید تفصیل سے یوں بیان فرمایا:

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ○" (الشوریٰ:۳۰)

"اور تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور بہت سے کاموں سے تو وہ درگزر ہی کرتا ہے"۔

واضح رہے کہ آیات و احادیث میں مذکور آفات، بلایا اور وباؤں کے باطنی اسباب بیان کیے گئے ہیں، یہ اسباب آسمانی علم اور وحی سے ہی معلوم کیے جا سکتے ہیں، جبکہ ظاہری اسباب آنکھوں سے نظر آتے ہیں، یہ اسباب ڈاکٹر اور ماہرین بتایا کرتے ہیں، دونوں اسباب میں کوئی تعارض یا منافات نہیں، جب باطنی اسباب پیدا ہوتے ہیں تو کسی وجہ سے ظاہری اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں، اس لیے کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

سدباب:

کرونا وائرس اور اس جیسے امراض کے سدباب کے لیے، ماہرین کی جانب سے بتائی

گئی احتیاطی تدابیر، دائرہ شریعت میں رہ کر اختیار کرنا بلاشبہ جائز ہے، نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات تدابیر ضروری ہو جاتی ہیں۔ ایسی تدابیر نہ تو کل کے خلاف ہیں اور نہ ہی سنت مطہرہ اور شریعت کے، بلکہ شریعت کے عین مطابق ہیں۔ ہم ذیل میں ایسی تدابیر اور حفاظتی اسباب کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جائزہ لے رہے ہیں:

۱)۔ ماہرین کے بقول کرونا وائرس متعدی مرض ہے، جو ایک سے دوسرے کو جلد منتقل ہو جاتا ہے اور عموماً اس کا تعدیہ ہاتھ ملانے اور ہاتھ سے منہ، ناک، آنکھ کے راستے سے منتقل ہونے سے ہوتا ہے، اسی طرح کسی مبتلائے وبا کے، دوسرے کے سامنے کھانسنے، چھینکنے سے بھی یہ وبا مذکورہ اعضا کے منافذ کے ذریعے جسم میں چلی جاتی ہے۔

بعض لوگ بخاری شریف کی روایت "لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ" (بیماری متعدی ہونے کا نظریہ، بدشگونی، ہامہ اور صفر سے متعلق عقیدہ اسلام میں نہیں ہے) کی بنیاد پر یہ کہہ دیتے ہیں کہ بیماری ایک سے دوسرے کو منتقل نہیں ہوتی، اس لیے وبائی امراض سے محتاط رہنے اور دوسروں سے الگ رہنے کو خلاف اسلام سمجھنے کا تاثر پایا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ تاثر حدیث کے مفہوم و مطلب سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔

اہل علم نے اس حدیث کے ساتھ دیگر مندرجہ ذیل احادیث کو پیش نظر رکھا ہے اور دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق پیش کی ہے، جن کی روشنی میں حدیث مذکورہ بالا کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے:

۱)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا: "وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ"۔ (بخاری) جذام کے مرض رکھنے والے سے ایسے بھاگو جیسے تم شیر سے بھاگتے ہو۔

۲)۔ صحیح مسلم میں عمرو بن شرید ثقفی کی روایت میں ہے کہ بنو ثقیف کا وفد، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس میں ایک شخص جذام (کوڑھ) کے مرض میں مبتلا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کرنا چاہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پیغام بھیجا، ہم نے آپ

کو (زبانی) بیعت کرلیا ہے آپ واپس چلے جائیں۔ (فتح الباری)

۳)۔ امام طبریؒ نے امام زہریؒ کی سند سے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمرؓ نے معیقیب سے فرمایا تھا کہ مجھ سے ایک نیزہ کی مسافت پر بیٹھو۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمرؓ کا یہی معمول تھا۔ (فتح الباری)

۴)۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: جذام کے مرض والے کو مسلسل نہ دیکھو۔

(ابن ماجہ)

۵)۔ سیدنا عبداللہ ابن ابی اوفیؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں، مجذوم سے دو نیزوں کی مسافت سے گفتگو کیا کرو۔ (فتح الباری)

۶)۔ طاعون زدہ علاقے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم کسی زمین میں طاعون کے بارے میں سنو تو اس میں نہ جاؤ اور وہاں سے لوگ باہر نہ آئیں'' (بخاری)

۷)۔ ''لَا یُورِدُ مُمْرِضٌ عَلٰی مُصِحٍّ'' بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے پاس نہ لایا جائے۔

(مسلم)

۸)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے خارشی اونٹ لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے دوسرے اونٹوں سے الگ باندھنے کا حکم فرمایا۔

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص کی بیماری دوسرے تک متعدی ہوسکتی ہے، اس لیے اہل علم نے ''لا عدوی'' والی حدیث کے متعدد مطالب بیان کیے ہیں، جن میں سے ایک راجح مطلب ہدیہ قارئین ہے:

ابن الصلاح اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: جن احادیث میں امراض کے تعدیہ کی نفی ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ امراض میں بالذات یعنی از خود یہ تاثیر نہیں ہوتی کہ دوسرے شخص کو لگ جائیں، البتہ اللہ تعالی کے حکم سے دوسرے کو لگ سکتے ہیں۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمانہ جاہلیت میں پائے جانے والے غلط نظریہ کی نفی اور توحید کا اثبات فرمانا چاہتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں بیماری کو مؤثر حقیقی سمجھا جاتا، نہ کہ اللہ تعالی کو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بیماری از خود دوسرے کو نہیں لگتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لگتی ہے۔

بعض لوگ ڈاکٹروں کی اس ہدایت کو بھی معیوب سمجھتے ہیں کہ، مرض کی شدت میں تنہائی اختیار کی جائے یا مصافحہ سے پرہیز کیا جائے، سو حدیث ذکر کی جا چکی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجذوم سے مصافحہ نہیں فرمایا، نیز خارشی اونٹ کو دوسرے اونٹوں سے الگ باندھنے اور دوسرے سے گفتگو کے وقت دو نیزوں کا فاصلہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

کچھ لوگ ان سب ہدایات کو خلافِ توکل قرار دیتے ہیں، یہ نظریہ بھی بے بنیاد ہے، اس لیے کہ اہلِ علم کے نزدیک وہ توکل جو حضرات انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا وہ توکل بالاسباب تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ متوکل کس کی ذات ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد بھی فرمایا اور ساتھ ہجرت اور دعا بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہ صرف اسباب کا اہتمام کیا، بلکہ پوری حکمت عملی اختیار فرمائی۔ اہلِ علم کے نزدیک اونٹ جنگل میں کھلا چھوڑ دینے کا نام توکل نہیں، بلکہ توکل یہ ہے کہ اونٹ کا گھٹنا باندھ دیا جائے اور پھر ذات خداوندی کے سپرد کر دیا جائے، لہٰذا اسباب اور احتیاطی تدابیر اختیار کر کے، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اور توکل کرنا ہی اصل توکل ہے۔

علاج:

ماہرین کے مطابق تا حال کرونا وائرس کے لیے نہ کوئی حفاظتی ویکسین ایجاد ہوئی ہے، نہ ہی مستقل دوائی، البتہ ڈاکٹر حضرات ایسے متاثرین کا علاج اور غیر متاثرین کی حفاظت تنہائی اختیار کرنے اور عدمِ اختلاط کو قرار دے رہے ہیں، نیز ملیریا وغیرہ کی ادویات استعمال کی جا رہی ہیں، بعض مبتلائے مرض لوگ جو تندرست ہو گئے ہیں، اپنے اپنے تجربے بھی دوسروں تک پہنچا رہے ہیں، اگر دوائی میسر بھی ہوئی، تب بھی ایسی وباء میں روحانی علاج، رجوع الی اللہ، توبہ و استغفار کی شدید احتیاج تھی، اب تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ، ایسے امراض سے بچاؤ اور علاج کے لیے اسباب، احتیاطی تدابیر، اختیار کرنے کے ساتھ رجوع الی اللہ کیا جائے، اس لیے پوری امت کا فریضہ ہے کہ اس برے وقت میں درج ذیل امور کو شفاء کی نیت سے ضرور سر انجام دیں۔

۱)۔ انفرادی، اجتماعی صغیرہ کبیرہ گناہوں سے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور معافی طلب کی جائے اور توبہ کی جائے، توبہ کا اہم عنصر گناہ پر ندامت اور گناہ ترک کرنا ہے، اس لیے پوری فکر وسوچ کے ساتھ، گناہ ذہن میں رکھ کر انہیں ترک کرنے کے عزم کے ساتھ، گزشتہ گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی جائے۔

۲)۔ توبہ کے ساتھ کثرت استغفار بھی کیا جائے، استغفار میں یہ تاثیر ہے کہ کافر بھی استغفار کرے تو عذاب رک جاتا ہے اور مؤمنین کے لیے مشکلات سے نجات اور آسانیوں کا بہترین آزمودہ نسخہ ہے۔

۳)۔ اپنی معاشیات سے حرام کو نکال کر حلال اختیار کیا جائے، سود جیسے مہلک اور خطرناک مرض سے توبہ کی جائے اور لوگوں کو سہولتیں پہنچائی جائیں، زنا، فحاشی وعریانی سے بھی مکمل اجتناب کیا جائے، اور اس گناہ کو بالکل ترک کر دیا جائے۔

۴)۔ قرآن کریم شفاء ہے، زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن کریم کا اہتمام کیا جائے۔

۵)۔ فرائض، بالخصوص نمازوں کی پابندی کی جائے۔

۶)۔ حفاظت کے ماثور ومنقول اوراد وادعیہ کا بطور خاص اہتمام ہو، خاص طور پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح وشام کی جو دعائیں منقول ہیں، جن سے آدمی جملہ خطرات وآفات سے محفوظ رہتا ہے، کا التزام کیا جائے۔

۷)۔ ممکن ہو تو زمزم مشروبات میں شامل کیا جائے، زمزم کا شفا ہونا بدیہی عمل ہے۔

۸)۔ صدقہ وخیرات کا معمول بنایا جائے، بلاشبہ صدقات سے بلائیں اور آفتیں ٹل جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' شعبان، رمضان ۱۴۴۱ھ/ اپریل، مئی 2020ء)

کرونا وائرس کے بعد ٹڈی دل خطرہ کی گھنٹی!

وطن عزیز پاکستان میں ایک عرصہ سے جاری معاشی بحران کے بعد، کرونا وائرس عرصہ تین ماہ سے دنیا بھر کی طرح ملک عزیز میں بھی اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے۔لاک ڈاؤن اور اس کے نتیجے میں مساجد، مدارس، تبلیغی مراکز، ایک حد تک کاروبار کی بندش کے ذریعے اس وباء کو پھیلنے سے روکنے کی کوشش کی گئی، جس کے نتیجے میں ناقابل تلافی دینی نقصان کے ساتھ ملک میں بے روزگاری، افلاس اور فاقہ نے عوام کو بے حال کردیا۔روزانہ کی بنیاد پر اجرت حاصل کرنے والے مزدور اداروں سے لے کر مل مالکان تک سبھی متاثر ہوئے۔

ہر چند کہ قوم کی اس مشکل میں دینی طبقات نے بڑھ چڑھ کر مفلوک الحال طبقات کی خدمت کی کوشش کی، جو بلاشبہ قابل تحسین ہے۔دینی طبقات کی یہ سماجی خدمات ان کی سابقہ خدمات جلیلہ کا تسلسل ہے۔سیلاب ہو یا زلزلہ، زمینی آفت ہو یا سماوی آفت، یہی طبقہ باوجود ہدف تنقید کے میدان عمل میں مصروف خدمت نظر آتا ہے۔بحمد للہ! جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے رفاہی شعبہ "الفاروقیہ ٹرسٹ" نے بھی اس موقع پر اہل خیر کے تعاون سے دو ہزار سے زائد خاندانوں تک راشن، کپڑے اور نقد رقوم پہنچائیں۔ٹرسٹ کی ان خدمات کو پاک فوج کے مصروف عمل افسران، سرکاری افسران، اور علاقہ بھر کی طرف سے خوب سراہا گیا۔

لاک ڈاؤن جاری تھا کہ حکومتوں نے اپنی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے ایک فرقہ کو مذہبی جلسہ وجلوس کی اجازت دے دی۔جس سے لاک ڈاؤن عملاً ختم ہوگیا، ردعمل میں مساجد میں ایس او پیز پر عمل میں کمی آئی، مارکیٹ، بازار کھل گئے، عید کی شاپنگ کے لیے حکومت نے پابندیاں اٹھالیں۔لوگوں کا خوب باہمی اختلاط ہوا۔نوبت بایں جا رسید کہ بوقت تحریر وطن عزیز میں سوائے دینی امور کے تمام امور سرانجام دے جارہے ہیں۔عید پر ٹرینیں، ٹرانسپورٹ

تک کھول دی گئی۔ ہوائی جہاز بھی چلا دیے گئے، لیکن تعلیمی ادارے، دینی مدارس اور تبلیغی جماعتوں پر تا حال پابندی ہے، جو کسی لمحہ فکریہ سے کم نہیں۔ حکومت کے دوہرے معیار نے اس وباء کو لوگوں میں مشکوک بنا دیا۔ ہسپتالوں کے رویہ اور مریضوں کے ساتھ اٹھائے جانے والے طرزِ عمل نے بھی معاملہ سنگین بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس وبا سے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہیں۔

زبانِ خلق پر جاری ہے کہ حکومت کو اس مرض میں فوت ہو جانے یا بیمار ہو جانے پر پیسے ملتے ہیں، یہ تاثر کسی وجہ بھی زائل نہیں ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت ملک میں رپورٹ کیسز کی تعداد چا ئنا سے بھی بڑھ گئی ہے۔ واقفانِ حال کے مطابق جتنے ٹیسٹ ہوتے ہیں، ان کی رپورٹس کے مطابق معاشرہ میں بیماری کا تناسب امریکہ سے کسی طور پر بھی کم نہیں۔ امریکہ سے لاکھوں لوگوں کے ٹیسٹ ہوئے، جبکہ پاکستان میں ہزاروں لوگوں کے۔ اگر ہمارے وسائل ہوتے اور یہاں ٹیسٹ کی سہولیات فراہم ہوتیں تو یقیناً صورتِ حال مختلف ہوتی۔ تازہ معلومات کے مطابق کراچی، لاہور اور چند دیگر بڑے شہروں کے ہسپتالوں میں مزید مریضوں کو لینے کے لیے وسعت نہیں ہے۔ کرونا کے مریض اپنے گھروں میں کراہ رہے ہیں۔ تازہ اعلانات کے مطابق روزانہ سو کے قریب مریض جان کی بازی ہار رہے ہیں۔ اور پانچ ہزار کے قریب نئے مریض رپورٹ ہو رہے ہیں۔ اب تک دو ہزار کے قریب مریض راہی اجل ہو چکے۔ اور تقریباً سوا لاکھ مریض رپورٹ ہوئے۔ جبکہ لاکھوں لوگوں کے ٹیسٹ نہیں ہوئے، اگر ٹیسٹ کی سہولت فراہم ہو جائے تو مریضوں کی تعداد لاکھوں میں نہیں زیادہ ہوگی۔

ابھی قوم کرونا کے کرب سے نہیں نکلی، ٹڈی دل نے فصلوں، باغات اور جانوروں کے چارے پر یلغار کر دی، ملک کے ساٹھ سے زائد اضلاع میں ٹڈی دل حملہ آور ہوئے ہیں۔ ٹڈی دل کے حملے میں کپاس کی نوخیز فصل، باغات، آم اور جانوروں کے چارے کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ بعض مقامات پر حملہ اس قدر شدید ہوا کہ درختوں کی صرف ٹہنیاں اور لکڑیاں ہی باقی رہ گئیں۔ جوار، باجرہ اور مکئی کی فصلوں کا حال بھی مختلف نہیں۔ عینی شاہدین اور متاثرین کا کہنا ہے، ٹڈی دل نے چند منٹوں میں کئی کئی ایکڑ فصل تباہ کر ڈالی۔ حکومتی اعلانات کے مطابق عنقریب

ایک دوسرا بڑا لشکر مسقط سے بلوچستان کے راستے ملک میں آنے والا ہے، جس سے تباہی کا شدید خطرہ ہے۔

سطور بالا سے معلوم ہوا کہ ملک بالترتیب تین قسم کی آزمائشوں کا شکار ہے:

۱)۔ معاشی بحران

۲)۔ کرونا وائرس جس سے معاشی بحران میں بے حد اضافہ ہوا۔

۳)۔ ٹڈی دل جس سے ملک میں قحط کا اندیشہ ہے

مذکورہ بالا تینوں بحرانوں کو محض اتفاق قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، قرآن کریم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ امم سابقہ بالخصوص سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بھی تنبیہا اسی ترتیب پر مذکورہ بالا بحرانوں اور آزمائشوں سے گزاری گئی، مقصد صرف اور صرف یہ تھا قوم موسیٰ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لائے، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے ساتھ ظلم و ستم کا خاتمہ کرے، فرعون بنی اسرائیل کو آزادی فراہم کرے۔

قرآن کریم نے اسے سورت اعراف میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ○ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ (الاعراف ۱۳۰،۱۳۱)

”اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلاء کیا تا کہ ان کو تنبیہ ہو مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ان پر خوشحالی آتی تو وہ کہتے یہ تو ہمارا حق تھا اور اگر ان پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو ان کو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے، ارے یہ تو خود ان کی نحوست تھی جو اللہ کے علم میں تھی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے۔“

یعنی ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو قحط، خشک سالی، غلہ اور پھلوں کی کمی کے ساتھ پکڑا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور باری تعالیٰ سے خوب توبہ استغفار کریں، لیکن اس قوم نے اس

خدائی تنبیہ پر ذرا بھی کان نہ دھرا، آیت نمبر ۱۳۱ میں بتایا گیا، اس قوم کو جب کوئی بھلائی مثلاً بارشیں، اچھی فصلیں نصیب ہوئیں، تو کہتے ہم اس کے مستحق تھے اور اگر کوئی برے حالات پیش آتے تو وہ انہیں موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی (نعوذ باللہ) نحوست قرار دیتے، حالانکہ برے حالات ان کے کفر و معاصی کے سبب سے تھے، لیکن فرعون اور اس کی جماعت اپنی جہالت و ضلالت کی وجہ سے یہ نہ سمجھ پائی، آیت نمبر ۱۳۲ میں بتایا گیا وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے آپ جو بھی معجزہ و حجت ہمیں مسحور کرنے کے لیے لائیں گے، ہم نے اسے تسلیم نہیں کرنا آیت نمبر ۱۳۳ قابل غور ہے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ○ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ○ (الاعراف ۱۳۳، ۳۴)

"چنانچہ ہم نے ان پر طوفان، ٹڈیوں اور گھن کے کیڑوں مینڈکوں اور خون کی بلائیں چھوڑی جو سب علیحدہ علیحدہ نشانیاں تھیں پھر بھی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا اور وہ بڑے مجرم لوگ تھے اور جب ان پر عذاب آپڑتا وہ کہتے اے موسیٰ تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے اس کا واسطہ لے کر ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کردو (کہ یہ عذاب ہم سے دور ہو جائے) اور اگر واقعی تم نے ہم پر سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم تمہاری بات مان لیں گے، بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔"

آیت پر حرف "ف" خبر دے رہا ہے کہ خشک سالی، معاشی بحران اور قحط کے بعد اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے ان پر پانچ مزید عذاب نازل فرمائے۔

۱)۔ طوفان ۲)۔ ٹڈی دل

۳)۔ غلہ کو نقصان پہنچانے والا گھن یا جوں اور چیچڑیاں

۴)۔ مینڈک ۵)۔ خون

طوفان کی تفسیر بارش کے پانی میں ٹھوڑیوں تک ڈوب جانے اور طاعون کے سبب سے کثرت اموات سے کی گئی ہے۔ یعنی ان پر تیز و تند ہوا و بارش اتری، جس سے گھروں میں اتنا پانی بھر گیا کہ پانی ٹھوڑیوں تک پہنچ جاتا، جس سے نہ آرام کر سکتے اور نہ ہی لیٹ سکتے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان میں وبائی مرض طاعون پھوٹ پڑا، جس سے بہت زیادہ لوگ مرنے لگ گئے۔ یہ عذاب مسلسل ایک ایک ہفتہ سنیچر سے سنیچر تک رہا۔ آیت ۱۳۴ میں بتایا گیا کہ مبتلاء عذاب ہو جانے پر ان لوگوں نے سیدنا موسیٰؑ سے منت و سماجت کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، اگر وہ ہم سے یہ وبا دور کر دے یا عذاب ٹال دے تو ہم آپ پر ایمان بھی لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ آزادی دے کر روانہ کر دیں گے۔ موسیٰؑ کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے یہ عذاب دور فرما دیا، لیکن جب عذاب رفع ہو گیا تو نہ صرف اپنے وعدے سے وہ مکر گئے، بلکہ اپنی کفریہ و ظالمانہ سرگرمیوں میں پھر سے مصروف ہو کر خدائی حکم کا انکار کرنے لگے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسری قسم کا عذاب یعنی ٹڈی دل بھیج دیا۔

مفسرین کے بقول اس قدر ٹڈی کے غول تھے کہ جب پرواز کرتے تو سورج کی روشنی زمین سے رک جاتی۔ یہ خدائی لشکر فرعونیوں کی فصلوں، باغات اور سبزہ کو چاٹ گیا۔ یہ لوگ پھر حضرت موسیٰؑ کی منت و سماجت اور دفع بلاء کے لیے، جھوٹے وعدوں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ کی دعا کی برکت سے یہ عذاب ٹل گیا۔ لیکن حسب سابق ایمان و آزادی بنی اسرائیل کے پختہ عہد و میثاق سے مکر گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے غلوں پر کیڑے (گھن) جانوروں پر چیچڑیاں اور انسانوں پر جوؤں کو مسلط کروایا، اس کے بعد حسب سابق طرز اپناتے رہے۔ عذاب ٹلتا پھر وہی عہد شکنی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے مینڈک اور خون کے عذاب آئے۔ ہر مرتبہ وعدے کر کے عذاب ٹلواتے رہے، لیکن ہر بار مکر جاتے، آخر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سمندر میں غرق کر کے زمین کو ان باغیوں سے پاک کر دیا۔

جامع الترمذی کی حدیث نمبر 2641 میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"میری امت پر وہ سب ہوگا جو بنی اسرائیل پر گزرا، بالکل ایسے موافق حالات ہوں گے۔ جیسے دو جوتے یکساں ہوتے ہیں۔"

(جامع الترمذی)

اگر غور کیا جائے تو وہ سب جو قوم موسیٰ پر گزرا، آج اسی ترتیب سے یہ امت اس سے دو چار ہو رہی ہے۔ عالم اسلام بالخصوص اسلامی جمہوریہ پاکستان کا معاشی بحران اور گرتی معیشت کسی سے مخفی نہیں۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ہم معاشی طور پر قلاش ہوتے جا رہے ہیں۔ بلاشبہ "سنین" اور "نقص ثمرات" سے ہم ایک عرصہ سے دو چار ہیں، اس میں مزید اضافہ کرونا کی وجہ سے ہوا۔ کرونا بھی طاعون کی طرح متعدی مرض ہے، جو تا حال لاعلاج ہے، اور گزرتے دنوں کے ساتھ مزید پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ٹڈی دل جیسی آفات بھی پھوٹ پڑی ہے۔ آئندہ نہ جانے کیا کچھ ہونے والا ہے؟ آزمائشوں کی یہ ترتیب بالکل قوم موسیٰؑ جیسی ہے، جس کی حکمت صرف اور صرف ایمان و توبہ کی جانب متوجہ کروانا ہے۔ انسانیت کے لیے محض ایک راستہ اور مسلمانوں کے لیے واحد ذریعہ نجات توبہ اور دین پر واپسی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ اس لیے راسخین فی العلم اور اہل اللہ کی دعوت پر لبیک کہنا اور اپنے روٹھے رب کو منانا ہی ان بحرانوں سے نجات کا واحد راستہ ہے، بصورت دیگر اگر انسانیت اپنی فطرت کی طرف واپس نہ ہوئی تو قوم فرعون کی طرح ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ اس وقت کے فرعون صیہونی و استبدادی قوتیں ہیں، جنہوں نے اہل اسلام کو بنی اسرائیل کی طرح غلام بنایا ہوا ہے، ان کے لیے موجودہ حالات میں نوشتۂ دیوار ہے وہ اسلام قبول کریں، اہل اسلام سے مظالم کا خاتمہ کریں، عالم اسلام کے حکمرانوں کی مثال فرعون کے وزیر قارون جیسی ہے جو بظاہر حضرت موسیٰؑ پر ایمان رکھتا تھا، لیکن فرعون کا ہمدرد تھا، عالم اسلام کے حکمران بھی قارونی روش کو چھوڑ کر دین پر پلٹ آئیں۔ ورنہ جو ہونا ہے وہ نوشتۂ دیوار ہے۔

ٹڈی دل کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں

میں سے کثیر لشکر ہے، اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے جس قوم پر مسلط کرتے ہیں اسے قحط میں مبتلاء کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ لوگ ایک دوسرے کو نوچ کھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عذاب سے نجات کے لیے دعا بھی تلقین فرمائی۔

"اَللّٰهُمَّ أَهْلِكِ الْجَرَادَ اُقْتُلْ كِبَارَهُ وَأَهْلِكْ صِغَارَهُ وَأَفْسِدْ بَيْضَهُ وَاقْطَعْ دَابِرَهُ وَخُذْ بِأَفْوَاهِهِمْ عَنْ مَعَايِشِنَا وَأَرْزَاقِنَا إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ"

("سنن الترمذی: ۳۳۲)

"اے اللہ! بڑی ٹڈیوں کو مار ڈال، چھوٹی ٹڈیوں کو ہلاک کر، ان کے انڈے خراب کر دے، اور ان کی اصل (جڑ) کو کاٹ ڈال اور ان کے منہ کو ہماری روزیوں اور غلوں سے پکڑ لے (انہیں ان تک پہنچنے نہ دے)، بیشک تو دعاوں کا سننے والا ہے۔"

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" شوال المکرم ۱۴۴۱ھ/جون 2020ء)

سیلاب 2010ء

خیبر پختونخواہ، جنوبی پنجاب اور صوبہ سندھ میں دریاؤں کے بپھر جانے کی وجہ سے غیر متوقع سیلاب نے تباہی مچادی، سینکڑوں انسانی جانوں کے ضیاع، ہزاروں مویشیوں کی ہلاکت لاکھوں گھروں کے انہدام، سینکڑوں قصبہ جات اور دیہاتوں کے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے اور بے شمار لوگوں کے بے گھر ہوجانے کی اطلاعات آرہی ہیں۔

خیبر پختونخواہ میں دہشت گردی، آپریشن کی وجہ سے جو تباہی ہوئی وہ قیامت صغریٰ سے کم نہ تھی، حالیہ سیلاب سے رہی سہی کسر پوری ہوگئی، جنوبی پنجاب میں غیر ملکی آقاؤں کے اشارے پر مجوزہ آپریشن سے قبل آنے والا سیلاب اور اس سے ہونے والی تباہی کسی آپریشن سے کم نہیں، اس تباہی کی رپورٹ تخمیناً یوں بتائی گئی ہے:

متاثرین سیلاب کی تعداد: دو کروڑ

سیلاب سے متاثرہ رقبہ: ایک لاکھ ساٹھ ہزار مربع کلومیٹر

زرعی نقصانات: ایک ارب ڈالر

پانی میں بہ جانے والے افراد: تخمینہ دو ہزار

جبکہ حقیقی نقصانات اور تباہی رپورٹ، کی گئی تباہی سے کہیں زیادہ ہے، لیکن ابھی بھی منہدم مکانات، تباہ شدہ سرکاری ادارے سڑکیں، پلیں، صفحہ ہستی سے مٹ جانے والے گاؤں اور قصبات کی تعداد آنا باقی ہے۔

لیکن افسوس کہ حکمرانوں کی عیاشیوں میں کمی آئی اور نہ ہی اللے تللے ختم ہوئے، وطن کے ایک معتدبہ حصہ کی بربادی پر نہ کسی کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور نہ ہی ان کے بچاؤ یا اشک شوئی کے لیے کوئی قابل ذکر تدبیر سامنے آئی، صدر پاکستان نے سیلاب زدگان اور آفت زدہ عوام کی اشک شوئی کی بجائے غیر ملکی دوروں کو ترجیح دے کر اپنی نوکری پختہ فرمائی۔ "صلح جو" وزیر اعظم

الیکشن (ضمنی) کمپین سے بمشکل فارغ ہوئے، عوام الناس کی بے حسی بھی قابل تعریف ہے، نہ قابل ذکر انسانی ہمدری اسلامی مواخات، نہ توبہ نہ استغفار اور نہ ہی اس اجتماعی بربادی پر رجوع الی اللہ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہم اس سلسلہ میں دو بنیادی باتیں عرض کریں گے:

۱)۔ سیلاب ایک آفت اور مصیبت ہے جو یقیناً ہماری بدعملیوں کی شامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بطورِ عذاب یا امتحان کے مسلط فرماتے ہیں، قرآنی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم جب بغاوت خداوندی میں تمام حدوں کو پھلانگ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سیلاب کی صورت میں عذاب بھیجا، جس کے نتیجہ میں سوائے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ۸۰ متبعین کے سبھی لوگ ہلاک ہو گئے، زمین پہ چھ مہینہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پانی میں چلتی رہی، قرآن مجید نے ہماری عبرت و موعظت کے لیے ۴۳ مرتبہ یہ واقعہ ذکر کیا ہے اس طوفان کے نتیجہ میں سیدنا نوح علیہ السلام کا پسر کنعان بھی ہلاک ہو گیا، کنعان کی ہلاکت کی وجہ اس کی بری صحبت، برا اعتقاد اور برا عمل تھا۔

پسرِ نوح با بداں بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد
صحبت صالح ترا صالح کند
صحبت طالع ترا طالع کند

قرآن کریم نے سیلاب سے متاثر ہونے والی ایک اور قوم، قوم سبا کا بھی ذکر کیا ہے، سورۃ سبا میں اس قوم کے حالات کی جانب اشارے موجود ہیں، قوم سبا یمن کی مہذب اور آسودہ قوم تھی انہیں اللہ تعالیٰ نے فن انجینئرنگ اور ہندسہ میں مہارت کے ساتھ تجارت وزراعت کی دولتوں سے مالا مال کیا تھا، اس قوم کا ہیڈ کوارٹر اور دارالخلافہ "مآرب" تھا، ملکی ترقی، فتوحات اور تجارت کی وجہ سے ان کا رقبہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

"مآرب" کے جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑ ہیں جو کوہ ابلق کے نام سے معروف ہیں، ان کے درمیان بہت طویل وعریض وادی ہے، جب بارش برستی یا پہاڑی چشموں سے پانی بہتا تو وادی دریا بن جاتی تھی، قوم سبا نے ان حالات کے پیش نظر دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک بند باندھا، یہ بند فن انجینئرنگ کا شاہکار تھا، محققین کے مطابق قوم سبا نے اسے اس طرح تعمیر کیا تھا کہ پانی کو روکنے کے بعد آب پاشی کے لیے پانی کو تین مختلف اوپر نیچے درجوں میں محفوظ جانا، ان تین درجوں میں محفوظ شدہ پانی، مختلف موسموں میں آب پاشی کے کام آتا، ان تین درجوں میں سے ہر درجہ میں تیس درے (پھاٹک) تھے، جن کے ذریعے پانی کو کھولا اور بند کیا جاتا تھا، ان کے نیچے ایک بہت بڑا حوض تھا جس کے دائیں بائیں لوہے کے پھاٹک تھے، اس حوض سے نہریں نکال کر مآرب کے دائیں بائیں پہنچائی گئی تھیں، اس عظیم الشان ڈیم اور بند کی وجہ سے تین سو مربع میل تک دائیں بائیں کھجور، میووں اور پھلوں کے حسین باغات، دارچینی، عود کے کثرت سے گنجان باغات نے علاقے کو چمنستان اور فردوس بنایا ہوا تھا۔

ان باغات کی خوشبوؤں، رعنائیوں اور عطاؤں کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عورت کسی بھی موسم میں سر پر ٹوکری رکھ کر باغ سے گزر جاتی تو ہاتھ لگائے بغیر ٹوکری پھلوں سے بھر جاتی۔

یہاں کے موسم اور آب وہوا کے اعتدال کی وجہ سے مچھر، مکھیاں اور پسوں وغیرہ کا نام ونشان تک نہ تھا، علاوہ ازیں یمن سے شام تک کی مرکزی شاہراہ جس پر اہل سبا کی آمد ورفت رہتی تھی، کے دونوں جانب حسین باغات تھے۔ ان باغات میں دارچینی، سیب اور دیگر پھلوں کے باغات شامل تھے، قوم سبا نے اللہ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی، دولت وحکومت کے نشے میں راہ حق کو چھوڑ دیا، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور یکے بعد دیگرے تیرہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت، نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے ان پر سیل عرم یعنی بند کا عذاب بھیجا۔

وہ بند جس کی تعمیر پہ یہ قوم نازاں تھی، جس ڈیم کی وجہ سے تین سو مربع میل رقبہ جنت نظیر تھا، وہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ گیا اور اچانک اس کا پانی زبردست سیلاب کی شکل میں سب کچھ کو بہا کر لے گیا، باغات اجڑ گئے، کھیت ویران ہو گئے اور پانی خشک ہونے پر جھاؤ کے درختوں کے جھنڈ، جنگلی بیریاں اور پیلو کے درخت اگ آئے، اہل سبا کو نہ انجینئرنگ بچا سکی اور نہ ہی

دولت۔ اس قوم کے حالات اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا کی آیت نمبر ۱۵ سے ۱۹ میں ذکر فرمایا ہے۔

(قصص القرآن ملخصاً)

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

ان دو واقعات سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ سیلاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب و آزمائش ہے، اس لیے پوری قوم کو رجوع الی اللہ، کفر و شرک، الحاد و بے دینی، حرام خوری، حرام کاری، فحاشی و عریانی، قتل و غارت گری، چوری وڈکیتی، الغرض سب گناہوں سے پکی توبہ کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ سلسلہ تھم کر قوم کی بقاء کا ذریعہ بن جائے ورنہ ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ﴾۔

۲)۔ اس مشکل گھڑی میں حکمرانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خبر لیں، ان کی اس مشکل گھڑی میں اپنے پورے وسائل صرف کر کے ان کی مدد کریں، متاثرین کی بحالی کی منصوبہ بندی کریں، تباہ شدہ شہروں کی تعمیر نو کا فوری انتظام کریں اور سیلاب زدگان کی مصیبت کو کم کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کریں۔

ذمہ دار اور مقتدر طبقہ کے لوگ ایسے مقامات پر خود پہنچ کر کاموں کی نگرانی کریں، آئندہ کے لیے سیلاب سے روک تھام کی تدابیر اٹھانے کے ساتھ طویل المیعاد ڈیمز کی منصوبہ بندی کر کے ضائع ہونے والے پانی کو استعمال میں لائیں، اگر حکمرانوں نے اپنے فرض منصبی سے غفلت و کوتاہی اختیار کی تو وہ اس بات کا ضرور ادراک رکھیں کہ کہیں عوامی سیلاب خس و خاشاک کی طرح انہیں بہا کر نہ لے جائے۔

نوٹ: واضح رہے کہ مضمون بالا سیلاب کے آنے کے فوراً بعد لکھا گیا تھا، سیلاب کے بعد درد مند مسلمانوں کی مصیبت زدہ بھائیوں کے ساتھ تعاون، بحالی کاری کی کوششیں، غذائی اجناس کی فراہمی، مکانات کی تعمیر و مرمت کے ایمان افروز مناظر سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ الحمد للہ! الفاروقیہ ٹرسٹ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ و رکن شوریٰ حضرت مولانا مفتی محمد عاصم زکی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں پورے جنوبی پنجاب میں خدمات فراہم کیں۔

(غیر مطبوعہ تحریر ۲۰۱۰ء)

مروجہ نعت خوانی

چند قابل اصلاح پہلو

حمد و نعت اسلامی ادب کی روح پرور، ایمان افروز، اور وجد آفرین صنف ہے، یہ صنف عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جاری ہو گئی تھی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمد و نعت پر مشتمل اشعار کو پسند فرماتے اور بعض شعراء کے توحید پر مشتمل مضمون کے اشعار آپ تکلم بھی فرماتے، مثلاً: صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچا ترین کلمہ (شعر) وہ ہے، جسے لبید نامی شاعر نے یوں کہا ہے:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

(صحیح بخاری: ۳۸۴۱)

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رجزیہ اشعار جو حمد پر مشتمل تھے، کو نہ صرف پسند فرمایا، بلکہ جواب بھی مرحمت فرمایا، اور بعض روایات میں ہے کہ غزوہ احزاب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود مٹی اٹھا اٹھا کر منتقل کر رہے تھے اور عبداللہ بن رواحہ کے یہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا

وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا

وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ الأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

(صحیح بخاری: ۴۱۰۴)

''اگر اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، ہم نماز پڑھتے نہ صدقہ کرتے، ہم پر سکینہ نازل فرمادیجیے، اگر ہماری دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو ثابت قدم رکھیے، ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا، انہوں نے جب بھی فتنہ چاہا ہم نے انکار کیا، ہم نے انکار کیا، ہم نے انکار کیا''۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس شعر کو بھی سنا:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدَا
عَلَى الجِهَادِ مَا حَيِيْنَا أَبَدَا

ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کی بیعت کی ہے، جب تک جئیں گے ہمیشہ جہاد کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ شعر ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الآخِرَة
فَاغْفِرِ الأَنْصَارَ وَالمُهَاجِرَة

اے اللہ! زندگی تو آخرت کی ہی زندگی ہے، اے اللہ! انصار اور مہاجرین صحابہ کرامؓ کی مغفرت فرما۔

دیگر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی فرماتے تھے، بلکہ کفار کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام پر کی جانے والی ہجو کا بہترین پیرایہ میں جواب ارشاد فرماتے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھتے، آپ علیہ السلام نے ان کے کلام پر خوش ہو کر ان کے لیے ان الفاظ سے دعا فرمائی: ''اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ'' یا اللہ! حسان کی جبرائیل امین کے ساتھ تائید فرما۔

حمد ونعت گوئی نیز شجاعت پر مشتمل اشعار گوئی تو صحابہ کرام میں مروج تھی، علاوہ ازیں شعروسخن کی کچھ مزید اصناف قرون اولیٰ سے اگرچہ ثابت ہیں، لیکن حمد ونعت کی صنف کو ہمیشہ امتیاز حاصل رہا، بیشتر محدثین، مفسرین، فقہاء عظام اور صوفیاء کرام کے شعری مجموعے بالخصوص حمد ونعت اور معرفت باری تعالیٰ پر مشتمل دیوان بکثرت موجود ہیں۔ بلاشبہ حمد ونعت کے ذریعے شاعر اور حمد ونعت گو جہاں حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اپنی محبت وفریفتگی کا اظہار کرتا ہے، وہاں سامعین وقارئین تک معرفت وعشق کا پیغام پہنچا کر ان کے دلوں پر دستک بھی دیتا ہے۔ حمد ونعت قوت فکری کو مضبوط تر کرکے قوت عملی میں بھی جوش پیدا کرتے ہیں۔ اعلیٰ کلام اور خوبصورت آواز کے ذریعے سنے جانے والے کلام کی تاثیر کی بدولت عملی طور پر بھی زندگی میں انقلاب بپا ہوتا ہے، لوگوں کی زندگی میں نمایاں تبدیلی اور اصلاح کا پہلو اجاگر ہوتا ہے۔

جملہ دینی امور کی طرح حمد ونعت اور منقبت میں بھی حد اعتدال اور افراط وتفریط سے اجتناب ضروری ہے، افراط وتفریط کے پیدا ہوجانے سے نہ صرف مقصد فوت ہوجاتا ہے، بلکہ بعض اوقات یہ مستحسن اور مستحب عمل معصیت اور گناہ میں تبدیل ہوجاتا ہے، جس سے آخرت سنورنے کے بجائے خراب وبرباد ہوکر رہ جاتی ہے۔ ایسا نعت گو اور شاعر دوسروں کے گناہوں میں ابتلاء کا ذریعہ بن کر سب کے گناہوں کا بوجھ اپنے ذمہ لیتا ہے، اس گناہ میں جلسہ اور محفل کے منتظمین ومعاونین بھی غیر محسوس طور پر مبتلا ہوکر خسارے کا سودا کرتے ہیں۔

عصر حاضر میں حمد ونعت کی یہ مبارک صنف رفتہ رفتہ منکرات اور معاصی کی سرحدوں کو چھورہی ہے، اور یہ منکرات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ ان منکرات پر نکیر بھی نہیں کی جاتی۔ جس کی وجہ سے مقدس مقامات، ومقدس مواقع اور مقدس ومقبول اوقات میں بھی منکرات کا ارتکاب ہورہا ہے، جو نہایت خطرناک ہے۔ اہل علم کا فریضہ ہے کہ وہ ان منکرات کی نشاندہی فرمائیں، اور دینی طبقہ اور شعراء کرام ان منکرات سے اپنے آپ کو محفوظ کریں، تاکہ یہ مبارک سلسلہ مؤثر اور مفید بھی ہو اور اخروی نجات کا ذریعہ اور سبب بھی۔

عاجز نے حمد ونعت کی بعض محافل میں چند منکرات محسوس کیں ہیں، جن کا ذکر برائے

اصلاح ضروری سمجھتا ہے، اس کا مقصد خدانخواستہ کسی کی تنقیص ہرگز نہیں بلکہ صرف اور صرف اس مقدس صنف کے آداب کی طرف متوجہ کرنا اور نہی عن المنکر ہے، ذیل میں ایسی چند منکرات کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱)۔ میرے شیخ حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ سلف میں دینی اجتماعات اور دینی جلسہ جات کی غرض تعلیم بالغاں ہوا کرتی تھی یعنی جو لوگ مساجد و مدارس میں باقاعدہ دینی تعلیم حاصل نہیں کر پاتے، ان کے عقائد کی تعلیم و اصلاح، نیز اعمال صالحہ کی ترغیب و تعلیم کے لیے جلسے کیے جاتے تھے، بیان کرنے والوں اور سامعین دونوں کے ذہن میں یہی مقصد ہوتا تھا، بسا اوقات تین تین روز یا دو دو روز کے جلسے ہوتے۔ لوگ بغرض تعلیم ان جلسوں میں باوضو اور باادب شریک ہوتے، وہ اہل علم و تقویٰ کے بیانات سن کر دین سمجھتے تھے، اس لیے اجتماعات میں مقصود بیان ہوا کرتے تھے، جبکہ منقفی شاعری تشویق، ترغیب اور نشاط کے لیے ضمناً ہوتی تھیں، مقصد اصلی اول الذکر ہوتا، اسی طرح ایک یا دو اچھے قاری صاحبان کی تلاوت بھی کرائی جاتی تھی، جس سے مقصد برکت اور تعلیم قرآن کا شوق پیدا کرنا ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اکابر کے زمانہ میں الگ سے محافل حسن قرأت کا اہتمام ہوتا، نہ محافل حمد و نعت کا۔ یہ چیزیں ضمناً ہوتی تھیں۔

دور حاضر میں معاملہ برعکس ہوگیا، اب کثرت سے محافل حسن قرأت و حمد و نعت کرائی جارہی ہیں۔ جن میں بیانات یا تو ہوتے ہی نہیں یا ضمناً جنہیں سامعین و منتظمین بوجھ سمجھ رہے ہوتے ہیں، اس صورت حال میں یہ مجالس بے غرض اور بے مقصد ہو کر رہ گئی ہیں، ان محافل سے اصلاح عقیدہ ہوتی ہے نہ ہی تعلیم عقیدہ، تعلیم اعمال اور نہ ہی ترغیب اعمال و اصلاح اعمال، کوئی شخص پوری رات نعتیں سنتا رہے تو عمومی مشاہدہ ہے کہ اعمال کی طرف کوئی توجہ پیدا نہیں ہوتی، نماز تک کی جانب توجہ نہیں رہتی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ان محافل کو بامقصد بنایا جائے، تقاریر، نعت خوانی وغیرہ میں تعلیم دین کا عنصر غالب رہے، نعت خوانی ضرور ہو، لیکن ساتھ تعلیم و اصلاح کا پہلو

بھی غالب رہے۔

۲)۔ نعت خوانی ہو یا اشعار کی دیگر اصناف، اس کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ بامعنی ہوں، حمد میں کمالات باری تعالیٰ، صفات خداوندی، توحید الٰہی جیسے مضامین اور نعت خوانی میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہمیت، شمائل نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نمایاں کیا جائے۔ مستند اور معتمد مضامین ان اشعار کا حصہ ہوں، جن سے سامعین کو پیغام ملتا ہے، اور ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے، دین کی جانب رغبت پیدا ہوتی ہے۔ عصر حاضر میں اکثر کلام بے مقصد اور بے معنی محض لفاظیت پر مشتمل ہوتے ہیں، نیز مخصوص لہجوں پر چند الفاظ پڑھنے سے زیادہ نہیں ہوتے، جو فقط وقت گزاری اور مجمع سے رقم بٹورنے کا ذریعہ ہوتے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ بامعنی شعر گوئی کی ترویج کی جائے، تاکہ نعت خوانی سے حقیقی عشق نبوی کا احیاء ہو اور عملی زندگی میں اتباع سنت اور اتباع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پہلو شاہد ہو۔

۳)۔ حمد و نعت کے عنوان سے آج کل ایسے کلام بھی سننے کو ملتے ہیں، جن کا مدار سراسر شریعت کے خلاف، بلکہ متصادم ہوتا ہے، مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں اس قدر غلو کہ خدائی صفات اور توحید کی اصطلاحات کا آپ پر کھلے بندوں اطلاق کیا جاتا ہے، نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح میں دوسرے انبیاء علیہم السلام یا صحابہ کرام و اہل بیت اطہار کی منقبت کرتے کرتے دیگر شخصیات کی تنقیص یا منقبت میں غلو اور ایسے مضامین ذکر کیے جاتے ہیں، جو جملہ مسالک کے محققین کے نزدیک غلط ہیں، ان پر ہزاروں کا مجمع عش عش کر اٹھتا ہے، اور یہ غلط مضامین لوگوں کو دین سے دور کرنے اور گمراہی پر کار بند رہنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

نعت خواں حضرات کو چاہیے کہ وہ کسی مستند عالم، بزرگ یا معتمد شاعر کے کلام کا انتخاب کریں، اور کسی ماہر شریعت سے اس کی توثیق کروا کر پھر مجالس میں گوش گزار کریں، قوالیوں کا اکثر حصہ مذکورہ بالا مفاسد پر مشتمل ہوتا ہے، اور نعت خواں حضرات

قوالوں کا کلام پڑھ کر عوامی داد سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۴)۔ بہت سے نعت خواں حضرات ماشاء اللہ اپنی فکر اور عقیدے کو اشعار کی صورت میں پیش کرتے ہیں، جو یقیناً قابلِ تحسین ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ایسے نعت خوانوں کی بھی کمی نہیں، جو باقاعدہ گانے سنتے ہیں اور ان عشقیہ گانوں میں چند کلمات بدل کر گانوں کی طرز و انداز میں دینی کلام یا گانے سے ملتا جلتا کلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح سرائی یا صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی منقبت میں پڑھتے ہیں، جو یقیناً قابلِ مذمت ہے۔

یہ طرزِ عمل بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، ایک تو ایسے شعرا حقیقت میں منقبت، نظم و شعر گوئی سے نابلد ہوتے ہیں اور گانے کا سہارا لے کر کلام تشکیل دینے کی کوشش کرتے ہیں، جو کہ بذاتِ خود ناجائز ہے، حدیث میں گانے سننے پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔ گانے کے یہ رسیا نعت خوان دینی محافل کی زینت بن کر ماحول میں فساد بپا کرنے کا ذریعہ ہیں، ان کا کلام بھی بے ادبیوں اور خرافات پر مشتمل ہوتا ہے، لوگ اس کلام کو سن کر بجائے روحانیت محسوس کرنے کے جس گانے کے طرز پر کلام پڑھا جاتا ہے، اس گانے کو یاد کر کے نقل کی بجائے اصل کو ترجیح دیتے ہیں، اسی گانے کا تذکرہ کرتے ہیں اور گانے گنگنانے لگ پڑتے ہیں، بجائے اصلاح کے یہ عمل عوام کے فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے، پڑھنے والے کا، گویوں کی طرح کا انداز محفل کو مزید بدبودار بناتا ہے، اور عوام کے ذہنوں میں یہ تاثر قائم ہو جاتا ہے کہ نعت خواں حضرات گانے سنتے اور فلمیں دیکھتے ہیں، اسی لیے تو یہ گانے ہی کی طرز پر نظم بنا کر لائے ہیں یہ تاثر بجائے خود دین دار طبقے کے لیے نقصان دہ ہے، اس لیے یہ عمل نہایت قبیح اور واجب الترک ہے۔

۵)۔ نعت خواں حضرات بھی ایک لحاظ سے دین کے داعی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ان کی وضع قطع، نشست و برخواست، گفتگو اور معاشرت میں داعیوں کی صفات چھلکتی ہوں، اس کے علی الرغم بیشتر نعت خوانوں کی معاشرت اور وضع قطع شریعت کے بالکل

خلاف محسوس ہوتی ہے، اہل فکر اس اجمال کی تفصیل خوب جانتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ دینی اسٹیج پر باعمل لوگوں کو ہی بلایا جائے، تاکہ قولی دعوت کے ساتھ فعلی دعوت بھی عوام تک پہنچ سکے۔ خلاف شرع لباس، مقطوع اللحیہ، غیر مسنون بالوں کے حامل، غیر مہذب انداز میں اسٹیج پر جولانی دکھانے والے حق نہیں رکھتے کہ منبرو محراب رسول کو داغدار کریں۔

۶)۔ عوام الناس اور محافل کے منتظمین کو ضرور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ دینی طبقہ کی مالی خدمت کی جائے، ان کی ضروریات، آمدورفت کے اخراجات کی تکمیل ان کا حق ہے، لیکن کسی بھی دینی طبقہ کو رقم بٹورنے، تبلیغ دین کے جلسوں میں شرکت کے لیے پیشگی بھاری رقوم طے کرنے یا دوران نعت اداکارانہ طرز پر پیسے ڈالنے یا نوٹ نچھاور کرنے یا کروانے کا شرعی طور پر کوئی حق نہیں۔ ان خرافات کی سلف میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ نعت خواں حضرات کی اسٹیج پر ضرور خدمت کی جائے، لیکن نوٹ نچھاور کرنے کا طریقہ نہایت غیر مہذب اور دینی وقار کے خلاف ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا نہایت خطرناک عمل ہے، جس کی احادیث میں سخت وعیدیں بیان کی گئیں ہیں۔

۷)۔ ایک عرصہ سے دینی اجتماعات اور محافل کے اشتہارات میں خطباء کرام اور نعت خوانوں کی تصاویر لگا کر باقاعدہ طبع کروا کر در و دیوار پر لگائے جا رہے ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ ڈیجیٹل تصویر کے جواز کے متعلق بعض مفتیان کرام نے گنجائش دی ہے، لیکن طبع شدہ تصویر کے حرام ہونے اور ذریعہ شرک ہونے میں کوئی شک نہیں، ایک نیک کام کی تشہیر کے لیے حرام کا سہارا لینا یقیناً ناجائز ہے، خصوصاً یہ سب کچھ جب مدرسہ، مسجد یا دین کے نام پر لیے گئے چندہ سے ہو۔ اہل علم کا فریضہ ہے کہ وہ اس منکر کو بھی روکیں، تاکہ دینی شعبہ اپنی افادیت کو برقرار رکھ سکے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" رجب، شعبان ۱۴۴۲ھ/ مارچ، اپریل 2021ء)

رمضان المبارک اور عید کا پیغام

رمضان المبارک صیام، قیام، قرآنِ کریم اور اعمال کا مہینہ ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے، جس میں اہلِ اسلام سال بھر سرانجام دینے والی عبادات ادا کرتے ہیں۔ اسی ماہ میں حقوق اللہ کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے اور انہی مبارک ایام میں حقوق العباد کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔ یہ مجاہدہ، صبر، سخاوت، ذکر، تلاوتِ قرآن کریم، عمرہ، صدقات، زکوٰۃ، نوافل، تہجد، تراویح جیسے اعمال کا مہینہ ہے۔ اسی ماہِ مقدس کی ایک رات ہزار راتوں سے بہتر اور افضل ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں ایک نفل عمل کا اجر فرض کے برابر کر دیا جاتا ہے اور فرض کا اجر و ثواب ستر فرض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔ لوگوں کو اعمالِ خیر کی جانب مائل کرنے کے لئے شیاطین کو قید، جہنم کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ ملائکہ "یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ" (اے طالبِ خیر آگے بڑھ) اور "یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ" (اے طالب شر رُک جا) کی آوازیں لگاتے ہیں۔ ہر روز بوقتِ افطار دس لاکھ افراد کی مغفرت جبکہ شبِ عید تقریباً تین کروڑ لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے۔

اہلِ اسلام رمضان المبارک میں اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ یہ اعمال خالص اللہ رب العزت کی رضا کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے روزہ داروں کو حق تعالیٰ کا مزدور قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مزدوروں کو خوب خوب مزدوری سے نوازتے ہیں اور مزدوری میں نہ صرف یہ کہ مغفرت فرماتے ہیں بلکہ گناہوں کو نیکیوں سے تبدیل بھی کر دیتے ہیں نیز دنیا و آخرت سے متعلق اجرِ عظیم بھی عطاء فرماتے ہیں۔

عید دراصل یوم الشکر اور یوم الجزاء ہے یعنی رمضان المبارک میں اعمال صالحہ کے ارتکاب پر اہل اسلام کو اختتام رمضان پر شکر ادا کرنے اور انعامات کے حصول کا دن عطا کیا گیا،

یہی وجہ ہے عید نیک وصالح حضرات کے لئے ہے۔ عربی کی مشہور نظم ہے ؎

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِیْدُ

عید اُس شخص کی نہیں، جو نیا لباس زیبِ تن کرے

اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ خَافَ الْوَعِیْدُ

عید تو اُس شخص کی ہے، جو اللہ کی وعید سے ڈرتا ہے

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ تَبَخَّرَ بِالْعُوْدِ

عید اُس کی نہیں، جو عود خوشبو کی دھونی لے

اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ تَابَ وَلَا یَعُوْدُ

عید اُس کی ہے، جو توبہ کرے اور پھر گناہ نہ کرے

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ نَصَبَ الْقُدُوْرَ

عید اُس کی نہیں، جو اعلیٰ کھانے تیار کرے

اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ سَعِدَ بِالْمَقْدُوْرِ

عید اُس کی ہے، جو مقدور کے ساتھ سعادت حاصل کرے

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ تَزَیَّنَ بِزِیْنَۃِ الدُّنْیَا

عید اُس کی نہیں، جو دنیا کی زینت اختیار کرے

اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوٰی

عید اُس کی ہے، جس نے تقویٰ، پرہیزگاری کو اپنا لیا

لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ رَکِبَ الْمَطَایَا

عید اُس کی نہیں، جو سواریوں پر سوار ہوا

اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ تَرَكَ الْخَطَایَا

عید اُس کی ہے، جس نے گناہوں کو ترک کیا

رمضان المبارک اور عید دراصل اُمتِ مسلمہ کے لئے نصابِ تربیت اور انعامِ تربیت ہیں۔ رمضان المبارک میں روحانی طور پر مسلمانوں کو خاص نصاب و نظام عطا کیا گیا۔ نصاب

قرآن کریم اور دیگر اعمال کی صورت میں ہے جس میں نماز، روزہ، ذکرِ خداوندی، تلاوتِ قرآن کریم، عمرہ، صدقات وخیرات، غرباء کی غم خواری وغیرہ شامل ہیں جبکہ نظام میں ترکِ ذنوب یعنی گناہوں کو چھوڑنے کی مشق، اعضاء کی تطہیر، خواہشاتِ نفسانی کو دبانا، اللہ تعالیٰ کا خوف وغیرہ شامل ہیں۔ اس نصاب ونظام کو اختیار کرنے میں عید نصیب ہوتی ہے جو جسمانی، روحانی فرحتوں، مسرتوں اور انعامات کے حصول کا ذریعہ ہے۔

رمضان المبارک ہمیں پیغام دیتا ہے کہ زندگی رمضان المبارک کی طرح اطاعتِ خداوندی میں بسر کرو، منہیاتِ شریعت سے باز رہو، اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرو، بندوں کے حقوق کی جانب دھیان کرو، خواہشاتِ نفسانی سے پرہیز کرو، صبر وبرداشت سیکھو، دوسروں کی غمخواری کو اپنی زندگی کا دستور بناؤ۔ بھوکوں، پیاسوں، ننگوں، مفلوک الحال لوگوں کا خوب خوب خیال کرو۔ نماز کی پابندی کرو، حرام سے روزہ کی حالت کی طرح بچو، حلال کو افطار کی طرح جانو۔ الغرض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوب خوب اطاعت کرو، ان شاء اللہ اس زندگی بھر کے روزہ کے بدلے میں موت کے بعد تمہیں عید جیسی مسرتیں، فرحتیں اور خوشیاں نصیب ہوں گی۔ حق تعالیٰ شانہٗ تمہیں اِنعامات سے نوازیں گے۔

رمضان المبارک صرف چند دنوں کے اعمال وپرہیز کا نام نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو نیکی کے عادی بنانے اور گناہوں سے بچنے کی عادت ڈالنے کا نام ہے۔ حق تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کی حکمت بھی یہی بیان فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرۃ:۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزوں کو فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (اُمتوں کے) لوگوں پر فرض کیے گئے تھے اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) تقویٰ حاصل کرو۔"

گویا رمضان المبارک تعلیم تقویٰ کا نام ہے۔ یہی تقویٰ زندگی کا حاصل وخلاصہ ہے۔ باقی گیارہ مہینے بھی تقویٰ کے ساتھ گزارے جائیں تو اِن شاء اللہ روزِ محشر عید جیسی خوشی نصیب ہو

گی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

○...وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ○ (الرحمن:۴۶)

"اور اُس شخص کے لئے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، دو جنتیں ہیں۔"

جس شخص نے خوفِ خدا کی وجہ سے گناہ ترک کیا، اُس کے لئے روزِ محشر حق تعالیٰ کے عرش کے سایہ کی بشارت وارد ہوتی ہے:

"سات قسم کے لوگوں کو حق تعالیٰ کا سایہ نصیب ہوگا، جس روز حق تعالیٰ (کے عرش) کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اُن میں ایک وہ شخص بھی ہوگا، جس کو حسب وکمال کی حامل خاتون نے دعوتِ گناہ دی اور اُس نے کہا کہ مجھے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔"

(صحیح البخاری)

اس تقویٰ پر ارشادِ خداوندی ہے:

○...مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(النحل:۹۷)

"جو کوئی نیک عمل کرے مردوں یا عورتوں میں سے، لیکن باایمان ہو تو ہم اُسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔ اور اُن کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ بھی اُنہیں ضرور ضرور دیں گے۔"

تقویٰ جیسی عظیم نعمت اپنانے پر ہی اللہ تعالیٰ کے انعامات مرتب ہوتے ہیں، قرآن مجید میں متعدد بار وارد ہے:

○...اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ○ (الدخان:۵۱)

"بے شک متقی لوگ امن چین کی جگہ میں ہوں گے۔"

○...اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ○ (الطور:۱۷)

"یقیناً پرہیزگار لوگ جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔"

•...إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (المرسلات:۴۱)

"بے شک متقی لوگ سایوں اور بہتے چشموں میں ہوں گے۔"

•...إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ (القمر:۵۴)

"تحقیق ڈرر کھنے والے جنتوں اور نہروں میں ہوں گے۔"

•...إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (النحل:۱۲۸)

"یقین جانو! اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیک کاروں کے ساتھ ہے۔"

•...وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ... ۝ (الطلاق:۲،۳)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اُس کے لئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہ ہوتا......۔"

•...وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۝

(الطلاق:۵)

"جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ اُس کے گناہ مٹادے گا اور اُسے بھاری اَجر سے نوازے گا۔"

الحاصل رمضان المبارک درسِ تقویٰ ہے، تقویٰ ہی سبھی کمالات کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ماہِ مبارک کے ثمرات زندگی بھر نصیب فرمائے۔ آمین

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" شوال المکرم ۱۴۳۸ھ/ جولائی 2017ء)

رمضان المبارک

ماہ عزم وعزیمت

رمضان المبارک کو سال بھر کے مہینوں میں وہی مقام حاصل ہے، جو مادی دنیا میں موسم بہار کو سال بھر کے ایام وشہور پر حاصل ہوتا ہے۔ موسم بہار میں ہلکی سی بارش یا پھنوار مردہ زمین کے احیاء، خشک لکڑیوں کی تازگی اور گرد وغبار اٹھانے والی بے آب وگیاہ سرزمین کو سبزہ کی خوشنما قبا پہنانے کا ذریعہ ہوتی ہے، جبکہ دیگر موسموں میں مسلسل روانی آب، دیکھ بھال اور زمینی غذا وخوراک بھی اس قدر نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔ اہل معرفت روحانی دنیا میں رمضان المبارک کو روحانیت کا موسم بہار قرار دیتے ہیں، جہاں ہر شب رحمت کی برسات ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی دروس بخاری میں مذکور ہے۔

> "روحانی خیرات وبرکات کے لیے رمضان المبارک کا مہینہ ایسا ہی ہے جیسے مادی فیوض وبرکات کے لیے ساون کا مہینہ۔" حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ابتدائے رمضان سے روحانی بارش شروع ہوجاتی ہے، جیسے ساڑھ (برسات کا پہلا مہینہ) سے مادی بارش شروع ہوجاتی ہے اور جس طرح بارش ترقی کرکے بھادوں (برسات کا آخری مہینہ نصف اگست سے نصف ستمبر) میں کمال کو پہنچ جاتی ہے، اس طرح نصف رمضان المبارک کے بعد روحانی بارش میں اضافہ ہوجاتا ہے، بتدریج یہ اضافہ رمضان کے دوسرے عشرے تک ہوتا رہتا ہے اور تیسرے عشرے میں روحانی بارش اپنی انتہاء کمال وعروج کو پہنچ جاتی ہے، اسی وجہ سے رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف مشروع ومسنون ہے اور رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی کثرت جود کی وجہ سے قرآن مجید کا

نزولِ رمضان شریف میں ہوا۔"

(دروس بخاری: ص ۱۴۴ مطبوعہ دیوبند)

اس ماہ مقدس کی آمد سے قبل ہی عرش وفرش کی مخلوقات اس کے استقبال کے لیے تیار ہوتی ہیں، انس وجن، ملائکہ ونوری، حور وغلمان سبھی کو اس ماہ مبارک کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ اس ماہ مبارک کو خیریت وسلامتی کے ساتھ پانے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رجب سے دعائیں شروع فرمادیا کرتے تھے۔ اس ماہ کے شروع ہوتے ہی ہر رات ندا دی جاتی ہے۔

یَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ!

اے خیر کے طالب متوجہ ہو

وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ!

اے شر کے طالب رک جا!

"سرکش شیاطین قید کردیے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، جنت کو مزین ومعطر کر دیا جاتا ہے، زیرِ عرش ہوا چلتی ہے جو جنت کے پتوں میں گذرتی ہوئی عجیب الخلقت حسین تر حوروں تک پہنچتی ہے جو گویا ہوتی ہیں، اے رب! ہمیں اپنے پیارے بندوں میں سے ایسے شوہر عطا فرما جو ہماری آنکھیں ٹھنڈی کردیں، اسی ماہ مقدس کا فیض ہے کہ اس میں لیلۃ القدر جیسی عظیم رات پنہاں ہے، اسی ماہ مقدس میں آسمانی کتابیں خصوصاً قرآن کریم کا نزول ہوا، اسی ماہ کو ھدی للناس جملہ عوام کے لیے ہدایت قرار دیا گیا، یہی صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے، اس ماہ میں مسلمان کا رزق وسیع کردیا جاتا ہے، اسی ماہ کی ہر رات میں مغفرتوں کے پروانے تقسیم ہوتے ہیں، یہی تلاوت قرآن کریم، ذکر اللہ اور استغفار کی گونج کا مہینہ ہے، بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ یہ مہینہ تمام خیر وبرکات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، سال بھر جو خیر وبرکت کسی بھی لحاظ سے حاصل ہوتی ہے، اس خیر وبرکت کو اس ماہ کی برکات کے دریا کا ایک قطرہ کہا

جاسکتا ہے، اس بابرکت مہینہ کی دلجمعی (سکون واطمینان) سال بھر کی دلجمعی کا ذریعہ ہوتا ہے، رمضان المبارک کا تفرقہ وپراگندگی سال بھر کی پراگندگی کا سبب ہوتا ہے، اس ماہ میں قرآن کریم کا ختم اسی لیے کیا جاتا ہے، تاکہ جملہ اصلی کمالات اور ظلی برکات میسر ہوں۔"

(مکتوبات امام ربانی: ص ۸۷، حصہ اول)

حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہترین رمضان بہترین سال کا ذریعہ ہے، اگر رمضان بے قیمت و بے وقعت گزر جائے تو سال بھر محرومی رہتی ہے، اس لیے قبل اس کے کہ رمضان کی عبادات ومعمولات کا جائزہ لیں، پہلے رمضان المبارک کے معانی اور وجہ تسمیہ کو ملاحظہ کرلیں:

۱)۔ رمضان "رمض" سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے جلادینا، رمضان کو رمضان اس لیے کہتے ہیں کہ رمضان گناہوں کو جلا کر خاکستر کردیتا ہے، رمضان کا یہ معنی غنیۃ الطالبین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

۲)۔ رمضان "رمضاء" سے ہے، رمضاء اس بارش کو کہتے ہیں جو موسم خریف سے پہلے ہوتی ہے، یہ بارش زمین میں موجود گردوغبار ختم کردیتی ہے، اسی طرح رمضان المبارک بھی گناہوں کو ختم کردیتا ہے۔

۳)۔ بعض اہل علم کے نزدیک رمضان اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور رمضان کو رمضان اس لیے کہتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سامنے گناہ گاروں کے گناہ جل جاتے ہیں، ایسے ہی اس ماہ کے آنے سے گناہ گاروں کے گناہ جل جاتے ہیں۔

رمضان المبارک کے دیگر اسماء:

اس ماہ مقدس کو متعدد ناموں سے موسوم کیا گیا:

شہر رمضان، رمضان کا مہینہ۔ شہر الصوم، روزے کا مہینہ۔ شہر الصبر، صبر کا مہینہ۔ یہ

مہینہ نیکیوں پہ جمنے گناہ چھوڑنے اور مصائب پر جمنے کا مہینہ ہے۔ شہر المواسات، غم خواری کا مہینہ، اس ماہ میں غرباء و مساکین، نادار اور فقراء کی غم خواری کی جاتی ہے، انہیں سامان افطار، زکوٰۃ و صدقات سے خوش حال بنایا جاتا ہے۔ شہر الحسنات، نیکیوں کا مہینہ۔ شہر البرکات، برکتوں کا مہینہ۔ شہر الاحسان، احسان کا مہینہ۔ شہر الرحمت، رحمت کا مہینہ۔ شہر اللہ، اللہ کا مہینہ۔ شہر الغفران، بخشش کا مہینہ۔

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان کے حروف کے اسرار کی جانب اشارہ کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

> ''رمضان کے ہر حرف سے ایک کلمہ مراد ہے جو ایک پیغام ہے، چنانچہ ''را'' سے رضوانُ اللہ، یعنی اللہ کی رضا مراد ہے۔ ''م'' سے محابات یعنی اللہ کا عشق ہے۔ ''ض'' سے ضمان اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ضمانت مراد ہے۔ ''الف'' سے الفت اللہ، یعنی الفت الٰہی مراد ہے۔ ''ن'' سے نورُ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا نور مراد ہے''۔
>
> (غنیۃ الطالبین)

رمضان المبارک کو کیسے حصول خیر و برکات کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے؟ وہ کونسے اعمال ہیں جن کی برکت سے ہم ساری برکتیں سمیٹ کر سال بھر کو اپنے لیے مبارک بنا سکتے ہیں؟ اس کے لیے درج ذیل امور کا اہتمام کیا جائے۔

روزے:

رمضان المبارک میں اہم ترین عبادت پورے مہینہ کے روزوں کی فرضیت ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

> فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ... ۝ (البقرۃ:۱۸۵)
>
> ''یعنی تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔''

روزہ بدن کی زکوٰۃ، دوزخ سے بچاؤ کے لیے ڈھال اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے، روزہ دار کے لیے دنیوی خوشی افطار اور اخروی خوشی حق تعالیٰ شانہٗ کی زیارت ہے۔ روزے دار کے لیے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے مخصوص دروازہ ''باب الریان'' ہے۔ خالی

معدہ ہونے کی وجہ سے اس کے منہ سے نکلنے والی بو اللہ تعالیٰ کو کستوری سے زیادہ پسند ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"أُعْطِيَتْ أُمَّتِي خَمْسَ خِصَالٍ فِي رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ أُمَّةٌ قَبْلَهُمْ: خُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيتَانُ حَتَّى يُفْطِرُوا، وَيُزَيِّنُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ كُلَّ يَوْمٍ جَنَّتَهُ ثُمَّ يَقُولُ: يُوشِكُ عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ أَنْ يُلْقُوا عَنْهُمُ الْمُؤْنَةَ وَيَصِيرُوا إِلَيْكِ، وَتُصَفَّدُ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ فَلَا يَخْلُصُوا فِيهِ إِلَى مَا كَانُوا يَخْلُصُونَ إِلَيْهِ فِي غَيْرِهِ، وَيُغْفَرُ لَهُمْ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفَّى أَجْرَهُ إِذَا قَضَى عَمَلَهُ"۔

(رواہ احمد)

"میری امت کو رمضان شریف کے بارے میں پانچ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں جو پہلی اُمتوں کو نہیں ملی ہیں:

۱)۔ یہ کہ اُن کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲)۔ یہ کہ اُن کے لیے دریا کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں، اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔

۳)۔ جنت ہر روز اُن کے لیے آراستہ کی جاتی ہے، پھر حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ: قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں۔

۴)۔ اس میں سرکش شیاطین قید کردیے جاتے ہیں، کہ وہ رمضان میں اُن برائیوں کی طرف نہیں پہنچ سکتے جن کی طرف غیر رمضان میں پہنچ سکتے ہیں۔

۵)۔ رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لیے مغفرت کی جاتی ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ: یہ شب مغفرت، شب قدر ہے؟

فرمایا: نہیں، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دی جاتی ہے"۔

روزہ حصول تقویٰ کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرة:۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔"

تقویٰ کی برکات:

تقویٰ کی برکت سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

۱)۔ دشمن سے حفاظت:

إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۝ (آل عمران:۱۲۰)

"اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔"

۲)۔ اللہ تعالیٰ کی معیت:

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا ۝ (النحل:۱۲۸)

"یقین رکھو کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔"

۳)۔ اللہ تعالیٰ کی دوستی:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (الجاثية:۱۹)

"اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔"

۴)۔ پریشانیوں سے نجات اور بغیر وہم وگمان رزق:

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۝ (الطلاق:۲،۳)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا

کردے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔"

۵)۔ اعمال کی درستگی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ○ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ○ (الاحزاب:۷۱،۷۰)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو، اللہ تمہارے فائدے کے لیے تمہارے کام سنوار دے گا۔"

۶)۔ مغفرت:

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ○ (الاحزاب:۷۱)

"اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردے گا۔"

۷)۔ اللہ تعالیٰ کی محبت:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○ (آل عمران: ۷۶)

"اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔"

۸)۔ قبولیت:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ○ (المائدۃ:۲۷)

"اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں۔"

۹)۔ دائمی عزت:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ ○ (الحجرات:۱۳)

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔"

۱۰)۔ دوزخ سے نجات:

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا ○ (مریم:۷۲)

"پھر جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے انہیں ہم (دوزخ) سے نجات دے

دیں گے۔"

مذکورہ بالا جملہ فوائد روزے کی برکت سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔

روزے کی شرعی حیثیت:

روزہ ہر بالغ مرد وزن مسلمان پر فرض ہے، البتہ مسافر اور مریض کو اجازت ہے، اگر مرض وسفر روزے میں رکاوٹ ہوں تو صحت وحضر میں روزے کی قضاء کرلیں۔ ایسا مریض یا بوڑھا جو روزے نہ رکھ سکتا ہو، اس کے لیے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کا کھانا (پونے تین سیر گندم) صدقہ کرنا ہوگا۔

تراویح:

رمضان المبارک میں دوسرا اہم کام قیام یعنی تراویح ہے۔ بخاری شریف میں تراویح کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

"جس نے رمضان میں ایمان اور احتساب (ثواب کی امید) کے ساتھ قیام کیا (نماز تراویح پڑھی) اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے۔"

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تراویح کے متعلق ارشاد فرمایا: "وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ" تراویح میں نے سنت قرار دی۔ پورا ماہ ہر شب تراویح پڑھنا الگ سنت ہے اور تراویح میں ختم قرآن پڑھ کر یا سن کر کرنا الگ سنت ہے۔

تلاوت قرآن کریم:

رمضان المبارک میں دیگر اعمال کی طرح تلاوت قرآن کریم کے اجر وثواب میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔ قرآن کریم کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے۔ سلف صالحین کا رمضان کے ہر روز، بعض کا ہر شب، ہر دن ختم قرآن کریم کا معمول تھا۔

عام مسلمان کو کم از کم مہینہ بھر میں ایک ختم ضرور کر لینا چاہیے۔ اگر تلاوت قرآن کریم کے ساتھ قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی توفیق ہو جائے تو یہ بھی قرآن کریم کے ایک بڑے حق کی ادائیگی ہے۔ مستند علمائے کرام سے روزانہ کی پڑھی گئی منزل کا اردو میں خلاصہ سننا بھی قرآن کریم سے آگاہی کا ذریعہ ہوگا۔ واضح رہے کہ غیر عالم یا غیر مستند سے قرآن کریم کی تفسیر پڑھنا یا سننا باعث خطرہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کثرت ذکر:

فارغ اوقات میں ذکر اللہ کی کثرت کی جائے۔ حدیث پاک میں خصوصیت کے ساتھ چار چیزوں کا حکم ہے۔

۱)۔ کلمہ طیبہ کی کثرت

۲)۔ استغفار کی کثرت

۳)۔ جنت کی طلب

۴)۔ دوزخ سے پناہ

ان چاروں چیزوں کو اس ذکر میں جمع کیا جا سکتا ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔ اَسْأَلُ اللهَ الْجَنَّةَ۔ وَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ النَّارِ

غرباء کی غم خواری:

اس ماہ مقدس میں نادار مسلمانوں اور اپنے مستحق رشتہ داروں کا لحاظ رکھنے اور ان کا تعاون کرنے کی بھی تاکید ہے۔ ان کے ہاں سامان سحر وافطار بھیجیں۔ ان کے لباس وقیام کا انتظام کر دیں۔ دینی مدارس کے مسافر طلباء مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، ان کی ضروریات کی تکمیل بھی اہم عبادت ہے۔ روزے داروں کو روزہ افطار کرانے پر بھی احادیث میں انعامات کا ذکر ہے۔ ایک روزے دار کو روزہ افطار کرانے سے اللہ تعالیٰ روزے دار کے روزے کے برابر اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، اگرچہ یہ افطاری ایک کھجور کے ساتھ یا دودھ کے ایک گھونٹ کے ساتھ یا پانی کے ساتھ کروائی جائے۔ اسی طرح ایسے شخص کے گناہ معاف کر دیے

جاتے ہیں اور اسے دوزخ سے آزاد کر دیا جاتا ہے، جو شخص روزے دار کو پانی پلائے، اللہ تعالیٰ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوض کوثر سے ایسا جام نصیب فرمائیں گے، جس کو نوش کر کے کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

لیلۃ القدر کی تلاش:

رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر پنہا کی گئی ہے، اس کو پانے اور تلاش کرنے کا حکم ہے۔ لیلۃ القدر میں عبادت کرنے والے کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، یہی ایک رات ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، اللہ کے فرشتے اس شب عبادت گزاروں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رمضان المبارک میں اس شب کی تلاش میں مشقتیں اٹھاتے تھے۔ لہٰذا ہر طاق رات میں خصوصیت کے ساتھ عبادت و ریاضت کا اہتمام کیا جائے۔

اعتکاف مسنون:

رمضان کے آخری عشرے میں مرد حضرات کا محلہ کی مسجد میں اور خواتین کا اپنے گھر کے کسی کمرے میں اعتکاف کرنا سنت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ میں ہر سال اعتکاف فرماتے تھے۔ معتکف گناہوں سے مجتنب رہتا ہے اور بہت سی نیکیاں اس کو نصیب ہوتی ہیں۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کے در پر جا کر گر جائے جب تک میری درخواست قبول نہیں ہوگی میں در پر پڑا ہوں، معتکف کو اللہ تعالیٰ محروم فرما کر نہیں بھیجتے۔ حدیث پاک میں ہے کہ:

> ”ایک دن کا اعتکاف جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے جہنم سے تین خندق دور کر دیتا ہے اور ایک خندق کی مسافت آسمان و زمین کے برابر ہے“۔
>
> (حوالہ)

تہجد اور دعا کا اہتمام:

رمضان المبارک میں تہجد پڑھنا اس لیے بھی آسان ہوتا ہے کہ سحری کے لیے ہر کسی کو

بیدار رہنا ہوتا ہے، تھوڑی دیر پہلے بستر سے اٹھ کر نماز تہجد ادا کی جاسکتی ہے، جو اللہ کے قرب، دعاؤں کی قبولیت، دن کی رونق، زندگی میں برکت، حصول جنت کا ذریعہ ہے۔ شب بیدار شخص اللہ تعالیٰ کے بے بہا خزانے پالیتا ہے۔ رمضان المبارک میں دعاؤں کا بھی خوب اہتمام کیا جائے۔ حدیث پاک میں منقول ہے "ہر روزے دار کی ہر روز ایک دعا رمضان میں ضرور قبول ہوتی ہے" افطار کے وقت بھی دعائیں رد نہیں ہوتیں۔

عمرہ:

اگر وسعت اور توفیق ہو تو رمضان المبارک میں عمرہ بھی مستحب ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کو حج کے برابر قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ عمرہ نفلی عبادت ہے، قرض اٹھا کر یا اہل وعیال کے حقوق میں کوتاہی کر کے بار بار عمرے کرنا نامناسب ہے، البتہ وسعت اور کسی کی حق تلفی کیے بغیر عمرہ موجب اجر ہے۔

زکوٰۃ کا اہتمام:

زکوٰۃ کے لیے رمضان کے مہینے کا ہونا شرط نہیں، لیکن عام طور پر مسلمان رمضان سے رمضان تک زکوٰۃ نکالتے ہیں جس سے حساب کا یاد رہنا آسان ہوتا ہے نیز اجر وثواب بھی بڑھ جاتا ہے، اس لیے مستحقین تک زکوٰۃ پہنچانے سے اجر میں مزید اضافہ ہوگا۔

وقت کے ضیاع سے اجتناب:

رمضان المبارک کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، اس لیے اس کا کوئی لمحہ ضائع کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ بطور مشورہ عرض ہے ایک ماہ کے لیے رمضان المبارک میں فیس بک، سوشل میڈیا سے پرہیز کرلیا جائے تو بہت سا وقت بھی ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا، نیز بہت سے گناہوں سے بھی حفاظت رہے گی۔ علاوہ ازیں حرام غذا، حرام رزق، حرام کاری اور حرام بینی سے بچا جائے، اس لیے کہ حرام کے ہوتے ہوئے نیکی کی قبولیت نہیں ہوتی۔ حدیث پاک میں ہے:

"بہت سے روزے دار روزہ رکھتے ہیں سوائے بھوک اور پیاسے رہنے کے انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا اور بہت سے عبادت کرنے والے راتوں کو جاگتے ہیں اور سوائے بیداری کے انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا"۔

روزے کے ساتھ فلمیں دیکھنا، گانے سننا یا فضول اور فحش گفتگو کرنا، گالیاں دینا، لڑنا و جھگڑنا سب منع ہیں۔

باجماعت نماز کا اہتمام:

رمضان المبارک میں خصوصیت و اہتمام کے ساتھ ہر نماز مسجد میں جماعت و تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کرنے کی عادت بنالیں، نیز ہر نماز سے قبل اور بعد کی سنتیں نوافل وغیرہ کا بھی اہتمام فرمائیں۔ اگر چالیس روز تک مسلسل بغیر کسی ناغہ کے نمازیں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کرلی جائیں تو بموجب حدیث دو پروانے حاصل ہوتے ہیں۔ (۱) دوزخ سے براءت (۲) نفاق سے براءت، نیز چالیس روزہ پابندی کی برکت سے ان شاء اللہ دائمی طور پر جماعت کی عادت بن جائے گی۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" شعبان، رمضان ۱۴۴۰ھ/ اپریل، مئی 2019ء)

قربانی کثیر الجہت عبادت

عیدالاضحیٰ اور اس کے متصل ایام میں قربانی اسلام کا عظیم شعار، حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا بہترین مظہر، سنت ابراہیمیؑ کی اقتدا، جذبہ فنا محبوب کا اظہار، حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرانہ، توحید قولی وتوحید فعلی کا حسین امتزاج، حصول درجات کا ذریعہ، ایثار وخدمت خلق کا نمونہ اور بندے کے اپنے خالق پر فدا ہو جانے سے عبارت ہے۔ قربانی اخلاص وتقویٰ کا دوسرا نام اور کثرت حسنات کا ذریعہ ہے، یہ بندگی کے اظہار کے ساتھ تواضع، انکساری اور صلہ رحمی جیسی بہترین اوصاف کے ساتھ متصف کر دیتی ہے۔ الغرض اس ایک عبادت میں متعدد اوصاف جمع ہیں، یہی وجہ ہے کہ ابتدا آفرینش سے لے کر بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مختلف شکلوں میں قربانی کی ادائیگی کا سلسلہ جاری وساری رہی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال مدینہ منورہ مقیم رہے اور ہر سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی فرمائی، عہد رسالت سے لے کر تاہنوز امت میں مخصوص انداز میں مخصوص اوقات میں یہ عبادت سرانجام دی جارہی ہے، قربانی جیسی عبادت جسے قرآن کریم نے ''منسک''، ''قربان'' اور ''نحر'' کے الفاظ سے تعبیر کیا اپنی مخصوص ہیت کے ساتھ ہی مقصود ہے، شریعت نے اس کا بدل کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔

قرآن کریم سے واضح ہے کہ قربانی کی ابتداء سیدنا آدم علیہ السلام کے صاحبزادوں کی قربانیوں سے ہوئی چنانچہ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۲۷ میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ (المائدۃ:۲۷)

''اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی

قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ "میں تجھے قتل کر ڈالوں گا" پہلے نے کہا کہ اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں۔"

اس آیت سے جہاں قربانی کی تاریخ معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کی قبولیت میں تقوی و اخلاص اور جذبہ رضاء الٰہی کا دخل ہوتا ہے اس لیے سورۃ حج آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد فرمایا:

لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الحج:۳۷)

"اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے اس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیے ہیں، تا کہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ اور جو لوگ خوش اسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری سنا دو۔"

سورۃ حج آیت نمبر ۳۴ میں ہر امت کے لیے قربانی کے فریضہ کو ذکر کرنے کے ساتھ قربانی کی غرض بھی واضح فرمائی:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ○ (الحج:۳۴)

"اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی اس غرض کے لیے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں لہٰذا تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے چنانچہ تم اسی کی فرماں برداری کرو اور خوشخبری سنا دو ان لوگوں کو جن کے اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔"

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ قربانی حق تعالٰی کے عطاء کردہ رزق حلال جو

جانوروں کی شکل میں ہے پر ذکر خداوندی کرنے کا ذریعہ اور توحید کا پیغام ہے، اس سے تسلیم و رضاء کا درس ملتا ہے اس لیے ارشاد فرمایا اسی کی فرمابرداری کرو اور رجوع کرنے جھک جانے والوں کے لیے بشارت کا ذکر ہے۔ واضح ہوا کہ قربانی امر الٰہی پر جھک جانے اور رجوع الی اللہ کا نام ہے۔

امم سابقہ میں قربانی بارگاہ ایزدی میں پیش کی جاتی تھی جسے آسمانی آگ جلا کر راکھ کر دیتی اور یہی قبولیت قربانی کی علامت سمجھی جاتی تھی اس امت پر یہ کرم ہوا کہ قربانی کا گوشت کھانے اور استعمال کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کا گوشت پاکیزہ اور پسندیدہ گوشت ہے، اسے خود بھی کھایا جائے اور دوسروں کو بھی کھلایا جائے، امت محمدیہ چونکہ ملت ابراہیمی ہے اس لیے اس امت کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وہ قربانی عطاء کی گئی جو جان کی قربانی کے عوض میں عطاء کی گئی تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا:

> ”یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قربانیاں کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں صحابہ نے دریافت کیا ہمیں اس قربانیوں سے کیا حاصل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر بال کے بدلے نیکی نصیب ہوگی صحابہ نے اون والے جانور کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اون کے ہر جز کے بدلے بھی نیکی ملے گی۔“

(سنن ابن ماجہ، مسند احمد)

قربانی میں سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے جذبہ فدائیت کی اظہار ہے ایک مسلمان اسی جذبہ کے ساتھ قربانی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کی قربانی کا حکم دیا اگر جان کی قربانی کا حکم ہو تو اس کے لیے بھی حاضر ہوں۔

زندہ کنی عطائے تو
ور بکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو
ہرچہ کنی رضائے تو

"آپ نے زندگی دی یہ محض آپ کی عطاء ہے اگر آپ جان بھی لے لیں تب بھی آپ پر قربان دل آپ کی محبت میں فدا ہے آپ جو بھی کریں آپ کی رضا میں راضی ہیں۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کا گوشت خود بھی استعمال فرمایا اور تقسیم بھی فرمایا اہل علم کے نزدیک قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے:

۱)۔ اپنے لیے
۲)۔ اقارب کے لیے
۳)۔ غرباء کے لیے

معلوم ہوا کہ قربانی صلہ رحمی کے ساتھ غرباء کے کھانے کا بھی بہترین ذریعہ ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے دنوں میں روزہ رکھنا ناجائز ہے، اور ایام قربانی وایام تشریق اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب کھلاتے اور پلاتے ہیں گویا قربانی حق تعالیٰ کی رضا کے حصول کے ساتھ مخلوق کی بھی خوشنودی کا ذریعہ ہے ایام قربانی میں کثرت ذکر اللہ کی ترغیب دی گئی نیز ۹ ذوالحجہ نماز فجر سے ۱۳ ذوالحجہ نماز عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنے کو ہر مرد وزن پر واجب قرار دیا گیا وہ یہ تکبیر پڑھیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

اس قولی توحید وذکر کے ساتھ جانور اللہ کے نام پر قربان کر دینے سے فعلی توحید کا بھی اقرار کرایا گیا، اور یہی اسلام کی تعلیم ہے جس کا اظہار سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

(الانعام: ۱۶۲)

"کہہ دو کہ: میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، مرنا سب کچھ اللہ کے لیے

ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔"

لہٰذا اس دن کثیر الجہت عبادت سرانجام دینے کے لیے ان احکام کو بجا لایا جائے:

۱)۔ کثرت ذکر اللہ

۲)۔ فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق

۳)۔ نماز عید کی ادائیگی

۴)۔ جذبہ فنائیت کے ساتھ قربانی

۵)۔ غرباء و اقرباء میں گوشت کی تقسیم

۶)۔ مستحقین کی مالی اعانت

۷)۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک

۸)۔ تواضع انکساری

۹)۔ گناہوں سے اجتناب

۱۰)۔ خاندان کے تمام صاحب نصاب عاقل بالغ مرد و زن کی جانب سے قربانی کے اہتمام کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ، امہات المومنین، اہل بیت اطہارؓ، بزرگان دین، اپنے مرحومین کی جانب سے نفلی قربانی بھی بلندی درجات کا ذریعہ بنتی ہے۔

علاماتِ قیامت

وقوعِ قیامت اور حشر ونشر ضروریات دین میں سے ہیں۔ قرآن کریم کے بنیادی مضامین توحید ورسالت، قیامت اور صداقتِ قرآن ہیں۔ قرآن کریم کے آخری حصہ میں تو مضمونِ قیامت ہی کا بیان ہے۔ قیامت کے مقدمات ومبادی قرآن کریم نے اجمالاً اور احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ نے تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ حدیث جبرئیل میں بھی قیامت کے وقت وعلامات کا تذکرہ ہے۔ قیامت کا علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں البتہ وقوعِ قیامت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اُن نشانیوں میں کچھ بڑی نشانیاں ہیں تو کچھ چھوٹی، کچھ وقوعِ قیامت کے بالکل قریب وقوع پذیر ہوں گی تو کچھ بہت پہلے ظاہر ہوچکیں، کچھ اِس زمانہ میں ظہور پذیر ہیں۔

علاماتِ قیامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

۱)...فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۝ (محمد:۱۸)

"اب کیا یہ (کافر) لوگ قیامت ہی کا انتظار کررہے ہیں کہ وہ یکا یک اُن پر آن پڑے؟ (اگر ایسا ہے) تو اُس کی علامتیں تو آچکی ہیں۔"

۲)...اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر:۱)

"قیامت قریب آگئی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے۔"

۳)...هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ. أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ۝ (النجم:۵۶)

"یہ (پیغمبر) بھی پہلے خبردار کرنے والے پیغمبروں کی طرح ایک خبردار کرنے والے ہیں۔ جو گھڑی جلد آنے والی ہے، وہ قریب آپہنچی ہے۔"

۴)...اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝

(الانبیاء:۱)

"لوگوں کے لیے اُن کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔"

احادیث مبارکہ میں کثرت سے علاماتِ قیامت بیان کی گئی ہیں مثلاً حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی معروف حدیث (جو حدیثِ جبرئیل کے نام سے موسوم ہے) میں ایمان اسلام اور احسان سے متعلق سوالات کرنے کے بعد سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا: "مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجئے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اُس کے متعلق مسؤل (مَیں) سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔" یعنی جیسے سائل کو وقتِ قیامت کا علم نہیں، ایسے مجھے بھی نہیں۔ سائل نے دریافت کیا کہ مجھے قیامت کی علامات سے آگاہ فرمایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"۱)۔ باندی اپنی مالکہ کو جنے گی۔

۲)۔ برہنہ پاؤں عریاں بدن اور تنگ دست بکریوں کے چرواہے طویل عمارتوں میں فخر کرتے نظر آئیں گے۔"

(صحیح مسلم: کتاب الایمان)

حضرت عوف ابن مالک کی روایت میں ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں غزوہ تبوک میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چمڑے کے خیمہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وقوعِ قیامت سے قبل چھ (۶) نشانیاں شمار کر لینا۔"

۱)۔ میری وفات ۲)۔ بیت المقدس کی فتح۔

۳)۔ کثرت سے موت کا وقوع، موت جانوروں کی وباء کی طرح آ پہنچے گی۔

۴)۔ مال کی کثرت حتیٰ کہ ایک شخص کو ۱۰۰ دینار دیے جائیں گے تو وہ اُس کے باوجود ناراض ہوگا۔

۵)۔ پھر ایک فتنہ ظہور پذیر ہوگا جو عرب کے گھر گھر پہنچے گا، کوئی گھر اِس سے خالی نہ رہے گا۔

۶)۔ تمہارے اور اہلِ مغرب کے مابین ایک جنگِ عظیم ہوگی۔ وہ عہد شکنی کریں گے پھر تم پر ۸۰ لشکر حملہ آور ہوں گے، ہر لشکر میں ۱۲۰۰۰ لوگ ہوں گے۔"

(صحیح بخاری)

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"قیامت اُس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ یہ نشانیاں نہ پائی جائیں گی:

۱)۔ جب تک دو بڑی جماعتوں باہم قتل وقتال نہ کرلیں اور دونوں جماعتیں کی دعوت ایک ہی ہوگی۔

۲)۔ جب تک ۳۰ کے قریب چھوٹے دجال وکذاب لوگ نہ بھیجے جائیں، سبھی کا دعویٰ ہوگا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

۳)۔ جب تک علمِ دین اٹھا نہ لیا جائے

۴)۔ زلزلے کثرت سے نہ آئیں۔

۵)۔ زمانہ سکڑ نہ جائے

۶)۔ فتنے ظاہر نہ ہو جائیں۔

۷)۔ قتل بڑھ نہ جائیں

۸)۔ مال کی کثرت نہ ہو۔

۹)۔ مال اِس طرح بہایا جائے گا کہ مال کا مالک گمان کرے گا کہ اُس کی زکوٰۃ کو کون لے گا؟

۱۰)۔ قبر کو لپٹ کر آدمی یہ نہ کہے "اے کاش! میں اِس کی جگہ ہوتا۔"

۱۱)۔ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، لوگ اُسے دیکھ کر ایمان لے آئیں گے۔ لیکن یہ وہ وقت ہوگا کہ پہلے کے ایمان نہ لانے والے کو اُس کا ایمان نفع نہ دے گا اور پہلے سے نیکی نہ کرنے والے کو اُس وقت کی نیکی کوئی فائدہ نہ دے گی۔"

(صحیح بخاری، کتاب الفتن)

حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اچانک ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم باہم مذاکرہ کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا مذاکرہ کر رہے ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ''قیامت کے متعلق'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''قیامت اُس وقت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اُس سے قبل (۱۰ بڑی) علامات نہ دیکھ لو (جو قربِ قیامت میں ظہور پذیر ہوں گی) وہ درج ذیل ہیں:

۱)۔ دھواں ۲)۔ دجال کا ظاہر ہونا

۳)۔ انسانوں سے بولنے والا جانور۔

۴)۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

۵)۔ عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے اترنا۔

۶)۔ یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا

۷)۔ تین مقامات سے زمین کا مشرق میں دھنس جانا۔

۸)۔ مغرب میں زمین کا دھنسنا

۹)۔ جزیرہ العرب میں زمین کا دھنسنا

۱۰)۔ آخر میں یمن سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو محشر کی طرف دھکیل دے گی۔''

(صحیح مسلم، کتاب الفتن)

علاماتِ قیامت کی علماء نے تین قسمیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱)۔ وہ علامات جو اب تک ظاہر ہو چکی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق پوری ہو چکی۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفاتِ حسرت آیات، فتح بیت المقدس، حجاز سے نکلنے والی آگ وغیرہ۔

۲)۔ وہ علامات جو ظہور پذیر ہو رہی ہیں اور یکے بعد دیگرے اُن کا وقوع ہو رہا ہے۔ یہ بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ مثلاً زلزلوں کی کثرت، امانت کا ضیاع، نااہل کو منصب سونپنا، مسجدوں کو راہ گزر بنانا، علم کا اُٹھ جانا، جہل کی کثرت ہو جانا، شراب کا عام ہو جانا، آلاتِ موسیقی کا ظاہر ہونا، زنا کی کثرت، والدین کی نافرمانی، سود کا عام ہونا، قتل کی

کثرت، عرب کی بربادی، مسلمانوں اور عیسائیوں میں جنگ، علماء کی شہادتیں، علماء کی قلت، علم دین کی طرف عدمِ رغبت وغیرہ۔

۳)۔ وہ علامات جو وقوع قیامت سے کچھ پہلے ظہور پذیر ہوں گی اور وہ بڑی علامات ہوں گی جو ذیل میں ہیں:

۱)۔ مسیح دجال کا نکلنا۔

۲)۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کی آمد۔

۳)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں سے نزول۔

۴)۔ خروج یاجوج ماجوج۔

۵)۔ عجیب الخلقت جانور کا زمین سے نکلنا۔

۶)۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

اس کے علاوہ علاماتِ قیامت میں سے ایک علامت قطع رحمی، بُرا پڑوسی اور فساد کا ظاہر ہونا ہے۔ فحش اور بے حیائی کا ظہور بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر ابن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ بے حیائی کا فروغ، قطع رحمی اور بُرا پڑوسی ظاہر نہ جائے۔"

دن بدن نئے نئے فتنوں کا ظہور ہو رہا ہے، ایمان کو متزلزل کرنے کے مختلف طریقے وحربے آزمائے جارہے ہیں۔ شیطان کے کارندے دینِ اسلام کو بدنام کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ علماء و مشائخ کا دامن مضبوطی سے تھام لے، اُن کی صحبت باسعادت سے مستفید ہوتا رہے ورنہ وہ جہالت کی گھاٹیوں میں ہی پھنسا رہے گا اور اپنی آخرت کو بھی برباد کر ڈالے گا۔ اِس وقت علاماتِ قیامت میں سے بہت سی علامات کا ظہور ہو چکا اور بہت سی علامات ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قیامت اور موت کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائے اور احادیث میں مذکور فتن اور گناہوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الاول ۱۴۳۷ھ/فروری 2016ء)

''کافرفیکٹری'' یا ''کفرشناس لیبارٹری''

بی بی سی اردو ڈاٹ کام اردو نیوز کی معروف ترین ویب سائٹ ہے، جس میں تازہ ترین خبریں، تبصرے اور مضامین نشر کیے جاتے ہیں اور اردو خواں اور اردو داں طبقہ اسے دلچسپی سے پڑھتا اور سنتا ہے۔ مؤرخہ 28-05-2010ء کو لاہور میں قادیانیوں کے عبادت خانوں پر روایتی دہشت گردانہ حملوں کے بعد میڈیا کے بعض دیگر طبقات کی طرح بی بی سی نے محمد حنیف نامی شخص کا ایک فیچر بعنوان ''کافرفیکٹری'' نشر کیا جو تاہنوز ویب سائٹ پر موجود ہے۔ یہ فیچر حقائق کے برعکس پارلیمنٹ آف پاکستان، آئین پاکستان، افواج پاکستان اور پاکستان کے تمام مذہبی طبقات کی تنقیص، توہین اور تضحیک پر مشتمل ہونے کے ساتھ منکرین ختم نبوت، گستاخان رسول قادیانیوں کی بے جا وکالت اور فرقہ واریت کو ہوا دینے کی بے جا کوشش ہے، بایں وجوہ ذیل میں اس فیچر کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جا رہا ہے۔

فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں قادیانیت کے کفر کے پارلیمانی فیصلے کو ''مولانا حضرات'' کا دباؤ اور گویا الیکشن کی شکست کا بدلہ قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

> ''یہ سچ ہے کہ...... اور دوسرے مولانا حضرات نے سن انیس سو ستر کا الیکشن اس بری طرح سے ہارا کہ ان کے بعد آنے والے راہنما کبھی اس مقام تک نہ پہنچ سکے، لیکن یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ الیکشن ہارنے کے چار سال کے اندر اندر انہوں نے ایک منتخب پارلیمان سے وہ کام کروایا، جو اس سے پہلے کوئی فوجی ڈائریکٹر، کوئی امیر المؤمنین نہیں کر سکا تھا''۔

موصوف کالم نگار کا یہ بیان سراسر خلاف انصاف اور حقیقت کے منافی ہے، مرزا غلام احمد قادیانی نے اٹھارویں صدی کے آخری عشرہ میں اپنے آپ کو مہدی، پھر مسیح اور پھر نبی قرار دے کر رحمت دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدہ مریم علیہا

السلام، دیگر انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، اہل بیت رضی اللہ عنہم، بالخصوص سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے خلاف توہین آمیز زبان و قلم استعمال کیا اور اپنے متبعین کے علاوہ دیگر تمام انسانوں کو مسلمان اور شریف شہری ماننے سے بھی انکار کر دیا، اس کے بقول:

"جو لوگ مرزا کے ماننے والے نہیں، وہ سب کنجریوں کی اولاد ہیں۔"

(روحانی خزائن ج ۵ ص ۴۸۔۵۴۷)

مرزا غلام احمد قادیانی کی ان حرکات، تقریر و تحریر سے پوری انسانیت بالخصوص مسلمانوں کی شدید دل آزاری ہوئی، مسلمانوں کے تمام فرقوں اور جماعتوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوئے، انہیں ذہنی تکلیف پہنچی، اس لیے امت کے تمام طبقات قیام پاکستان سے بہت پہلے قادیانیوں کے خلاف متحد اور متفق ہو گئے۔ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور شیعہ سبھی قادیانی عقائد کو کفریہ قرار دیتے چلے آئے ہیں، اور آج بھی پوری امت اس موقف پر متحد و متفق ہے۔

مصور پاکستان علامہ محمد اقبال مرحوم کے قادیانیت کے خلاف انگریزی مضامین ریکارڈ پر موجود ہیں، قیام پاکستان سے قبل بہاولپور کی عدالت میں قادیانیت کا اسلام کئی روز تک زیر بحث رہا، قادیانیوں کے بڑوں اور مسلمانوں کے اکابر نے تفصیل کے ساتھ اپنے اپنے دلائل بیان کیے، عدالت نے فریقین کے دلائل کو سن کر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا، یہ سب کچھ قیام پاکستان سے قبل ہوا۔

ستمبر ۱۹۷۴ء کے پارلیمنٹ آف پاکستان کے فیصلے کا پس منظر صرف "مولانا حضرات" کا دباؤ نہیں، بلکہ پارلیمنٹ اور پارلیمنٹ سے باہر پاکستانی عوام کا متفقہ پرزور مطالبہ تھا، جس مطالبہ کا انہیں جمہوریت اور آئین نے پورا پورا حق دیا تھا، چنانچہ پارلیمنٹ کے ریکارڈ کے مطابق ۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں ۳۷ اراکین اسمبلی کے دستخطوں سے ایک قرارداد پیش کی گئی، جس میں اس قرارداد کے دیگر محرکات کے علاوہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ:

"نیز ہرگاہ کہ عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس جو مکۃ المکرمہ کے مقدس شہر میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام ۶ اور ۱۰ اپریل ۱۹۷۴ء کے درمیان

منعقد ہوئی اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے، جو ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار، انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے، تاکہ اس اعلان کو مؤثر بنانے کے لیے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں"۔

(بحوالہ تاریخی قومی دستاویز: ۱۹۷۴ء ص ۱۱)

۱)۔ قرارداد کے ۳۷ محرک منتخب اراکین پارلیمنٹ کے ناموں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں اکثر غیر "مولانا حضرات" تھے۔

۲)۔ قرارداد کے محرکات میں اہم محرک مکہ مکرمہ جو مرکز اسلام ہے میں منعقدہ رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں مسلمانوں کے دنیا بھر سے ۱۴۰ تنظیموں اور اداروں کا متفقہ فیصلہ تھا، جسے پارلیمنٹ سے منظور کروا کر پورے عالم اسلام کے فیصلے کی توثیق کرنا تھی۔

۳)۔ اس قرارداد کا مقصد قادیانیوں پر ظلم و ستم نہیں بلکہ انہیں اقلیت کے حقوق دینا تھے۔ واضح رہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو جو حقوق حاصل ہیں، وہ بہت سے یورپی ممالک میں بھی اقلیتوں کو حاصل نہیں۔

۴)۔ اس قرارداد کے نتیجے میں اسمبلی میں تفصیلی بحث و تمحیص کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ (بقول بی بی سی) کافر ساز فیکٹری (پارلیمنٹ آف پاکستان) کی پروڈیکشن نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کے فیصلے کی توثیق ہے، گویا اسمبلی نے فیکٹری کا کردار ادا نہیں کیا، البتہ ایک اسلامی ملک کی قانون ساز اسمبلی نے لیبارٹری کا کام ضرور کیا، جس میں اس بات کی سرچ ہوئی کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی تعلق

نہیں، نیز اسمبلی نے اس سرچ کے لیے قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر احمد کو اسمبلی میں طلب کیا اور گیارہ روز تک قادیانیت پر جرح ہوتی رہی، مزید دو دن لاہوری گروپ پر جرح ہوئی، جس کے نتیجے میں پارلیمنٹ اس نتیجہ پر پہنچی کہ قادیانی، لاہوری غیر مسلم ہیں، گویا پارلیمنٹ نے انہیں غیر مسلم نہیں بنایا، بلکہ انہیں غیر مسلم ظاہر کیا اور امت کے مسلمہ فیصلہ کو قانونی حیثیت دی، اسے یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ قادیانی اپنے نظریات کی وجہ سے کافر ٹھہرے، لیکن ان کا کفر جسے امت مسلمہ طشت ازبام کر چکی تھی، اب اسمبلی میں بھی واضح ہوگیا۔

مزید برآں قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت صرف پاکستان کی پارلیمنٹ نے ہی نہیں، بلکہ سعودی عرب، کویت، ابوظہبی، لیبیا سمیت ۳۲ اسلامی ملکوں، کیپ ٹاؤن افریقہ کی سپریم کورٹ جس کے دو جج یہودی اور تین جج عیسائی تھے، نے غیر مسلم قرار دیا۔ اسی طرح مارشیش کی عدالت کا فیصلہ بھی قادیانیت کے خلاف تھا۔

کیا محمد حنیف صاحب ۱۴۰ مسلم تنظیموں، اداروں، ۳۲ اسلامی ملکوں، افریقہ، مارشیش کی عدالتوں، علامہ اقبال مرحوم سمیت دانشوروں اور پورے پاکستان اور عالم اسلام کو ''مولانا حضرات'' قرار دیں گے؟ ایک طرف جمہوریت کا نعرہ اور دوسری طرف ایک جمہوری ملک اور عالم اسلام کے جمہوری فیصلہ کا مذاق اور پارلیمنٹ کی توہین، بی بی سی جیسے عالمی ادارے کے دوہرے معیار کا بین ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟

بی بی سی اردو کے فیچر ''کافر فیکٹری'' کے رائٹر محمد حنیف نے شناختی کارڈ کے فارم میں قادیانیت سے متعلق سوال اور حلفیہ بیان کا بڑے ہی مزے کے ساتھ مذاق اڑایا ہے اور ساتھ ہی انہیں اس بات پر شدید دکھ ہے کہ پچیس سال سے یہ فارم پر کیا جا رہا ہے کہ میں قادیانی، احمدی یا لاہوری نہیں ہوں، حالانکہ بقول ان کے قادیانی ایک چھوٹا سا فرقہ ہے، جو باقی مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھتے ہیں، داڑھیاں رکھتے ہیں، خطبے سننے کے شوقین ہیں، وہ السلام علیکم کہتے ہیں، بسم اللہ پڑھتے ہیں، مسجدوں میں نمازیں قائم کرتے ہیں اور اگر وہ یہ لفظ بولیں تو سیدھے جیل میں چلے جاتے ہیں (ملخصاً)

قادیانی نواز محمد حنیف نے شناختی کارڈ کے فارم میں حلف نامہ پر ہرزہ سرائی کی ہے کہ یہ نہیں پوچھا جاتا کہ آپ کی دماغی صحت ٹھیک ہے؟

جہاں تک شناختی کارڈ کے فارم کے حلف نامہ کا تعلق ہے، اس کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ قادیانیوں نے آج تک آئین پاکستان، پارلیمنٹ اور عدالتوں کے فیصلے اور اسلامی ملکوں کے ان کے متعلق فیصلوں کو تسلیم ہی نہیں کیا، وہ آج بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور لکھتے ہیں، اگر قادیانی اپنے متعلق پوری امت مسلمہ، پارلیمنٹ، عدالتوں کا فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے، اپنے آپ کو قادیانی اقلیت تسلیم کر لیں، تو شاید آج بھی اس حلف نامہ کی ضرورت نہ رہے، لیکن وہ منکرین ختم نبوت ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلم کہنے پر مصر ہیں، یہی وجہ ہے کہ باقی غیر مسلموں ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی وغیرہ سے کوئی حلف نامہ پر نہیں کرایا جاتا، ان کے لیے مذہب کے خانہ میں ہندو، سکھ پارسی لکھنا ہی کافی ہے اگر قادیانی بھی مذہب کے خانہ میں اسلام کی بجائے قادیانی لکھ دیں یا لاہوری لکھ دیں، ہماری نظر میں اس حلف نامہ کی چنداں ضرورت نہیں رہے گی، اس حلف نامہ کی وجہ قادیانیوں کی اسلام اور آئین سے بغاوت ہے۔

فاضل مضمون نگار نے قادیانیوں کو مسلمان ثابت کرنے کے لیے ان کے بعض اعمال کا حوالہ دیا مثلاً یہ کہ وہ نماز پڑھتے ہیں، داڑھیاں رکھتے ہیں وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ دلیل نہایت ہی غیر منطقی اور غیر معقول ہے، کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ جملہ ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، مثلاً توحید، رسالت، ختم نبوت، حشر و نشر، جنت و جہنم وغیرہ، اگر کسی ایک بھی دین کے امر ضروری کا انکار کر دیا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس کے اعمال بھی اسے کفر سے نہیں بچاتے، کاش کہ محمد حنیف اس اسلامی موضوع پہ بحث کرنے سے قبل کسی سے دین کا معمولی سا نالج حاصل فرما لیتے تو انہیں ان بھونڈی دلیلوں کا سہارا نہ لینا پڑتا۔

قرآن و حدیث کا ادنیٰ علم رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ مشرکین مکہ بھی بہت اچھے اچھے اعمال سرانجام دیتے تھے، وہ حج بھی کرتے، حجاج کی خدمت بھی، ابوجہل تو حاجیوں کو

دیسی گھی میں ستو بھگو کر پلایا کرتا تھا، ان کی داڑھیاں بھی تھیں، وہ صدقات بھی کرتے، وہ قربانی بھی کرتے اور مسجد حرام کی تعمیر بھی انہوں نے کی تھی، کیا ان تمام اعمال کی بدولت وہ کفر سے بچ گئے؟ کیا اللہ تعالیٰ ان کے فکری اور اعتقادی جرم کو ان کے اعمال کے غیر مفید کر دینے کا ذریعہ نہیں قرار دیا؟

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے کا انکار کر دیا تھا، وہ باقی پورے دین پر قائم تھے، وہ نماز بھی پڑھتے، خطبے بھی سنتے، روزہ بھی رکھتے، السلام علیکم بھی کہتے، بسم اللہ بھی پڑھتے تھے، موصوف نے جن اعمال کا ذکر کیا ہے وہ سب اعمال کیا کرتے تھے لیکن ان کے انکار زکوٰۃ جیسے فکری ارتداد کی بنیاد پر انہیں کافر قرار دیے کر ان سے جہاد نہیں کیا گیا؟ اگر مانعین زکوٰۃ اپنے تمام تر اعمال کے باوجود کافر قرار دیے گئے تو منکرین ختم نبوت اپنے تمام تر اعمال کے باوجود غیر مسلم کیوں نہیں؟۔

رہا سوال انہیں مسجد، بسم اللہ وغیرہ الفاظ کے استعمال پر جیل میں بھیجنے کا، اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں، اس لیے وہ شرعاً اور قانوناً اسلامی شعائر، اسلامی اصطلاحات استعمال نہیں کر سکتے، بالکل اسی طرح جیسے پاک فوج کی وردی پھول، ٹوپی غیر فوجی استعمال نہیں کر سکتا اور اس پر وہ قابل تعزیر و قابل سزا بن جاتا ہے پولیس کی وردی کا غیر پولیس مین کے لیے استعمال کرنا جرم ہے، ان کی اصطلاحات، مخصوص رینک (DPO, SHO, DSP, CPO, IG) چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، جرنل، کرنل، میجر، بریگیڈیئر وغیرہ اصطلاحات) دوسروں کے لیے استعمال کرنا جرم ہے اور اس پر جیل بھیج دیا جاتا ہے تو غیر مسلموں کی طرف سے اسلامی شعائر و اصطلاحات استعمال کرنے کا بھی یہی درجہ ہے۔

مضمون کے آخر میں موصوف نے ۹۰ کی دہائی میں ہونے والے شیعہ سنی فسادات کو بھی اسمبلی کے اس فیصلے سے جوڑ کر اسمبلی کو کافر فیکٹری اور قادیانیت کے کفر کو اس کی پروڈیکشن قرار دیا ہے، اسمبلی کو کافر فیکٹری کہنے کا جواب تو ان اداروں کے ذمہ ہے، جو جمہوریت اور پارلیمنٹ کی بالادستی کی بات کرتے ہیں، ہم صرف اس الزام کا جواب دینا چاہیں گے کہ ۱۸۰ور

۹۰ کی دہائی میں صرف شیعہ سنی فسادات ہی نہیں، بلکہ لسانی، صوبائی، علاقائی اور سیاسی فسادات اور تنازعات بھی ہوئے، کیا مہاجر اور پٹھان کی لڑائی، پنجابی اور بلوچی کی لڑائی، پختون وغیر پختون کی لڑائی، پاکستان میں پھیلتی ہوئی بدامنی، دہشت گردی اور ہمہ قسم عصبیتیں بھی اسمبلی کے فیصلے کا ردِعمل ہیں۔ یہ لاقانونیت، ناانصافی اور غیروں کی غلامی کا نتیجہ نہیں؟ یقیناً جواب یہی ہوگا کہ یہ محرومیوں، قانون کی عدم بالادستی اور غیر ملکی مداخلت کا نتیجہ ہیں تو پھر اس الزام کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قادیانیت کے مسئلہ پر سنی، شیعہ سبھی متحد ہیں، اور دونوں فریق دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں اور پاکستان کے تمام مذہبی راہنما قادیانیوں کے عبادت خانوں پہ حملوں کی مذمت کرتے ہیں، لیکن وہ اس کی بھی قطعاً اجازت نہیں دیتے کہ حملوں کی آڑ میں ایک متفقہ ایشو کو متنازعہ بنایا جائے۔

(غیر مطبوعہ: تاریخ تحریر 2010ء)

قمری کیلنڈر امت مسلمہ کی ضرورت

تقویم (کیلنڈر) انسانی ضرورت ہے، جس کی بدولت قومیں نظام زندگی، معاملات، منصوبہ بندیاں، تاریخوں کا تعین اور نظم اوقات وغیرہ سرانجام دیتی ہیں۔ ایک کیلنڈر کے ساتھ ہی اجتماعی وانفرادی زندگی مرتب ومنظم ہوسکتی ہے۔ کیلنڈر ماضی کو محفوظ کرنے کے ساتھ حال اور استقبال کو بھی مرتب کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ہی کیلنڈر کا سلسلہ اقوام نے اختیار کرلیا تھا۔ دنیا میں عموماً تین قسم کے کیلنڈر مروج رہے:

۱)۔ قمری کیلنڈر:

جس کا ضبط وترتیب چاند کے زمین کے اردگرد چکر لگانے سے ہوتا ہے۔ چاند زمین کے گرد مہینے میں ایک مرتبہ اور سال میں بارہ مرتبہ چکر لگاتا ہے۔ قرآن کریم نے چاند کی اس حرکت کی جانب یوں اشارہ فرمایا ہے:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ○

(یٰسین:۳۹)

’’اور چاند ہے کہ ہم نے اس کی منزلیں ناپ تول کر مقرر کردی ہیں، یہاں تک کہ وہ جب (ان منزلوں کے دورے سے) لوٹ کر آتا ہے تو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا ہوکر رہ جاتا ہے۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ○

(البقرة:۱۸۹)

’’لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ انہیں

بتادیجئے کہ یہ لوگوں (کے مختلف معاملات) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لیے ہیں۔"

مذکورہ بالا دونوں آیات سے قمری تقویم اور کیلنڈر کا اثبات اور چاند کی گردش کا مقصد واضح ہو رہا ہے۔ ہر چند کہ قمری مہینوں کا تعین قبل از اسلام ہو چکا تھا، جنہیں اسلام سے دوسو سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدامجد کعب بن لوی نے مقرر کیا تھا، وہ بارہ مہینے: محرم الحرام، صفر المظفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخریٰ، رجب المرجب، شعبان المعظم، رمضان المبارک، شوال المکرم، ذوالقعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔ تاہم قمری سال کی تعیین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمائی، جس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

ان بارہ مہینوں میں قبل از اسلام چار مہینے محترم سمجھے جاتے تھے، جنہیں اشہر حرم کہا جاتا تھا، ان چار مہینوں میں اہل عرب باہمی جنگ وجدال کو ممنوع سمجھتے تھے، چنانچہ ان مہینوں کے شروع ہوتے ہی جاہلی ماحول میں بھی امن ہو جاتا تھا، ان چار مہینوں کا اجمالی بیان قرآن کریم میں اور تفصیلی بیان احادیث میں ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ○ (التوبة:۳۶)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو اللہ کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) کے مطابق اس دن سے نافذ چلی آتی ہے، جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔"

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ○ (البقرة:۲۱۷)

"لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے۔"

احادیث میں ان چار مہینوں کی وضاحت کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں جہاں کفار عرب کی مہینوں کی تقدیم وتاخیر کی رسم جاہلیت (جس کو وہ نسی کہا کرتے تھے) کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، وہیں اشہر حرم کی وضاحت بھی فرمادی۔

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى، وَشَعْبَانَ

(رواہ البخاری: ۴۶۶۲)

”حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زمانہ پھر اپنی پہلی صورت وہیئت پر آگیا ہے، جس پر اللہ تعالی آسمان وزمین کی تخلیق کی تھی، سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین تو متواتر یعنی: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور (چوتھا مہینہ) رجب مضر ہے، جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان میں واقع ہے۔“

۲)۔ شمسی کیلنڈر:

یہ کیلنڈر سورج کے گرد زمین کی گردش سے منضبط ہے، یہ گردش تقریباً شمسی سال 365 دن، 5 گھنٹے، 48 منٹ اور 46 سیکنڈ کا ہوتا ہے۔ اور ہر چار سال بعد شمسی سال 366 دنوں کا ہوجاتا ہے۔ (جوہر تقویم) چونکہ یہ گردش سال میں پوری ہوتی ہے، اس لیے ہر ماہ کی تواریخ خود مقرر کی گئیں، کسی مہینہ کو شمسی سال میں عام شمار میں 29 دن کا کوئی ماہ نہیں ہوتا سوائے ہر چار سال میں ایک بار فروری کے۔ شمسی سال کا ماہ 30 یا 31 دن کا مقرر کیا گیا ہے، جبکہ شمسی سال کا دوسرا مہینہ فروری 28 دن اور ہر چوتھے سال (لیپ سال کہا جاتا ہے) یہ 29 دنوں کا ہوتا ہے (جوہر تقویم)۔ بایں ہمہ مذکورہ عدد کی تکمیل کے لیے لیپ کا سال متعین کیا گیا اور فروری کے 28 دن مقرر کیے گئے، گویا کہ یہ تقویم فطری نہیں، بلکہ انسانی کاوشوں کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شمسی کیلنڈر کے قواعد وضوابط معلوم کیے بغیر محض سورج کی گردش سے ایک عام آدمی شمسی سال کی

تاریخ معلوم نہیں کرسکتا، جبکہ قمری تقویم فطری اور قدرتی ہے جو چاند کی گردش سے تشکیل پاتی ہے۔ ایک ان پڑھ شخص بھی رات کو چاند کی حرکت اور ترقی وتنزلی دیکھ کر تاریخ کا پتہ لگالیتا ہے، نیز قمری تقویم میں مہینوں کے ایام کی تعداد بھی فطری اور قدرتی ہے، جس کا تعین چاند کی رؤیت سے ہے۔ ایک قمری مہینہ کے کل ایام ضروری طور پر 29 یا 30 دن ہوتے ہیں، سال کی تکمیل کے لیے کسی فارمولے اور ایام کی کمی بیشی کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ عموماً شمسی سال قمری سال سے دس روز بڑا ہوتا ہے، قمری سال 354 دن 8 گھنٹے 48 منٹ اور 34 سیکنڈ کا ہوتا ہے، گویا یہ شمسی سال سے دس دن اور اکیس گھنٹے چھوٹا ہوتا ہے۔ (جو ہر تقویم) یہی وجہ ہے کہ تقریباً 33 سال کے بعد شمسی وقمری سال میں ایک سال کا فرق پڑجاتا ہے۔

۳)۔ نجومی کیلنڈر:

اس تقویم کا تعلق ستاروں کی گردش سے ہوتا ہے، یقیناً یہ بھی ایک مشکل ترین اور ناسمجھ آنے والی تقویم ہے، اس کا استعمال بہت قلیل ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور اس کے متبعین دنیا بھر کے قیامت تک آنے والے انسان ہیں، جن میں ذہین وغبی، عالم وغیر عالم، پڑھے لکھے وان پڑھ، مردوزن، بچے اور بوڑھے شامل ہیں، اس لیے احکام اسلام کا مدار شمسی سال کے بجائے قمری سال کو بنایا گیا، چنانچہ زکوۃ، حج، رمضان کے روزے، ہر ماہ ایام بیض کے روزے، قربانی وغیرہ، قمری تقویم کے مطابق رکھے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امت میں چودہ صدیوں سے قمری کیلنڈر رائج ہے اور شرعی طور پر اسے محفوظ رکھنا اور اس کا اجراء امت پر فرض کفایہ ہے۔ اگر خدانخواستہ پوری امت قمری تقویم کو ترک کردے تو پوری امت گناہ گار ہوگی، اس لیے اسلام کی درخشندہ تاریخ بھی قمری تقویم کے لحاظ سے مرتب کی گئی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، خلفاء راشدین اور اسلامی حکومتوں نے سرکاری کیلنڈر نیز ان کے عہد مبارک کی تدوین بھی قمری مہینوں کے اعتبار سے ہے۔ برصغیر میں انگریز کے قابض ہونے کے بعد سے اس تقویم کے رواج کو شمسی تقویم میں بدل

دیا گیا اور مفتوح قوم نے فاتح قوم کے اثرات کو تا حال قبول کیا ہوا ہے، اس لیے آج بجائے قمری تقویم کے ملکی نظام شمسی تقویم کے ذریعے چلایا جا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ رمضان، عید وغیرہ کے معاملات میں قوم تقسیم ہوتی ہے۔ افسوس صد افسوس! نسل نو قمری تقویم سے بالکل نابلد ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قمری مہینوں کے نام تو درکنار، قمری سال کے سن تک کا علم نہیں، جس کی وجہ سے وہ یقیناً بہت سارے دینی احکام کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اپنے اموال کی زکوۃ شمسی سال کے اعتبار سے نکالتے ہیں، عموماً مروجہ مالی سال جون تا جولائی ہوتا ہے، اور کاروباری طبقہ اسی کے مطابق زکوۃ بھی نکالتا ہے۔ گزشتہ سطور میں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ قمری سال شمسی سال سے مختصر ہوتا ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ ہر 33 سال بعد دونوں میں ایک سال کا فرق ہو جاتا ہے، اگر ایک شخص شمسی سال کے اعتبار سے زکوۃ ادا کرتا ہے تو 33 سال بعد ایک سال کی زکوۃ شارٹ (کم) ہو جائے گی۔

قمری تقویم کو ہجری تقویم بھی کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں آپ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی، جس پر صرف شعبان المعظم لکھا ہوا تھا، سن وغیرہ مرقوم نہ تھا اور اس وقت تک یہی مروج تھا کہ بغیر سن کے قمری تاریخ لکھی جاتی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کون سا شعبان ہے؟ امسال کا یا گزشتہ سال کا؟ نیز آپ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سن کی تدوین کی جانب متوجہ فرمایا تو آپ نے اکابر صحابہ کی میٹنگ بلائی اور مشورہ طلب فرمایا کہ ہمیں سن کس اہم واقعہ سے شروع کرنا چاہیے؟ مختلف آرا سامنے آئیں، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو قبول فرماتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے قمری تقویم کے آغاز کا اعلان فرمایا۔ ہجرت کا آغاز صفر اور تکمیل ربیع الاول میں ہوئی تھی، لیکن محرم الحرام پہلا مہینہ جانا جاتا تھا، اس لیے محرم الحرام کو پہلا مہینہ قرار دے کر ہجرت نبوی کے سال کو پہلا سال قرار دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ووفات پر ہجرت کو ترجیح دے کر یہ پیغام دیا گیا کہ مسلمان نظریاتی قوم ہیں، وہ اپنے نظریہ کو مقدم رکھتے ہیں، ہجرت اگرچہ کسمپرسی، مظلومیت و مقہوریت کی داستان ہے، تاہم ہجرت اشاعت اسلام اور غلبہ دین کا ذریعہ بھی بنی۔ ہجرت سے ہی اسلام آفاقی

دین بنا، اسی وجہ سے ہجرت کو بنیاد بنایا گیا، تا کہ ہر سال محرم الحرام سے مسلمانوں کو جہد مسلسل، صبر وتحمل، دین کے لیے مشقت ومحنت کرنے کا پیغام ودرس ملے۔

شمسی کیلنڈر کا استعمال شرعاً ممنوع نہیں ہے، ضرورت کے تحت اسے استعمال کیا جا سکتا ہے، تاہم قمری کیلنڈر اسلامی ضرورت اور مسلمانوں کی پہچان ہے، اسلامی احکام کا مدار قمری مہینوں پر ہے، اس لیے اس تقویم کو رواج دینا، قائم رکھنا، اور اگلی نسلوں کو اس سے متعارف کروانا ضروری ہے، دینی مدارس کا تعلیمی، انتظامی سال قمری کیلنڈر سے چلتا ہے اور بحمد اللہ! دینی مدارس اسے باقی رکھے ہوئے ہیں۔ شمسی وقمری کیلنڈر کے استعمال پر دار العلوم دیوبند کے بزرگ اساتذہ کرام کا نہایت دلچسپ اور معلومات آفرین شعری مباحثہ ہوا، جسے قارئین کی دلچسپی کے لیے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

مولانا محمد انور کلیم نے اپنی کتاب ''تکوین کائنات'' میں نقل کیا ہے کہ ۱۳۶۶ھ میں دار العلوم دیوبند کے استاذ مولانا مبارک علی شاہ نے موسمیاتی تغیر کے سبب تغیر اوقات مدرسہ کے پیش نظر، پورے سال کے لیے ایک شمسی کیلنڈر ترتیب دے کر، دار العلوم کے اساتذۂ کرام اور ملازمین کی خدمت میں بھیج دیا، اس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے تنقید کرتے ہوئے سترہ اشعار فارسی میں تحریر فرما کر مولانا مبارک علی کی خدمت میں ارسال کیے، جو ارباب ذوق کے لیے درج کیے جاتے ہیں:

السلام اے واقفِ سیر نجوم
ناظم تعلیم در دار العلوم

من ندانم جنوری و فروری
ہیں بگو با ماسن پیغمبری

ایں حساب ہست از نصرانیاں
اہلِ دین دانند ایں را مستہاں

از ہلال واز قمر میعات ما
نے ز شمس و دورا تاریخ ما

حکم او فرض کفایہ در شرع
ترک کلی ہست نے شبہ منع
روزہ و حج و زکوٰۃ آں معتبر
کہ بباید بر حساب ایں قمر
اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ ما را لقب
در سن و تاریخ آمد ایں ادب
سن ہجری سن اربابِ صفا
سن شمسی سن اصحابِ جفا
ما ہمہ خدام دین مصطفیٰ
وارثانِ انبیاء با صفا
ما ہمہ مرغابیان بحر علم
زندہ از آبِ حیات علم و حلم
روح ما از خمر رمضان گشت مست
بے خبر از جون و جولائی اگست
از محرم نقشہ باید از ربیع
ایں ستم بُر از سر ما اے رفیع
غرہ شوال سال جنت است
زیں سبب ایں مبداء تعلیم گشت
در حدیث مصطفیٰ آمد چنیں
بیہقی تخریج کردہ نجم دیں
بر لب من خود بخود آمد سخن
از تلطف لطف و معذوری بکن
گفتگوئے طالباں در کار رب
جوشش علم است نے ترکِ ادب

والسلام اے ناظم تعلیم ما

یصلح اللہ لنا اعمالنا

مذکورہ نظم جب ناظم تعلیمات مولانا بشیر احمدؒ نے ملاحظہ فرمائی، تو انہوں نے برجستہ پینتیس اشعار تحریر فرمائے:

السلام اے شاعر عالی مقام
السلام اے شاعر ذوالاحترام
السلام اے شاعر دارالعلوم
السلام اے ناظرِ سرِّ نجوم
السلام اے شاعر خستہ جگر
السلام اے شاعر بالغ نظر
السلام اے شاعر حکمت مآب
السلام اے واقف ام الکتاب
السلام اے عاشق راہِ ہدا
السلام اے راہِ حق کے رہ نما
السلام اے شیخ تفسیر قرآں
اے فقیہہ و مجتہد اے نکتہ داں
السلام اے شاعر والا نکات
من ندانم فاعلاتن فاعلات
جنوری و فروری سے بے خبر
اس غلو سے چاہیے کرنا حذر
ایک مدت سے ضرورت اس کی تھی
ہو مرتب ایسا نقشہ دائمی
جس میں ہوں اوقات تعلیم چھپے
ہر مہینے اور ہر ہر کام کے

تا کہ ہر ہر ماہ یہ دقت نہ ہو
محنتِ بے کار کی کلفت نہ ہو
اور قمری ماہ سے عالی جناب
ہو نہیں سکتا تھا نقشہ کامیاب
آپ اس نقشہ کو رکھ کر سامنے
سن ہجری خود بخود لکھ لیجئے
کب کہی ہے آپ سے میں نے یہ بات
کیجئے اپریل میں حج و زکوٰۃ
میں نہیں ہوں مدعی اس کا حضور
مارچ ہی میں رکھیئے روزے ضرور
کب میں یہ ترغیب دیتا ہوں جناب
کیجئے جولائی سے آغاز نصاب
جنوری میں جو بھی شوال آئے گا
سال جنت کیا نہ ہوگا وہ بھلا
اور اگر رمضان ہو در ماہِ اگست
خمر رمضاں سے نہ ہوں گے آپ مست
ہم اگر ہیں خادمانِ مصطفیٰ
ہر جگہ سے علم و حکمت لیں اُڑا
اور جو ہیں کوتاہ بینی کے شکار
اپنا دعویٰ دعوئے بے اعتبار
خادمانِ مصطفیٰ نے بے ملال
ہر سمندر سے لیے موتی نکال
تنگ نظری اس قدر اچھی نہیں
جس سے اہلِ علم ہوں چیں بر جبیں

آپ نے کس طرح یہ لکھ دیا
سن شمسی سن اصحاب جفا
سوچیے قبل از جناب مصطفیٰ
سن شمسی کس جگہ رائج نہ تھا
انبیاء و اولیاء اس وقت کے
آپ کی ناوک کی زد میں آگئے
کر رہا ہے خود ہی قائم کارساز
شمس کے سایہ سے اوقات نماز
حکم جعل الشمس ہے واضح جناب
کفر کب ہے شمس سے لینا حساب
روزہ کے اوقات افطار و سحور
شمس کے تابع ہیں بالکل اے حضور
سنیے حضرت آپ یہ حکم خدا
ہے محونا آیۃ اللیل بجا
پھر جعلنا کی بھی آیت دیکھیے
کس طرح شاہد ہے دعویٰ پر میرے
اور ثلاثۃ مائۃ بھی اے عقیل
سال شمسی اور قمری کی دلیل
والسلام اے صاحب فہم و ذکاء
زَادَنَا اللّٰہُ لَنَا اَفْهَامَنَا

بعد ازاں ان دونوں نظموں کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ملاحظہ فرمایا، تو آپ نے ترپن اشعار پر مشتمل نظم تحریر فرما کر محاکمہ کیا۔ اس نظم کو طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا جارہا، البتہ چند اشعار ہدیہ قارئین ہیں:

ایں کلام دو فقیہہ امت است
بحث ہر دو اختلاف رحمت است
ہر یکے از یک مقامے شد عیاں
آں مقامے کو بدل دارد نہاں
اینش طالع از مقام عشق شد
دانش طالع از مقام عقل شد
یک طلوع از جلال آفتاب
یک طلوع از جمال ماہتاب
از یکے شان بشیری شد عیاں
وز دیگر شان نذیری درمیاں
نظم اول مشتمل بر حال شد
نظم ثانی مشتمل بر حجۃ است
ہیچ تنگی نظم اول را مبیں
جوشش تقوی است نے فتوی است ایں

(تکوین کائنات، ص:۱۰۱)

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' محرم الحرام ۱۴۴۱ھ/ستمبر 2019ء)

6 ستمبر یوم تجدید عہد تحفظ ختم نبوت

اعلیٰ ترین مناصب کے لیے اہل اور اعلیٰ ترین شخصیات کا انتخاب کیا جاتا ہے، دنیوی مناصب کے لیے میرٹ اور شرائط اہلیت اہل دنیا اور روحانی و دینی منصب کے لیے انتخاب باری تعالیٰ ہی کرتے ہیں، ختم نبوت تو کجا نبوت بھی کوئی ایسا عہدہ نہیں کہ کوئی شخص اسے از خود حاصل کر سکے، قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق نبوت کے لیے انتخاب حق تعالیٰ خود کرتے ہیں سورۂ حج کی آیت نمبر ۷۵ میں ارشاد خداوندی ہے: ''اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں سے رسول منتخب فرماتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہیں'' ۔منصب ختم نبوت، نبوت سے بالا اور کائنات کا اعلیٰ ترین منصب ہے، حق تعالیٰ نے اس منصب کے لیے جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ازل سے انتخاب فرما کر ختم نبوت کا تاج آپ کے سر سجا دیا، سلسلۂ نبوت کو آپ پر ختم فرما کر قصر نبوت کی آخری اینٹ نصب فرمادی۔

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کی اساس اور مسلمانوں کا امتیاز ہے، اس عقیدہ کو قرآن کریم کی بیسیوں آیات اور چار سو احادیث نبویہ میں بیان کیا گیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں اس عقیدہ کے تحفظ کے لیے حضرات صحابۂ کرام و اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے باقاعدہ جہاد کر کے منکرین ختم نبوت کے ارتداد و کفر اور منکرین ختم نبوت کے گستاخ رسول ہونے پر اجماع منعقد کر لیا، اس مقدس عقیدہ کے دفاع میں بعض روایات کے مطابق دو ہزار سے زائد صحابۂ کرام (جن میں سات سو کے قریب حفاظ و قراء صحابۂ کرام تھے) نے جام شہادت نوش کیا، تب سے امت کے جملہ طبقات کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ جو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کسی بھی شخص کو کسی طرح کا نبی مانے وہ اسلام کی اساس پر حملہ آور، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منصب ختم نبوت کا غاصب، قرآن و سنت کی

نصوص کا منکر اور اجماع امت کے ناقض ہونے کی وجہ سے ملحد وزندیق اور گستاخ رسول ہے، منکرین ختم نبوت دراصل رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک کرسی پر کسی اور کو براجمان کر کے میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاج نبوت اس کے سر پر سجانا چاہتا ہے، جسے عاشقان مصطفی قطعاً گوارا نہیں کرسکتے، جو لوگ منکرین ختم نبوت کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں ان سے سوال کرنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ کیا وزیر اعظم، چیف جسٹس، آرمی چیف جیسی مسندوں پر کسی انڈین یا پاکستان کے کسی دشمن ملک کی کسی بھی نااہل غیر آئینی شخصیت کو براجمان کرنے کی کوشش قبول کی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو بس سمجھ لیجئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویدار ہر شخص دراصل حضور کی کرسی پر قبضہ جمانا چاہتا ہے، جسے روکنا امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر عہد میں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی جیسے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، آپ نے ان کی سرکوبی کے لیے باقاعدہ لشکر روانہ فرمائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ اور لوگوں نے بھی نبوت کے دعوے کیے، جنہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگا دیا تھا۔

برصغیر میں انگریز نے قدم جمائے تو بہت سے فتنے بھی بپا کردیے، اہل اسلام کے دلوں سے جذبۂ جہاد نکالنے اور اپنے قبضہ کے خلاف مزاحمت روکنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی نامی شخص سے دعوئ نبوت کروا کر اس فتنہ کی مکمل سرپرستی کی، جو تاہنوز جاری ہے، امت کے جملہ طبقات نے قیام پاکستان سے قبل اس فتنہ کے کفر وارتداد اور ہولناکی سے امت کو آگاہ کیا، چنانچہ سب سے پہلے علماء لدھیانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کے ارتداد سے متعلق فتویٰ دیا اور پھر ہندوستان بھر کے علماء ومشائخ نے اس فتویٰ کی توثیق کی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اس فتنہ کے متعلق حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ کو آگاہ فرمایا اور انہیں خلافت سے سرفراز فرما کر اس فتنہ کے خلاف جہاد کا حکم دیا، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے مرض الوفات میں علالت ونقاہت کے باوجود بہاولپور تشریف لا کر عبدالرزاق نامی مرتد قادیانی کی مسلمان بیوی مسماۃ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش کے فسخ

نکاح کے مقدمہ میں دلائل کے انبار لگا دیے، مقدمہ کا فیصلہ آنے سے قبل حضرت کشمیریؒ وصال فرما گئے، لیکن فیصلہ مسلمانوں کے حق میں آیا اور منکرین ختم نبوت کو اسلام سے خارج قرار دے کر نکاح فسخ کر دیا گیا، علاوہ ازیں فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی، حضرت مولانا قاضی محمد سلمان منصور پوریؒ، مولانا محمد حسن چاندپوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ جیسے اکابر نے جدوجہد کی۔ مجلس احرار اسلام نے قادیان میں پہلی ختم نبوت کانفرنس منعقد کی۔

قیام پاکستان کے بعد حکومت کی چھتری تلے قادیانی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں تو 1953ء میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ، مولانا ابوالحسنات قادری رحمہ اللہ، مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ، علامہ غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ، خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ، علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمیؒ، مولانا عبدالرحیم اشعرؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مفتی محمد جعفر حسین، مولانا محمد یوسف اور شیخ حسام الدین جیسے اکابر نے ختم نبوت کی چوکیداری کی اور دس ہزار عاشقان رسول شہید ہوئے۔

1974ء میں نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ چناب ایکسپریس کے ذریعے سیاحتی سفر پر تھے، ربوہ (چناب نگر) ریلوے اسٹیشن پر ٹرین رکی، تو قادیانی گماشتوں نے اپنا لٹریچر تقسیم کرتے ہوئے قادیانیت زندہ باد کے نعرے لگائے، جواب میں ان طلبہ نے ختم نبوت زندہ باد کے نعروں سے قادیانیت کا جواب دیا، ٹرین روانہ ہوگئی ایک ہفتہ بعد اسی ٹرین کے ذریعے یہ قافلہ واپس آرہا تھا کہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں نے ان طلبہ پر حملہ کر کے سب کو لہولہان کر دیا، اس واقعہ اور ملک بھر میں قادیانی سرگرمیوں کے ردعمل میں قوم متحد ہوگئی، مجلس عمل ختم نبوت کے نام سے تمام مکاتب فکر کا مشترکہ پلیٹ فارم معرض وجود میں آیا، جس کی قیادت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا شاہ احمد نورانی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، مولانا عبیداللہ انور

رحمہ اللہ، حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ، نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم، آغا شورش کشمیریؒ، علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، مولانا عبدالقادر روپڑی، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ، مولانا فیض رسول حیدرؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور مولانا صاحبزادہ افتخار الحسن کر رہے تھے۔

قومی اسمبلی میں مولانا شاہ احمد نورانیؒ نے مرزائیوں، لاہوریوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی، قومی اسمبلی کو کمیٹی کا درجہ دے کر بحث کا فیصلہ ہوا، مولانا مفتی محمودؒ نے مرزا ناصر محمود (قادیانی خلیفہ) سے تفصیلی مذاکرہ ومناظرہ کیا۔ جس کے بعد حکومت کی جانب سے عبدالحفیظ پیرزادہ نے بھی قرارداد پیش کی، مؤرخہ 7 ستمبر 1974ء کو اسمبلی میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی۔ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی کابینہ، اپوزیشن اور جملہ ارکان اسمبلی نے قرارداد پر دستخط کے ذریعہ سامان جنت حاصل کیا۔ آج کا دن تحفظ ختم نبوت کے لیے بیدار رہنے جدوجہد کرنے اور فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر متحد رہنے کے عہد کی تجدید کا دن ہے، ہماری نظر میں عالمی استعمار کے دباو پر اس کاز کو خطرات لاحق ہیں، نیز ختم نبوت جیسے اساسی موضوع پر افتراق سے دشمنان عقیدہ ختم نبوت کو فائدہ اور ختم نبوت کاز کو نقصان پہنچتا ہے، جس اتحاد کا مظاہر قوم کے اکابر نے کیا تھا آج اسی اتحاد کے قیام کی ضرورت ہے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۴۳ھ/ستمبر 2021ء)

سستی اور بے بسی

دنیاوآخرت میں کامیابی، حصول عزت اور سرخروئی کا مدار، محنت ومجاہدہ، بروقت امور کی ادائیگی، احساس ذمہ داری کے ساتھ فرائض کی فوری انجام دہی اور عزم وہمت پر ہے، دنیا میں وہی لوگ کامیاب وکامران ہوتے ہیں، جو اپنی ذمہ داریوں کو بروقت سرانجام دیتے ہیں۔ اسی سے روزی کا حصول، ملازمت، کاروبار، امتحان میں کامیابی، نیک شہرت، معاشرہ میں محبوبیت اور لوگوں کا رجحان وابستہ ہوتا ہے۔ آخرت میں کامیابی، جنت کا حصول، رضاء الٰہی کا پا لینا بھی اسی جذبہ، نیک ارادے، اعمال، مجاہدہ وریاضت، فرائض کی بروقت ادائیگی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تکمیل، تندہی کے ساتھ اعمال صالحہ کا ارتکاب، معاصی اور گناہوں وغیرہ سے اجتناب بھی اسی سے وابستہ ہے۔

اس کے مدمقابل سستی وکاہلی، ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بے بسی، احساس ذمہ داری میں کوتاہی، بدبختی، بدعملی، دنیاوآخرت میں محرومی کا ذریعہ بنتی ہے۔ معاشرہ میں سستی وکاہلی، بے بسی اور کم ہمتی کا مرض روز بروز بڑھتا جارہا ہے، مرد وزن، نوجوان، بچے، بوڑھے بھی ان عادتوں میں مبتلاء نظر آتے ہیں، دینی طور پر نماز میں کوتاہی، روزہ رکھنے میں سستی، زکوۃ وصدقات کی ادائیگی میں کاہلی، فرضیت حج کے باوجود ادائیگی میں تاخیر، بچوں، بچیوں کی شادی میں سستی، تلاوت قرآن، ذکرواذکار، صبح وشام کی دعائیں، اور دیگر دینی معمولات میں سستی، دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی، حصول علم، پیش آمدہ مسائل کے بارے میں سوالات وغیرہ سے کوتاہی، موت کی تیاری، قبر، حشر اور آخرت کی تیاری وغیرہ جیسے اہم امور سے ہمارے معاشرے کی کوتاہی اور سستی ڈھکی چھپی نہیں۔ والدین کی خدمت، اولاد کی تربیت ونگرانی اور دنیوی طبقات، سرکاری، نجی ملازمین کی اپنے اپنے فرائض منصبی اور ذمہ کاموں میں کوتاہی بھی عام سی بات ہے۔ کام کو

ٹالنا'' صبح نہیں شام، آج نہیں کل، ابھی تو وقت ہے، دیکھ لیں گے، میری عمر ہی کیا ہے، ذرا عمر گزرے گی تو اللہ کو بھی راضی کرلیں گے، ابھی دفتر، درسگاہ، مسجد جاتے ہیں، وقت باقی ہے، تھوڑی دیر میں تیاری شروع کریں گے وغیرہ'' وہ خوبصورت عنوانات ہیں جو ہمیں سستی و کاہلی کی جانب گامزن کرتے ہیں سستی بڑھتے بڑھتے بے بسی کی شکل اختیار کر لیتی ہے'' مجھ سے کام نہیں ہوتا، میں مسجد نہیں جاسکتا مجھ سے چھ گھنٹے مطالعہ نہیں ہوتا، میں دس سال نہیں پڑھ سکتا، مجھے گھر کے علاوہ چین نہیں آتا مجھ سے دکان میں نہیں بیٹھا جاتا، ملازمت مشکل ہے'' جیسی باتیں بے بسی کی علامات ہوتی ہیں۔

دنیوی طور پر بھی سستی اور سست لوگوں کی کمی نہیں، جوانوں کی ایک بڑی تعداد محض سستی کی وجہ سے بے روزگار، ہاتھ پہ ہاتھ دھرے، گھروں میں حقیقی فاقہ کشی پر مجبور ہے، طالب علم تعلیم میں کوتاہی کی وجہ سے ناکام اور تعلیم سے محروم ہوتے نظر آرہے ہیں، گھر کا دروازہ خراب ہے بلب ٹھیک نہیں، پنکھا کام نہیں کر رہا، چارپائی درست کروانی ہے، سبزی نہیں آئی، بچوں کو اسکول چھوڑنا ہے، دس منٹ باقی ہیں، گھر والے ہمہ وقت چیختے اور چلاتے رہے ہیں، اور صاحب خانہ'' ابھی کرتا ہوں، کل کردوں گا، ہاں بس دیتا ہوں بچوں کی فیس'' کرتے کرتے پورے گھرانے کو ایذاء اور تکلیف میں مبتلا کردیتے ہیں۔ سرکاری ملازم وقت پر دفتر نہیں پہنچ پاتے، فائلیں بند پڑی ہیں، مطالعہ کی ہمت نہیں یا فرصت نہیں، سرکاری اور نجی کام جمود کا شکار ہیں، یہ سب امور سستی کی کارستانیاں ہیں، جو بالآخر ملازم کو عزت و روزگار سے محروم کردیتی ہیں، تاجر اور صنعت کار دفتر جانے سے کتراتا ہے، سستی کی وجہ سے ماتحتوں، ذیلی شعبہ جات کی نگرانی نہ ہوسکنے کی وجہ سے اچانک معلوم ہوتا ہے کہ کاروبار کا دیوالیہ نکل گیا۔ قرضوں کی وصولی میں کوتاہی، سٹاک پر عدم توجہ، سستی و کاہلی، گپ شپ، بے ضرورت مشاغل، عیاش مزاج، شاہوں کو گدا بنا رہے ہیں، بیشتر خواتین و حضرات اپنی صحت سے متعلق سستی کا شکار رہ کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، دل، جگر، گردہ کے امراض غفلت کی وجہ سے موت تک لے جاتے ہیں، مشاہدہ ہے کہ بہت سے حضرات سے جب چیک اپ اور ٹیسٹوں کے لیے کہا جاتا ہے، تو سستی کی وجہ سے آج کل پر بات ٹلتے ٹلتے بالآخر معاملہ سنگین بیماری یا موت تک جا پہنچتا ہے۔

الغرض ہر شعبے میں سستی و کاہلی کا راج ہے، جس کی وجہ سے دنیا و آخرت تباہ ہوتے جا رہے ہیں۔

اسی کاہلی اور سستی جیسے موذی امراض سے نجات کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ادعیہ میں ایک بہترین دعا منقول ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

(صحیح بخاری: ۶۳۶۷)

"حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: "اے اللہ! میں عاجزی، سستی، بزدلی، اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اور عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، نیز زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

اہل علم نے عجز و کسل میں میں فرق تحریر فرمایا ہے "عجز" عدم قدرت اور "کسل" اچھے کاموں کے کرنے کو بوجھ سمجھنے کو کہتے ہیں۔ اگر کام کرنے کی قدرت و ہمت ہی نہ ہو تو یہ عجز ہے، اور اگر کام کرنے کی قدرت و استعداد تو ہو لیکن سستی کی وجہ سے بندہ کام نہ کرے یا کام کو بوجھ سمجھے تو یہ کسل ہے اور اسی کا نام سستی ہے۔ جبن سے مراد بزدلی جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ ہو، اور بڑھاپے سے مراد ایسا بڑھاپا جس میں آدمی دوسروں کا محتاج بن جائے، عقل و ہواس کام کرنا چھوڑ جائیں، ان سب امور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔

بلاشبہ سستی کامیاب زندگی کی دشمن ہے، جبکہ بے بسی کرب، حسرت اور کڑھن سے عبارت ہے، ان امراض سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ پاک ان بری عادتوں اور مہلک امراض سے حفاظت فرمائیں جو دین و دنیا کی تباہی کا باعث بنتی ہوں۔ قرآن کریم نے بھی سستی جیسے مرض کا ذکر کر کے اس کی مذمت کی ہے اور سستی کو منافقین کا طریقہ بتایا ہے، چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ (النساء:۱۴۲،۱۴۳)

”یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اور جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسماتے (ست) ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں۔ یہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ پورے طور پر ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں، نہ ان (کافروں) کی طرف۔ اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے، تمہیں اس کے لیے ہدایت پر آنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں مل سکتا۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ۝ (التوبہ:۵۴)

”اور ان کے چندے قبول کیے جانے میں رکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے، اور یہ نماز میں آتے ہیں تو کسماتے (سستی کے ساتھ) ہوئے آتے ہیں اور (کسی نیکی میں) خرچ کرتے ہیں تو بادل نخواستہ خرچ کرتے ہیں۔“

سورۃ توبہ میں سستی و کاہلی کی ان الفاظ سے بھی مذمت کی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ (التوبہ:۳۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لیے) کوچ کرو، تو تم بوجھ ہو کر زمین سے لگ گئے؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دنیوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، مگر تھوڑا۔“

”اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ“ کی تفسیر اہل علم نے سستی و کاہلی کے ساتھ کی ہے۔

بعض لوگ توکل کا بہانہ بنا کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھے گھر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے روزی دینے کا وعدہ کر رکھا ہے، اس طرح وہ اپنے اوپر سستی سوار کر کے عمل چھوڑ بیٹھتے ہیں، بلاشبہ یہ بھی ایک دھوکہ اور شیطانی چال ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں کو نصیحت فرمائی:

”تم میں سے کوئی بھی طلب رزق اور محنت سے کنارہ کش ہو کر اللہ سے زبانی جمع خرچ کر کے رزق مانگتا ہوا نہ بنے، تم جانتے ہو آسمان سے نہ سونا برستا ہے اور نہ ہی چاندی۔“

(احیاء علوم الدین:۲/۳۵۱)

”ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی چند ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کام کاج نہیں کرتے تھے، آپ سخت ناراض ہوئے اور ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے ہم متوکل ہیں آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو یہ توکل نہیں، توکل یہ ہے کہ دانہ زمین میں ڈال کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو، وہ اسے اگائے گا۔“

(کنز العمال:۴/۱۲۹)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو صدقات وصول کرنے کے لیے راستوں میں بیٹھنے سے بھی منع فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں دن بھر پورے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں، آپؓ نے فرمایا صبح اور شام کے وقت تلاوت کیا کرو جبکہ

دن کے اوقات میں کام کاج کیا کرو، اللہ تعالیٰ نے دن کو کوشش اور کام کرنے کے لیے بنایا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النباء:۱۱)" اور ہم نے دن کو روزی حاصل کرنے کا وقت قرار دیا۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے کام کاج کی وجہ سے سخت ہاتھوں کو دیکھ کر فرمایا یہ ایسا ہاتھ ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔"

(تاریخ بغداد: ۸/۳۱۷)

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ سستی و کاہلی دنیا و آخرت کی محرومی کا ذریعہ جبکہ حرکت و عمل، برکت اور کامیابی کا ذریعہ ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی سے سستی، حرام اور موجب عذاب ہے۔ حصول رزق سے سستی، فقر کا ذریعہ ہے، طلب علم سے سستی، جہالت کا سبب ہے، صحت سے متعلق سستی، امراض اور موت کا ذریعہ ہے، کاروبار میں سستی، رزق سے محرومی کا ذریعہ ہے، کام کاج میں سستی، عزت سے محرومی کا ذریعہ ہے۔

اہل علم نے سستی جیسی مہلک مرض سے نجات کے لیے روحانی و دنیاوی علاج بھی تحریر کیے ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام، صحابہ و اہل بیت اطہار کی سیرت کے مطالعہ سے سستی دور کی جاسکتی ہے، سیدنا داؤد علیہ السلام زرہ سازی کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے تناول فرماتے، شب بھر عبادت بھی کرتے، آپ کے گھر میں، دن رات کوئی نہ کوئی ذکر خداوندی اور عبادت میں مصروف ہوتا، سیدنا ابراہیم علیہم السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے کعبہ کی تعمیر فرمائی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی جہد و مشقت اور کام سے عبارت ہے، آپ نے کسی بھی عمل میں سستی کو پسند نہیں فرمایا، سستی کے ازالہ کے لیے صبح نماز کے لیے جلدی اٹھنے اور وضو کر کے ذکر کرنے کا حکم دیا، اس سے طبیعت میں دن بھر چستی رہتی ہے، ورنہ شیطان سستی پیدا کر دیتا ہے، اور دن بھر طبیعت سست رہتی ہے۔

سستی سے بچنے کے لیے صبح جلد اٹھنے اور جلد کام شروع کرنے کی عادت ڈالنا بھی ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لیے صبح کے وقت میں برکت کی دعا

فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے بسی اور سستی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کی تلقین بھی فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِحْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَلَا تَعْجَزْ"

(مسلم)

"نفع مند چیز کے حریص بن جاؤ، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو، اور بے بس نہ بنو۔"

سستی اور بے بسی پر اپنا محاسبہ اور نفس کو ملامت بھی کرنی چاہیے، اور یہ سوچنا چاہیے کہ لوگ محنت کر کے دین و دنیا میں ترقی کر گئے ہیں اور میں کیوں محروم ہوں؟ نیز سستی کے ازالہ کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمیت بڑی شخصیات کو اپنا نمونہ بنانا چاہیے اور ان کی محنتوں اور مشقتوں کو ذہن نشین کرنا چاہیے، سست اور بے کار لوگوں کی صحبت اور مجلس سے اجتناب کر کے کام کرنے والے اور نیک سیرت لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے، اپنی خوراک میں توازن پیدا کر کے زیادہ کھانے، زیادہ سونے اور زیادہ بولنے سے اجتناب بھی سستی سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس موذی مرض سے بچائیں اور چستی ونشاط سے دینی و دنیوی امور سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ربیع الاول ۱۴۴۳ھ/ اکتوبر 2021ء)

باب سوم

بحث و نظر

میری نہیں رب کی مرضی

سترہویں صدی میں برپا ہونے والے انقلاب فرانس کے بعد، لبرل ازم (مذہب اور مذہبی اقدار سے آزادی کا نعرہ) بلند ہوا۔ مادر پدر آزادی کے اس خوش کن نعرہ نے رفتہ رفتہ یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پھر اہل یورپ کی طرف سے تب سے اب تک، اس نعرے کو پسماندہ ملکوں میں رائج کیا جارہا ہے۔ اسی مسحور کن اور فریب آور نعرہ کے ذریعے پسماندہ طبقات میں پذیرائی حاصل کرنے کی مساعی کی جاری ہیں۔ لبرل ازم کا مطلب شروع شروع میں آزادی لیا جاتا، خواہ وہ غلامی سے ہو، آمریت سے ہو، استحصالی طبقات سے ہو، جاگیردارانہ یا سرمایہ دارانہ نظام سے ہو، اس لیے یہ نعرہ مقبول ہوتا گیا اور معاشرہ کے محروم طبقات اس پُرفریب نعرہ کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ مغرب کے چند پروردہ اس تحریک کے بانی ٹھہرے، لیکن یہ تحریک ہمارے یہاں پاکستان میں زیادہ مؤثر نہ ہوئی۔ کیونکہ لبرل شخصیات کے کردار و عمل سے مذہب بیزاری، مقدس شخصیات کی توہین اور ان کی زندگیوں سے غیر اسلامی طرز، بود و باش و نظریات کی بو آتی تھی۔ اس لیے اہل پاکستان نے ان نظریات کو مسترد کردیا۔

نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نعرہ بلند ہوا اور اس جنگ کا رخ اسلام و مسلمانوں کے خلاف موڑا گیا، تو دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے مذہبی نظریات کا خاتمہ اور لبرل ازم کو ضروری قرار دیا جانے لگا۔ چنانچہ اس کی ترویج کے لیے ملک بھر میں بیسیوں "این، جی، اوز" قائم کرائی گئیں۔ ان این، جی، اوز کو غیر ملکی حکومتوں نے اربوں ڈالر کی فنڈنگ کی۔ اس فنڈنگ کے ذریعے ملک بھر میں مذہب بیزاری کی تحریک مسلط کی گئی، جو تاہنوز بین الاقوامی اور حکومتی سرپرستی میں جاری و ساری ہے، اب لبرل ازم کا مطلب صرف اور صرف مذہب سے آزادی، آزاد خیالی، مذہب سے بغاوت، اللہ تعالیٰ کی ذات اطہر کا انکار، جناب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرات صحابہ کرام، اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اور مذہبی مقدس شخصیات سے بغاوت اوران کی توہین بن کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کے لبرل عام مذہب بیزار نہیں، بلکہ صرف اسلام بیزاری کو لبرل ازم کا روپ دیا جارہا ہے۔ اگر مطلقاً مذہب بیزاری لبرل ازم ہوتی تو یہودیت، عیسائیت اور دیگر مذاہب کے ساتھ بھی اسلام جیسا سلوک ہوتا۔ جبکہ حقیقت میں ایسا نظر نہیں آتا، عملی طور پر اسلام کی بغاوت اور اسلام دشمنی کو لبرل ازم بنادیا گیا ہے۔ لبرل ازم جس قدر خطرناک اور تباہ کن ہے، اسی قدر اسی طوفان بدتمیزی کے خلاف مزاحمت بھی کم ہے۔ المیہ یہ ہے کہ مذہب پسند طبقات ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزاد ہو کر مذہب دشمن لوگوں کو مذہب مخالف کام کرنے کا پورا پورا موقع دے رہے ہیں۔ اسی موضوع پر تقریری وتحریری کام بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ بین الاقوامی سرپرستی اور عالمی دباؤ کے سامنے حکومتیں، عدالتیں، ادارے نہ صرف ان مذہب دشمنوں کے سامنے ڈھیر ہیں۔ بلکہ ہر قسم کی سہولت فراہم کرکے مٹھی بھر طبقہ کے پورے پورے سہولت کار بن چکے ہیں۔ ان قوتوں کے اثر ونفوذ کا یہ عالم ہے کہ ملک کے آئین، اکثریاتی آبادی کے جذبات کے علی الرغم قانون سازی انہیں کی منشاء کے مطابق ہورہی ہے۔ یہ طبقہ میڈیا، بیوروکریسی، قانون ساز اداروں کے اعصاب پر سوار رہتا ہے۔ دریدہ دہنی کا یہ عالم ہے کہ اس طبقہ کی مذموم کاوشوں کے نتیجہ میں اسلام دشمنی کے ساتھ ساتھ، پاکستان دشمنوں کو بھی سپورٹ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اثر ورسوخ کی وجہ سے اسلام اور پاکستان کے خلاف زبان درازی کرتے، شعائر اسلام کی توہین کرتے، احکام خداوندی کا استہزاء کرتے اور حدود اللہ میں مداخلت کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طبقہ اوراس طبقہ کے بین الاقوامی سرپرستوں، مقامی سہولت کاروں کی وجہ سے درج ذیل اندوہناک صورت حال پیدا ہوچکی ہے:

۱)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت والوہیت، وجود باری تعالیٰ اور صفات خداوندی تک کا انکار کیا جارہا ہے۔ سوشل میڈیا پر اس طرح کی پوسٹیں کی جارہی ہیں کہ نعوذ باللہ گویا ہر برائی ''نظریہ توحید'' کی وجہ سے ہے۔

۲)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات کی توہین وتنقیص کے واقعات کسی سے مخفی نہیں۔ سانحہ مردان اور دیگر واقعات شاہد ہیں کہ ایسے دریدہ

ذہن، بدزبان افراد نے شانِ اطہر میں گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن میڈیا میں اس گستاخی کو نہیں بلکہ گستاخی کے ارتکاب پر ہونے والے فطری وایمانی ردعمل کو اچھالا گیا، لوگوں کو جیلوں میں ڈالا گیا، لیکن گستاخوں کے خلاف کوئی جاندار کارروائی نہیں ہوئی۔

۳)۔ قانون ختم نبوت جوامت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ، اور پاکستان کے آئین ودستور کا حصہ ہے، جسے ہزاروں افراد کی قربانیوں کے بعد بنایا گیا تھا، اس لبرل طبقہ کو نوازنے کے لیے غیر محسوس طریقے سے اس قانون کو آئینی ترمیمی بل کے ذریعے غیر مؤثر کیا گیا، جس پر عوامی ردعمل کی وجہ سے مجبوراً حکومت کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اور ترمیم واپس ہوئی، لیکن تادمِ تحریر اس نئی ترمیم پر صدر پاکستان کے دستخط نہیں ہوئے۔ جس کی وجہ سے تشویش باقی ہے۔

۴)۔ قانون ناموس رسالت یا 295 سی جس کے تحت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین وتنقیص کرنے پر سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ ہر چند کہ اس قانون پر آج تک عمل درآمد نہ ہوا اور عملدرآمد نہ ہونے میں بھی یہی طبقہ اور ان کے آقا رکاوٹ ہیں، کو ختم کرنے یا غیر مؤثر کرنے کی مذموم کوششیں کی جارہی ہیں۔ مسلم لیگ کی حکومت میں سینیٹ میں اس قانون کو زیر بحث لانے کی کوشش بھی ہوچکی ہے۔

۵)۔ موجودہ حکومتوں نے سندھ میں تبدیلی مذہب اور پنجاب میں تحفظ نسواں بل جیسے غیر فطری اور غیر شائستہ بل بھی انہی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے بنائے، ان قوانین پر ردعمل کی وجہ سے عارضی طور پر انہیں روک دیا گیا۔

۶)۔ مشرف دور میں حدود قوانین میں تبدیلی کر کے بے حیائی اور بدکاری کو قانونی جواز فراہم کیا گیا۔

۷)۔ ملک میں فحاشی، عریانی پر مبنی کلچر تشکیل دیے جارہے ہیں۔ اخلاق باختہ اور حیاء سوز مناظر وماحول کو فیشن کلچر کا نام دیدیا گیا ہے۔ تعلیمی اداروں میں بطور خاص ایسا ماحول بنایا جارہا ہے کہ، کوئی بھی باعزت اور شریف انسان اسے کسی طور پر قبول

نہیں کر سکتا۔

۸)۔ پنجاب میں تو نظام تعلیم غیر ملکی فنڈنگ پر چلنے والے اداروں کے حوالہ کر دیا گیا۔ پیف کے زیر انتظام اکثر سرکاری اسکول پرائیویٹ کر دیے گئے۔ ان اسکولوں میں مطالعہ پاکستان اور اسلامیات جیسے مضامین کو کوئی اہمیت نہیں، بیشتر اسکولوں کے نصابوں سے مذکورہ اہم مضامین خارج کر دے گئے اور بعض اسکول پڑھا رہے ہیں، لیکن ان مضامین کے امتحان نہ ہونے کی وجہ سے ان مضامین کو کوئی اہمیت حاصل نہیں، نتیجتاً نسل نو کو اسلام اور پاکستان سے دور کیا جا رہا ہے۔

۹)۔ نصاب تعلیم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، مقدس شخصیات کے حوالہ سے مضامین، پاکستان کے بانیوں اور ملک کے لیے قربانی دینے والوں سے متعلق مضامین حذف کر کے غیر ملکی، غیر مسلم شخصیات کے حالات کو جزو نصاب بنایا جا رہا ہے۔ نصاب کو غیر اسلامی اور مغربی بنانے کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہے۔

۱۰)۔ مذہب اور اسلام پسندوں کے خلاف طرح طرح کے اقدامات، مدارس و مساجد پر پابندیاں، علماء کرام کو بلا جواز فورتھ شیڈول، دینی طبقات کا میڈیا ٹرائل سب اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

۱۱)۔ سرکاری مناصب پر متشرع اور دینی شکل وصورت کی حامل شخصیات یا دینی ذہن کے لوگوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، اس کے برعکس بد دیانت، مادر پدر آزاد اور بدعقیدہ و بے دین لوگوں کو ترجیح دی جا رہی ہے۔

۱۲)۔ شعائر اسلام، قربانی، حج بیت اللہ جیسی عبادات پر پیسہ خرچ کرنے کو غریب دشمنی، جبکہ کلچر اور ثقافت کے نام پر کروڑوں خرچ کر دینے کو ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔

الغرض ملک میں مذہب و اسلامی تمدن کا خون کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں اسلام آباد میں ایسی مادر پدر آزاد خواتین نے ایک مظاہرہ کیا، جس میں پلے کارڈ اٹھائے ہوئے تھے، ان پلے کارڈز پر مرقوم تھا "میرا جسم میری مرضی" اس کے ساتھ خبر آئی کہ دو پاکستانی خواتین نے آپس میں شادی بھی رچائی۔ اس اندوہناک تحریک نے نہ جانے آئندہ کیا کیا گل کھلانے

ہیں۔ اوارگی کا یہ سلسلہ کہاں تک پہنچے گا، اللہ ہی جانتا ہے۔ مذکورہ بالا نعرہ کا مفہوم بھی ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے، اس نعرہ کے ذریعہ پیغام دیا جارہا ہے کہ خواتین اپنے جسم کی مالکہ ہیں، لہذا اپنے جسم اور جسمانی خواہش کے بارے میں وہ آزاد ہیں، انہیں آسمانی یا ملکی کسی بھی قاعدے قانون کے ذریعہ پابند نہیں بنایا جاسکتا، وہ چاہیں تو شادی کریں، چاہیں تو بغیر نکاح کے اپنی خواہشات کی تکمیل کریں، ان کی خواہش اگر خواتین سے شادی کی ہو تو وہ خواتین سے شادی کریں یعنی ہم جنس پرستی کی مرتکب ہوں، یہ مادر پدر آزاد خواتین جانوروں کی طرح کی آزادی چاہتی ہیں، بلکہ جانور بھی غیر فطری عمل کے مرتکب نہیں ہوتے اور یہ ان سے بھی دو قدم آگے جانا چاہتی ہیں۔

ایمان اور وحی سے محروم مادر پدر آزاد خواتین یہ بھول گئیں کہ ان کا جسم ان کی اپنی تخلیق نہیں، نہ وہ اپنے جسم کی مالکہ ہیں، ان کے جسم کا خالق بھی اللہ تعالیٰ اور مالک بھی اللہ تعالیٰ ہے، لہذا جسم پر مرضی بھی حق تعالیٰ کی چل سکتی ہے اپنی نہیں۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ تمہارا خالق صرف اللہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق ہے تو اس کا نام پیش کرو، اس کی تخلیق پیش کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کا بھی چیلنج دیا کہ غیر اللہ اگر کوئی چیز پیدا کر سکتے ہوں، تو کم از کم ایک مکھی ہی پیدا کر کے دکھادیں......!!!۔ ان کے تو عجز کا یہ عالم ہے کہ وہ مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو اسے مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ○

(الحج: ۷۳)

”لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے اب اسے کان لگا کر سنو، تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دعا کے لیے پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ چاہے

اس کام کے لیے سب کے سب اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے، تو وہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ ایسا دعا مانگنے والا بھی بودا اور جس سے دعا مانگی جا رہی ہے وہ بھی۔"

کوئی بھی انسان اپنے جسم کا مالک نہیں، یہی وجہ ہے کہ شرعی لحاظ سے کسی بھی شخص کے لیے خودکشی جائز نہیں۔ اگر انسان اپنے جسم کا مالک ہوتا تو اسے خودکشی کی بھی اجازت ہوتی۔ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو یا اپنی اولاد کو فروخت بھی نہیں کر سکتا، اگر جسمانی ملکیت کا تصور ہوتا تو یہ سب کچھ کرنا لوگوں کے لیے جائز ہوتا۔

الغرض یہ فلسفہ جاہلانہ اور عقل و نقل کے صریح خلاف ہے۔ لبرل ازم کے اس سلسلہ کو روکنے اور اس کے آگے بند باندھنے کی ضرورت ہے۔ دینی طبقات، مسلم عوام کو اس جانب متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک مٹھی بھر طبقے کو ملک بھر میں کیونکر فروغ دیا جا رہا ہے۔ اگر اس سلسلہ کو سنجیدہ نہ لیا گیا تو اندیشہ ہے کہ، چند سالوں میں ملک کی نظریاتی اور جغرافیائی شناخت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ تمدن کا خون ہوگا اور مذہب ملیا میٹ ہو کر رہ جائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس طبقہ کو قانون کے دائرے میں لا کر پابند کیا جائے، تا کہ اس طرح کے مسائل سے نبرد آزما ہوا جا سکے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" رجب المرجب ۱۴۳۹ھ/اپریل 2018ء)

گستاخ رسول کی سزا کے خاتمے کا مطالبہ اور اس کا جائزہ

ماہنامہ "الفاروقیہ" کی پہلی اشاعت کا پہلا اداریہ نذر کرتا ہوں، اُس ذات والا صفات، بابرکات وباثمرات کے نام، جن کے طفیل سے یہ عالم ہست وبود معرضِ وجود میں آیا، قلم بنا، قرطاس کو وجود ملا، سیاہیاں نمودار ہوئیں، دماغ بنے، مضامین سنورے، ہاتھ سے جنبش نمودار ہوئی اور مافی الضمیر کاغذ کی زینت بن گئے۔

حال میں پاکستان کے جرائد ورسائل، اخبارات ومیگزین، قانونِ توہینِ رسالت اور ناموسِ رسالت آرڈیننس پر تبصرے، تجزیے، مضامین اور اداریے شائع کر رہے ہیں۔ بعض قلمکار اس قانون کی ضرورت واہمیت، اور بعض اس قانون کے سقم وکمزوریوں کو واشگاف کر رہے ہیں، تو بعض اس قانون کو آزادیٔ اظہارِ رائے اور انسانی حقوق کی پامالی قرار دے کر اس قانون کے خاتمہ کے مطالبہ میں پُرجوش نظر آتے ہیں۔

افسوس کہ وطنِ عزیز پاکستان، جس کی بنیاد کلمہ طیبہ پر رکھی گئی تھی، جس کا مقصدِ تاسیس دوقومی نظریہ تھا، جسے آج تک اسلام کا قلعہ گردانا جاتا ہے، جس کے پرچم میں گنبدِ خضریٰ کا رنگ بھرا گیا تھا، جو اسلامی ریاست کے حوالہ سے علامہ اقبالؒ کے خوابوں کی تعبیر تھا، جس گلشن آبیاری کے لئے لاکھوں نمازیوں، غازیوں، حاجیوں، ذاکروں اور شب بیداروں نے اپنا خون فراہم کیا تھا، آج اس سرزمین پہ اس آقائے نام دار، خاتم النبیین، سیدالاولین والآخرین، شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فداہ ابی وامی کی توہین وگستاخی کو ایک معمولی اور ناقابلِ التفات امر قرار دے کر اس کی پرواہ نہ کرنے کی باتیں کی جارہی ہیں۔ ہائے غضب کہ حکمران اور حزبِ اختلاف پارٹیوں کے بعض ذمہ داران اسلام اور پاکستان سے حلفِ وفاداری قائم کرنے کے

باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغاوت پر اُتر آئے ہیں۔ وہ اپنے قلب وجگر میں حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے بغضِ رسول کو موجزن کیے ہوئے ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفادار نہیں بلکہ توہین رسول کرنے والے گستاخ، غدار و بدکردار اچھے لگتے ہیں۔ انہیں کبھی کسی مجبور، مقہور، مظلوم، لاچار و وفادار سے ہمدردی نہیں ہوئی، انہیں جیل خانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین و گستاخی کا ارتکاب کرنے والی خاتون کی چاپلوسی اور وکالت ہی بھا گئی۔

اے دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوستو! اقتدار اور دولت کے پجاریو! یہود وہنود کی رضا کے طلب گارو! اپنی موت کو یاد کرو، تمہیں ایک روز مرنا ہے، قبر میں امریکا بہادر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک دکھا کر سوال کیا جائے گا:

مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ...... اس شخص (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

روزِ محشر اوباما کا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "لواء الحمد" مسلمان کی پناہ گاہ ہوگا، جس وقت یہود وہنود زنجیروں میں جکڑے کھڑے ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہی ایمان والوں کو اس دوزخ سے بچا کر جنت میں لے جائے گی۔ قیامت کی ہولناکیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آبِ کوثر ہی پیاس کے خاتمہ کا ذریعہ ہوگا۔ لہٰذا قبر وحشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ سوچو...... سوچو اور سوچو...... اپنی قبر وحشر وآخرت کی فکر کرو...... غیروں کی چاپلوسی میں اپنا نقصان نہ کرو، دوسروں کی خوشنودی میں اپنے ملک کو آگ وخون میں نہ دھکیلو۔

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اہلِ اسلام کو اپنی جان ومال، اہل وعیال سے زیادہ عزیز ہے اور یہی ایمان ودین کا تقاضا ہے۔ یہی وفا کا اصول ہے اور یہی محبت کا قرینہ ہے۔ جس روز مسلمانوں کے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نکل جائے گی وہ دن شاید اس دنیا کا آخری دن ہوگا۔ گستاخِ رسول کی سزا سزائے موت شرعی ضابطہ بھی ہے اور عقل کا تقاضا بھی۔ پاکستان کا آئین بھی ہے اور اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی۔

حال میں آسیہ نامی گستاخ رسول کی سزا کی مجوزہ معافی سے گستاخ رسول کی سزا کی بحث ایک دفعہ پھر زور شور سے شروع ہوگئی ہے۔لیکن افسوس صد افسوس! اس نازک اور خطرناک موضوع پر بہت سے دین وثقافت سے نابلد قلم فروش اور ضمیر فروش لوگ اس متفقہ، اجماعی، خالص اسلامی قانون کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہے ہیں۔ٹی وی کے سٹیج پر براجمان ہوکر بڑی بے باکی سے اس اجماعی قانونِ شرعی کے خلاف اپنے تئیں دلائل دے رہے ہیں۔اور بے باکی سے اعلانیہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ گستاخِ رسول کی سزا قرآن میں کہیں نہیں۔

اس سے قطع نظر کہ پورا دین قرآن مجید میں ہے یا نہیں یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ دین کے اصول چار ہیں:

۱)۔ قرآن کریم

۲)۔ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳)۔ اجماعِ امت

۴)۔ قیاسِ مجتہد

قرآن کریم، سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اجماعِ امت سے گستاخِ رسول کی سزا موت ہی ثابت ہے۔

ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ گستاخ رسول کی شرعی سزا کو قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ حق واضح ہوجائے اور کسی مسلمان کے دل میں شک وشبہ نہ رہے۔

گستاخِ رسول کی سزا قرآن کی نظر میں:

(۱)۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِيْنُونَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُوْنَ ○

(التوبہ:۲۹)

"وہ اہلِ کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور نہ دینِ حق کو اپنا دین مانتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ عطا کریں۔"

اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے علامہ حافظ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ متوفی ۷۳۸ھ اپنی شہرہ آفاق کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" ج ۱ ص ۳۲ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں جب تک کہ وہ جزیہ دے کر اظہارِ ذلت نہ کرلیں۔ اس وقت تک قتال روکنے کی اجازت نہیں جب تک کہ وہ ذلیل نہ ہوں اور جزیہ نہ دے دیں......
ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم ہمارے نبی و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سامنے سب وشتم کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی شان میں ہماری موجودگی میں گستاخی بکتا ہے یا ہماری مجلسوں میں ہمارے دین کو مطعون کرتا ہے وہ "صاغر" یعنی ذلیل نہ ہوا، کیونکہ "صاغر" تو حقیر وذلیل کو کہتے ہیں، (جبکہ یہ شخص تو اس قدر دریدہ دہن ہو کر مسلمانوں پر چڑھائی کر رہا ہے اور بہت بڑی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کر رہا ہے اس حالت میں آیت کا حکم عود کر آئے گا، ایسا شخص واجب القتال ہو گا اور قتال کا لازمی نتیجہ قتل ہے)

(۲)- كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ○ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ○ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَن سَبِيلِهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ○ فَإِن

تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ○ وَإِن نَّكَثُوا أَيْمَانَهُم مِّن بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ○ (التوبہ:۷،۸،۹،۱۰،۱۱،۱۲)

''ان مشرکین کا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کوئی معاہدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے قریب معاہدہ کیا ہے جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، بے شک اللہ متقی لوگوں کو پسند کرتا ہے (لیکن دوسرے مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ برقرار رہ سکتا ہے، جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آ جائیں تو تمہارے معاملہ میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں اور نہ کسی معاہدے کا! یہ تمہیں اپنے زبانی جمع خرچ سے راضی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے (دنیا کی) تھوڑی سی قیمت لے لینا پسند کر لیا ہے اور اس کے نتیجے میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کے کرتوت بہت برے ہیں۔ یہ کسی بھی مومن کے معاملے میں کسی رشتہ داری یا معاہدے کا پاس نہیں کرتے اور یہی ہیں جو حدیں توڑنے والے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو یہ تمہارے دینی بھائی بن جائیں گے اور ہم احکام کی یہ تفصیل ان لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں جو جاننا چاہیں۔ اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں اور تمہارے دین کو طعنے دیے ہوں تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آ جائیں کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں''۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک قوم کو مستثنیٰ کر کے ان تمام مشرکین سے جن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کیا ہوا تھا عہد کی نفی کی، ان کے ساتھ بھی عہد و پیمان کو اس وقت تک برقرار رکھا جب تک کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں گے۔ کیونکہ غیر

مسلم کے لیے عہد و پیمان اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ ہم سے کئے گئے عہد و پیمان پہ قائم رہے، بصورتِ دیگر اس کا ذمہ وعہد ختم ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم ہمارے رب یا ہمارے نبی یا ہمارے دین کو سبّ وشتم کرتا ہے وہ اپنے عہد و پیمان پہ قائم نہیں رہا، جیسے اعلانیہ جنگجو کافر و غیر مسلم کا ہمارے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں، ہمارے ملک میں رہنے والے اس شاتمِ دین و شاتم رسولؐ غیر مسلم و کافر کا بھی ہم سے کوئی عہد و پیمان نہیں رہا، بلکہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے تن من دھن کی بازی لگا کر اپنے وطن میں کلمۃ اللہ کو بلند و بالا کریں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایذا کا باعث بننے والے کسی بھی عمل کی اجازت نہ دیں۔ ایسے غیر مسلم جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معاملہ میں مستقیم نہیں رہے حالانکہ یہ نہایت آسان امر ہے، تو پھر یہ لوگ دیگر معاملات میں ہمارے وفادار کیسے رہیں گے؟ اس کے بعد والی آیت ذرا پھر سے دیکھیے:

كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ

(التوبہ:۸)

''(لیکن دوسرے مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ برقرار رہ سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آ جائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں اور نہ کسی معاہدہ کا''۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایسے عہد شکن کفار کے لئے آیت کریمہ واضح حکم دے رہی ہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔ گستاخ رسول کافر و غیر مسلم سب سے بڑا عہد شکن ہے، اس سے قتال کرنا، جس کا لازمی نتیجہ اس کا قتل ہے، آیت کریمہ کا واضح حکم ہے۔

مزید برآں یہ کہ گستاخ رسول دین میں طعن کا بھی مرتکب ہوتا ہے اور آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ قتال کی علت یہی دو چیزیں بیان فرماتے ہیں: (۱) عہد شکنی (۲) طعن فی الدین۔ ان دو اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا آئمہ کفار سے قتال کرو اور ''توہین رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کرنے والا'' ان دونوں جرائم کا مرتکب ہے۔ ایسے مجرمین سے قتال نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ بھی فرمائی ہے:

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْماً نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ○

(التوبہ:۱۳،۱۴)

''کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی!!! کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟!!!! (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ ان سے جنگ کرو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے، انہیں رُسوا کرے، ان کے خلاف تمہاری مدد کرے اور مومنوں کے دل ٹھنڈے کر دے۔''

''ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو ایذاءِ رسول کا مرتکب ہوتا ہے اس کے ساتھ قتال کرنا متعین ہے اور یہی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا کے مرتکب ہوتے ہیں اور طعن فی الدین کرتے ہیں ان کا خون حلال ہوتا ہے۔''

(الصارم المسلول ملخصاً: ج ۱ ص ۳۵، ۳۶)

(۳)۔ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيهَا ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ○ (التوبہ:۶۳)

''کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے ٹکر لے تو یہ بات طے ہے کہ اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی بھاری رُسوائی ہے۔''

اس آیت سے قبل اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ذکر فرمائی ہے:

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ

لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ○ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوْهُ إِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ○ (التوبہ:۶۱،۶۲)

''اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دُکھ پہنچاتے ہیں اور (ان کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ وہ تو سراپا کان ہیں۔ کہہ دو کہ وہ کان ہیں اس چیز کیلئے جو تمہارے لئے بھلائی ہے، وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں اور تم میں سے (ظاہری طور پر) جو ایمان لے آئے ہیں، ان کے لئے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچاتے ہیں ان کے لئے دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے۔ (مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں، تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ یہ اگر واقعی مومن ہوں تو اللہ اور اس کے رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں۔''

اس سے معلوم ہوا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایذاء کے مرتکب ہوتے ہیں وہ محاداۃ اللہ ورسول کے مرتکب ہیں۔ اس کی تائید سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جسے امام حاکم نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجروں میں سے کسی حجرے کے سایہ میں تشریف فرما تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ مسلمان بھی موجود تھے، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''عنقریب تمہارے پاس ایک ایسا انسان آنے والا ہے جو تمہیں شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے بات چیت نہ کرنا۔'' تھوڑی سی دیر کے بعد ایک نیلی آنکھوں والا انسان آیا، اسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا، پھر فرمایا: ''تم اور فلاں اور فلاں نے کس بنیاد پر مجھے سب وشتم کیا ہے؟'' اُس شخص نے اُنہیں بھی بلا لیا اور سب نے جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی

معذرت وصفائی پیش کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعاً فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ ۝

(المجادلہ:۱۸)

''جس دن اللہ اُن سب کو دوبارہ زندہ کرے گا، تو اس کے سامنے بھی یہ اسی طرح قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور یہ سمجھیں گے کہ انہیں کوئی سہارا مل گیا ہے یاد رکھو یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں''۔

اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۝ (المجادلہ:۲۰)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں''۔

معلوم ہوا کہ ایذاءِ رسول محاداۃ (مخالفت) میں داخل ہے۔ اور محاداۃ (مخالفت) کی سزائیں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (المجادلہ:۲۱،۲۰)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں، اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے، یقین رکھو کہ اللہ بڑی قوت والا بڑے اقتدار والا ہے۔''

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ''اذل'' (ذلیل ترین) قرار دیا ہے، اس میں ذلیل سے زیادہ مبالغہ ہے اور گستاخی کے مرتکب ہونے والے اسلامی معاشرہ میں اذل تبھی بنیں گے جب انہیں اپنی جان و مال کا خطرہ محسوس ہو، یعنی وہ مباح الدم بن جائیں اور یہ اسی صورت ہو سکتا ہے، جب گستاخی رسول پر سزائے موت کا قانون نافذ ہو۔ لہٰذا آیت کے مصداق کے مطابق یہ لوگ سزائے موت ہی کی صورت میں ذلیل ترین بن سکتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۝ (مجادلہ:۵)

''یقین رکھو کہ جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ایسے ہی ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے تھے۔''

الکبت: ذلیل کرنا، رسوا کرنا اور پچھاڑنا کے معنی میں آتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا معنی ''ہلاک کرنے'' کے کیے ہیں۔ ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گستاخی کرنے والا محاداۃ (مخالفت) کرنے والا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محادات کرنے والے کی سزا اس آیت کی روشنی میں دنیا میں ہلاک وقتل اور آخرت میں عذاب الیم معلوم ہو رہی ہے۔

یہ چند دلائل قرآن کریم سے بطور نمونہ کے پیش خدمت ہیں ورنہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''الصارم المسلول'' میں مفصل اور مدلل بحث فرمائی ہے، جو اہلِ علم کے لئے خاصہ کی چیز ہے۔

سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں گستاخِ رسول کی سزا:

۱)۔ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کیا کرتی تھی، ایک آدمی نے اس کا گلہ دبا کر قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو باطل ولغو قرار دیا۔''

(سنن ابی داؤد کتاب الحدود)

یہ حدیث گستاخ رسول کے قتل میں صریح نص ہے، نیز اگر گستاخ رسول اسلامی ریاست میں رہنے والا ہو، مرد ہو یا عورت، اس جرم پر اسے قتل کیا جائے گا۔ اس کا اسلامی ریاست میں رہنا، یا عورت ہونا اسے سزا سے نہیں بچا سکتا۔ اس لئے کہ یہ یہودیہ مدینہ میں رہنے والی تھی۔

۲)۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا کی اُم ولد لونڈیہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالی بکتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

شانِ اقدس میں گستاخی کی مرتکب ہوتی تھی، یہ نابینا اسے منع کرتے، لیکن وہ رُکتی نہ تھی۔ یہ ڈانٹ پلاتے لیکن وہ باز نہ آتی۔ ایک رات وہ حضور علیہ السلام کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنے لگی، انہوں نے پتلی تلوار اس کے پیٹ پہ رکھ کر اس پر اپنا وزن ڈال دیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی اور لوگ بھی جمع ہو گئے، آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ کی قسم دیتا ہوں اس شخص کو جس نے جو کچھ کیا سو کیا میرا اُس پر اگر حق ہے تو کھڑا ہو جائے'' تو نابینا شخص اٹھا اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے اضطراب کے ساتھ چلتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور عرض کیا حضرت میں اس کا قاتل ہوں، یہ آپ کو گالی بکتی تھی اور آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی مرتکب ہوتی تھی۔ میں اسے منع کرتا یہ نہ رکتی، اسے ڈانٹتا یہ ڈانٹ کا اثر بھی نہ لیتی تھی، اس سے میرے موتیوں جیسے دو بیٹے بھی ہیں اور وہ میرے ساتھ نرمی برتنے والی بھی تھی، گذشتہ رات اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی تو میں نے پتلی تلوار کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! تم گواہ ہو جاؤ میں اس کے خون کو ختم کرتا ہوں''۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

۳)۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کعب بن اشرف کے لیے کون ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے''۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، عرض کیا یا رسول اللہ میں! کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ میں اس کو قتل کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں! عرض کیا، مجھے کچھ کہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، مقصد یہ تھا کہ مجھے ایسی گفتگو کی اجازت دی جائے، جس سے میں اس کی ہمدردیاں سمیٹ سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہہ سکتے ہو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اسے ان کے درمیان

تعلقات یاد دلائے اور کہا کہ یہ شخص (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے صدقہ چاہتے ہیں اور ہمیں تھکا دیا ہے۔ کعب بن اشرف نے جب یہ سنا تو کہنے لگا کہ اللہ کی قسم تم اور بھی تھک جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے اس سے ابھی بیعت کی ہے اور ہمیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ انہیں ایسے ہی چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان کا انجام دیکھ لیں۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ قرض مطلوب ہے۔ کعب بن اشرف نے کہا رہن میں کیا چیز رکھو گے؟ اپنی بیویاں؟ محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا تو عرب کا خوبصورت انسان ہے، کیا ہم اپنی بیویاں تیرے پاس رہن رکھیں گے؟ وہ کہنے لگا کہ کیا اپنے بچے رہن رکھو گے؟ محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ ہمارے بیٹوں کو گالی دی جائے گی کہ تم تو دو وسق کھجور کے لئے رہن رکھے گئے تھے۔ ہاں ہم آپ کے پاس ہتھیار رہن رکھتے ہیں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف سے وعدہ کر لیا کہ اس کے پاس حارث، ابی عبس بن جبیر اور عباد بن بشر ہتھیار لائیں گے۔ یہ صاحبان آئے اور رات کو اسے بلایا۔ کعب بن اشرف ان کی جانب اترا، اس پر اس کی بیوی نے کہا میں ایسی آواز سن رہی ہوں جیسے خون کی آواز ہو، یعنی بلانے والوں کی آواز سے مجھے خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ کہنے لگا یہ محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک ابو نائلہ ہیں، شریف آدمی اگر رات کو نیزے پر بھی بلایا جائے تو وہ دعوت قبول کرتا ہے۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب کعب بن اشرف آئے گا تو میں اپنا ہاتھ اس کے سر کی جانب لمبا کروں گا جب میں خوب قابو کر لوں تو تم اپنا کام دکھا دینا۔ کعب بن اشرف جب اترا تو خاص انداز میں چادر اوڑھے ہوئے تھا، انہوں نے کہا ہمیں آپ سے خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔ کہنے لگا جی ہاں میرے نکاح میں فلاں خاتون ہے جو تمام عرب کی عورتوں میں سے زیادہ خوشبو لگانے والی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا آپ کے سر کے بال مجھے سونگھنے کی اجازت ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! انہوں نے سونگھا۔ پھر فرمایا میں دوبارہ سونگھ سکتا ہوں؟ اس بہانے اسے خوب قابو کیا

اور ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ اپنا کام کرو۔ تو اس طرح ان کے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔"

(بخاری و مسلم)

اجماعِ اُمت اور گستاخِ رسول:

گستاخ رسول کی سزائے موت پر عہد صحابہ سے عصر حاضر تک امت کے تمام طبقات کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ عہد نبوت، عہد خلفاء راشدین، عہد بنوامیہ، عہد بنو عباس، خلافت عثمانیہ میں یہی سزا رائج رہی ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، شیعہ، سنی، مقلد، غیر مقلد...... سبھی اس میں متفق اور متحد ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ حنبلیؒ اور قاضی عیاض مالکیؒ نے اس مسئلہ پر اجماعِ امت کی تصریح کی ہے۔

یورپین ممالک اور گستاخِ مسیحؑ:

دنیا کے بہت سے عیسائی ملکوں اور یورپین ممالک میں ماضی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین پر سزائے موت کا قانون موجود رہا ہے، آج بھی کئی ایک یورپین ممالک میں گستاخِ مسیح کی سزا عمر قید ہے۔

مسلمان کہلانے والے حکمرانوں اور لیڈروں کے لئے باعثِ شرم ہے کہ عیسائی اپنے نبیؑ کی توہین پر سزائے موت یا عمر قید کی سزا دینے پر نادم و شرمندہ نہیں اور پاکستان میں قانون ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نام نہاد لیڈر حیراں و پریشان ہیں۔ حالانکہ آج تک اس قانون کے تحت شاید ہی کسی کو عملاً سزائے موت ہوئی ہو۔ جب بھی کوئی غیر مسلم توہین رسالت کا ارتکاب کر کے قانون کے شکنجے میں آتا ہے تو عالمی طاقتوں کے پیٹ میں مروڑ اٹھتا ہے وہ اس ملزم کو اپنے وفاداروں سے طلب کر کے V.I.P پروٹوکول کے ساتھ فارن بھیج کر، شہریت دلا کر، پاکستان میں یہ تاثر پیدا کر چکے ہیں:

""توہین رسالت کرو...... یورپ کی شہریت حاصل کرو""

اور آج پھر ملعونہ زمانہ آسیہ کو یہی ''اعزاز'' دینے کے منصوبے بن چکے ہیں اور اس آڑ میں قانونِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ختم کرنے کے لئے قومی اسمبلی میں بل لایا جاچکا ہے۔ ہم حکومت وقت کو خبردار کرتے ہیں کہ اگر حکومت نے اس بل کو منظور کیا یا آسیہ کو ماضی کی طرح معافی دی تو آئندہ ملک بدامنی کا شکار ہوجائے گا، لوگ گستاخانِ رسول کو قانون کے حوالہ کرنے کی بجائے خود سزائیں دینے لگیں گے، پہلے بھی ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت ہے۔ حکومت کا یہ اقدام جلتی پر تیل کا کام دے گا۔

ہمارا حکومت کو یہ ناصحانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے، غیر ملکی دباؤ کو قبول کرنے کے نتیجے میں حکومت کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آخر ڈاکٹر عافیہ صدیقی بھی تو کسی کی بیٹی ہے حکومت کو چاہئے کہ وہ عالمی طاقتوں سے جرأت مندانہ لہجے میں بات کرے کہ اگر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکی قانون کے تحت معافی نہیں مل سکتی تو پاکستانی قانون کے تحت ابھی اور حالات کے تحت کبھی بھی آسیہ کو معافی نہیں مل سکتی۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری حکومت کو جرأت و ہمت اور غیرت ایمانی نصیب فرمائے۔ آمین

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' محرم الحرام ۱۴۳۲ھ/دسمبر 2010ء)

۔۔۔مذہب جو نہیں تم بھی نہیں!!!

مذہب عربی لغت میں راستہ کو کہتے ہیں، مذہب کو مذہب اس لیے کہتے ہیں کہ مذہبی احکام اختیار کر کے جنت کی راہ پر چلا جاتا ہے، گویا کہ مذہب نام ہے فلاح وکامرانی تک پہنچانے والی شاہراہ اور نجات وکامیابی کی جرنیلی سڑک کا۔ مذہب کا اطلاق فروعی مسائل میں عمل کے لیے ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک امام کے راستہ اختیار کرنے کو بھی کہتے ہیں، ہماری مراد اول الذکر وہی ہے جو دین کے مترادف ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت خداوندی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذاریات: ۵۶)

''اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں''

عبادت مذہب کا حصہ اور جنت اس کی آخری منزل ومراد ہے۔ مذہب کی تاریخ انسان کی تاریخ سے بھی قدیم ہے حق تعالٰی نے سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو پیدا کرنے سے قبل جملہ انسانوں کی ارواح کو پیدا فرمایا اور جملہ ارواح انسانی کو جمع کر کے تاریخ عالم کا سب سے قدیم ومشہور عہد ان کے سامنے پیش کیا اور عہد لیا، قرآن کریم نے اس عہد کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۝ (الاعراف: ۱۷۲)

''اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا (اور پوچھا تھا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا تھا

کہ: کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں، (اور یہ اقرار ہم نے اس لیے لیا تھا) تا کہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ! ہم تو اس بات سے بے خبر تھے"

روز حشر تک جنم لینے والے ہر انسان کی روح سے یہ عہد لینے کی غرض جملہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت سے مانوس کرنا تھا، گویا کہ حق تعالیٰ جل شانہ نے انسانوں کو وجود بخشنے سے قبل ہی انہیں دین و مذہب کا پیغام دیکر انسانوں کے لیے مذہب کی ضرورت کو اجاگر فرما دیا۔

انسان اول سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی تخلیق کا وقت آیا تو حق تعالیٰ نے اپنی معصوم و نورانی مخلوق حضرات ملائکہ علیہم السلام کے سامنے آدم و بنی آدم کی تخلیق کی علت کا اعلان فرمایا:

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۝" (البقرۃ:۲/۳۰)

"میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں"

خلیفہ کی تعریف یوں کی گئی ہے "مَنْ يَّخْدِمُ غَيْرَهٗ وَيَقُوْمُ مَقَامَهٗ" "جو غیر کی خدمت کرے اور اسکے قائم مقام ہو"

گویا یا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا قائم مقام ہے اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کردہ کام سرانجام دینا ہیں، اسی کا نام مذہب اور دین ہے، اس لئے کہ یہ مذہب ہی بتاتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے تفویض شدہ احکام کیا ہیں؟ حق تعالیٰ کی رضا و عدم رضا کن امور میں ہے؟ اسی لئے ان سب کو جاننے اور ماننے کا نام مذہب ہے۔ معلوم ہوا کہ تخلیق انسانی کے ساتھ ہی انسان کو مذہب کا پابند بنا دیا گیا۔ چنانچہ مذہب نے انسان کو انسان بنایا اس کی تربیت کی انسان کو سنوارا اور باہمی رشتوں میں جوڑا۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو مذہب کے بغیر انسان اور جانور میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام نے خلقِ خدا کو مذہبی تعلیمات بہم پہنچائیں، ان تعلیمات میں شریعت کے ساتھ ساتھ نظام حیات کے متعلق تکوینی امور کی تعلیمات بھی تھیں، بے شمار انبیاء علیہم السلام کی بعثت امور تکوینیہ کے لیے ہوئی، کسی نبی نے امت کو کپڑا بنانے کی تعلیم دی۔ کسی

نے کپڑے سینے کی، تو کسی نے کنگھا بنانے کی، کسی نے تعمیرات کی تو کسی نے زراعت کی، الغرض دنیا کے ان امور کی تعلیم بھی مذہب کی روشنی اور مذہب کی راہنمائی میں فرمائی، نیز مذہب سے بغاوت کو حق تعالیٰ سے بغاوت قرار دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی جملہ تعلیمات مذہب ہی کی تھیں، انہوں نے اپنے مذہب کی روشنی میں دنیوی امور سرانجام دینے کو بھی دین و مذہب قرار دیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امت کو صرف عبادات کی تعلیم و ہدایات پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ولادت سے وفات تک پیش آنے والے جملہ امور میں راہنمائی فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جوانی، بچپن، بڑھاپے میں پیش آنے والے امور میں راہنمائی ہی نہیں فرمائی بلکہ شریعت اور آسمانی تعلیمات کا پابند فرمایا۔ چنانچہ نظریات وافکار، عقائد وخیالات، عبادات ومعاملات، اخلاق وآداب، تہذیبِ اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدنیہ پھر معاملات میں نکاح وطلاق، رشتہ داری، قرابت داریوں کی تشکیل ونباہ، لین دین، معاوضات مالیہ، خرید و فروخت، وراثت، ترکہ جات، باہمی تنازعات وخصومات خرید وفروخت، تجارت وزراعت، اجارات، ملازمت مزدوری الغرض زندگی کے ہر ایک حصہ میں پیش آنے والے احوال میں ہر انسان کو خدائی احکام وہدایات کا پابند بنا کر تعلیمِ مذہب اور اتباعِ مذہب کو ضروری قرار دیا۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مذہب انسان کی فطرت بنادی گئی، جس سے انسان ضروری طور پر مانوس ومستانس رہے۔ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں انسان نے مذہب سے لگاؤ رکھا، مذہب سے روشنی لی، مذہب کی آغوش میں سکون پایا، مذہب کی خلاف ورزی کو معصیت و بغاوت جانا، یہی وجہ ہے کہ مذہب کے بغیر انسان جہالت وضلالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں جا پڑتا ہے۔ اسے مذہب کی بغاوت سے قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اسے طرز زندگی کے لیے کوئی طریق وسبیل دیکھنا ہوتی ہے جو اسے میسر نہیں ہوتی۔ اگر غور وفکر سے دیکھا جائے تو انسانی وحیوانی زندگی میں فرق ہی صرف مذہب سے کیا جا سکتا ہے، بصورت دیگر انسان اور جانور میں صرف ایک ہی فرق باقی رہے گا کہ انسان ایک حیوان ناطق (بولنے والا جانور) اور دیگر حیوان غیر ناطق ہونگے۔ مثلاً انسان پیدا ہوا تو مذہب نے اس انسان کے لئے غسل، اذان، تحنیک، خوبصورت نام کی تجویز، لباس، ساتویں روز سر کے بالوں کا حلق وعقیقہ

بچوں کے لیے ختنہ، دینی تعلیم، تربیت، نماز کی تلقین، جوان ہونے کی صورت میں شادی، اور دیگر احکام کی تلقین کی، مذہب کا پابند ان احکام کو قبول کرتا ہے، جبکہ مذہب سے آزادی چاہنے والے کو مذہبی اطوار ترک کرنے پڑیں گے، اسے نہ تو بچے کے کان میں اذان دینے کی ضرورت، نہ تحنیک کی ضرورت، نہ نام رکھنے اور ختنہ کرانے کی اور نہ ہی لباس وغیرہ پہنانے کی ضرورت، اور نہ ہی نماز واحکامِ نکاح وغیرہ کی پابندی! گویا کہ مذہب کے باغی نے ایک جانور جیسی زندگی گزاری جو کسی حکم کا پابند نہیں ہوتا۔

مذہب سے بغاوت کر کے ایک شخص کے لیے نجاست وطہارت، کتے وبکری، خنزیر وبچھڑے، مردار وحلال، پانی وپیشاب میں کیسے فرق کیا جاسکتا ہے؟ نکاح وزنا، دودھ وشراب، سود وتجارت، جوا اور محنت کا فرق بھی صرف مذہب ہی سے تشکیل پاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مذہب سے بیزار لوگ بوئے فرینڈ، گرلز فرینڈ کے تحت زنا کے ارتکاب نیز شراب نوشی، سود خوری اور قمار بازی جیسے غیر فطری امور میں مبتلا ہو کر جانوروں جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ مذہب کے باغی کو گدھے کتے جیسے جانوروں کا گوشت کھانے سے دریغ نہیں ہوتا، گوشت تو گوشت مذہب بیزار لوگ تو ان جانوروں کا بول وبراز تک استعمال کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتے۔ محارم یعنی ماں، بہن، بیٹی، بھانجی، بھتیجی، ساس، بہو جیسے مقدس رشتوں سے جنسی تسکین کو بھی معیوب نہیں جانا جاتا، اس لیے کہ ان محرمات سے اجتناب کا حکم صرف مذہب نے ہی دیا ہے۔

پاکستان کی تاسیس بھی بلاشبہ کلمۃ اللہ اور مذہب کے نام پر ہوئی تھی، اگر تحریک پاکستان میں اسلام اور مذہب کا عنصر شامل نہ ہوتا تو شاید پاکستان کبھی معرض وجود میں نہ آتا۔ قائداعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال اور بانیانِ پاکستان کے بیانات اس سلسلہ میں ریکارڈ پر ہیں، ابھی تو وہ کان موجود ہیں جنہوں نے پاکستان کا مطلب کیا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' کی صدائیں سنی تھیں، ابھی وہ آنکھیں موجود ہیں جنہوں نے بانیانِ پاکستان کے ساتھ علماء ومشائخ کی قیادت کو دیکھا تھا، آئین پاکستان، قراردادِ مقاصد، پاکستان کی تاریخ، مسلم لیگ کا منشور، مسلم لیگ کا سابقہ دستور بھی اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قائم شریعت کورٹس، اسلامی نظریاتی کونسل، وزارتِ مذہبی

امور اب تک کا نصابِ تعلیم، افواجِ پاکستان کا نصب العین، ایمان، جہاد، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ سبھی مذہب کا پتہ بتاتے ہیں۔ نہ جانے کہ اس سب کے باوجود پاکستان کے مقتدر طبقات اور بااختیار اداروں و شخصیات نے ہمیشہ کی طرح اب کی بار تمام معاملات کی طرح مذہب کے معاملے میں بھی یوٹرن سے کام لیتے ہوئے مذہب سے بیزاری اور لامذہبیت کا نعرہ عملی طور پر کیوں بلند کر دیا ہے......؟؟؟۔ چنانچہ ایکشن پلان اور انسدادِ دہشت گردی کی آڑ میں مذہب و دین، اہلِ مذہب و اہلِ دین، اسلام و اہلِ اسلام کے خلاف ایسے بھی اقدامات روا رکھے جارہے ہیں کہ ایسے اقدامات شاید کبھی پاکستان دشمنوں کے خلاف بھی روا نہ رکھے جاتے ہوں! حکمرانوں اور اقتدار پر براجمان طبقات کے آئے روز بیانات و اقدامات اس تاثر کو واضح کر چکے ہیں کہ ملک کو اسلامی جمہوریہ کی بجائے سیکولر پاکستان بنایا جارہا ہے، آئین سے بالترتیب و بالتدریج اسلامی دفعات کے خاتمہ کی تیاری کی جارہی ہے، اسلام و شعائرِ اسلام سے رخ موڑا جارہا ہے، مراکزِ اسلام پر الزامات اور ان کے خلاف اقدامات کا سلسلہ تیزی سے جاری و ساری ہے، علماء و مشائخ، ائمہ و خطباء، دینی جماعتوں کے کارکنوں کی گردن زنی اور گوشمالی کر کے تعلیمِ دین کو جرم بنا کر اس جرم سے باز رکھنے کی کوشش کا سلسلہ زوروں پر ہے۔ مؤرخہ 16 دسمبر 2014ء کے سانحہ پشاور کے بعد آفت پہ آفت یوں ٹوٹی کہ دیکھتے ہی دیکھتے دہشت گردی کے نام پر 21 ویں ترمیم لا کر دہشت گردی کو مذہب کی جھولی میں ڈال کر مذہب کے خلاف یلغار شروع کر دی گئی نتیجتاً نئے نئے قوانین معرضِ وجود میں آنے لگے چنانچہ قوانین کی ایک جھلک پیشِ خدمت ہے۔

1)۔ نئی مساجد و مدارس کی تعمیر و اساس کو ایسی شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا کہ جن کی تکمیل نہ ہو سکے "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" کا مصداق گویا کہ عملاً مساجد و مدارس کے قیام پر پابندی لگ چکی ہے، کئی علاقوں میں نئی مساجد کی تعمیر پر ایف، آئی، آر کاٹ کر مساجد کی تعمیر کرنے والوں کو پابندِ سلاسل کرنے کی بھی اطلاعات ہیں۔

2)۔ مساجد میں صرف ایک ہارن سے اذان و خطبہ جمعہ کی صدا بلند کرنے کی اجازت ہوگی، ایک سے زیادہ ہارن لگا کر صدائے تکبیر بلند کرنا ایسا جرم ہے کہ جس کی سزا چھ مہینے قید یا پچاس ہزار روپے تک جرمانہ ہے، ہر پولیس اسٹیشن کا فریضہ ہے کہ وہ جرائم کی مرتکب

ان مساجد پر نظر رکھیں اور مولوی کو قابو میں رکھنے کے لیے جائز و ناجائز ماہانہ ایک معتد بہ تعداد مقدمات قائم کر کے مولویوں کو جیل بھیج کر ان کا قبلہ درست رکھیں تاکہ آئندہ لوگ اذان، نماز کی امامت، خطابت جمعہ جیسے جرائم سے باز رہیں۔ (نعوذ باللہ)

3)۔ مدارس و جامعات کا آڈٹ، رجسٹریشن کے نام پر نجی اور ذاتی زندگی سے متعلق سوالات کی بھرمار کر کے انتظامیہ کو اس قدر مرعوب و متوحش کر دیں کہ کوئی شخص کسی مدرسہ سے متعلق نہ رہ سکے، اور کوئی مدرسہ رجسٹرڈ نہ ہو، یوں (معاذ اللہ) برائی کے یہ اڈے خود بخود بند ہو جائیں، اور اگر رجسٹرڈ ہو بھی جائیں تو دن رات مختلف سرچ آپریشنز، ایجنسیوں کی یلغار سے خوف زدہ کر کے اس جرم کے خاتمہ کی کوشش کی جائے۔

4)۔ علمی و تحقیقی، دینی کتب تفاسیر، احادیث کا علمی ذخیرہ فقہ اسلامی اور مکالمہ بین المسلمین کی علمی کتب کو فرقہ وارانہ قرار دے کر دہشت گردی کے پرچے کاٹ کر مصنفین، ناشرین، لیکچرارز اور رکھنے والوں کو پابند سلاسل کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ کئی علاقوں میں ختم نبوت جیسے موضوعات پر کتب اور امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے متفقہ اکابر کی کتب پر بھی ایف ائی آرز کاٹی گئیں، اس بناء پر کہ کوئی دینی کتاب گھر میں نہ رکھ سکے اور نہ کوئی پڑھ سکے۔

5)۔ علماء کرام، خطباء عظام اور دینی کارکنوں کو چن چن کر جھوٹے سچے مقدمات کا بہانہ بنا کر فورتھ شیڈول جیسے غیر انسانی، غیر اخلاقی قانون کا سہارا لے کر انہیں پابند بنایا جا رہا ہے، کہ متعلقہ تھانہ کی حدود میں رہیں، بوقت طلب پیش ہوں، بغیر اجازت تھانہ کی حدود سے باہر جانا قابل سزا جرم اور خلاف قانون ہے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے مقدمہ اور جیل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسا شخص کسی سکول و عوامی مقام پر جہاں چھوٹے بچے ہوں نہیں جا سکتا، کسی دینی اجتماع سے خطاب نہیں کر سکتا، وقتاً فوقتاً اسے ایک ماہ سے تین ماہ تک جیل میں نظر بند کر دیا جاتا ہے، اور اب شنید یہ ہے کہ فورتھ شیڈول کے پاؤں کے ساتھ ایک چپ چسپاں کی جائے گی جس سے اسے مانیٹر کیا جائے گا، یاد رہے کہ فورتھ شیڈول کے قانون کی زد میں صرف مذہبی اور دیندار بالخصوص مکتب

دیو بند سے تعلق رکھنے والے لوگ ہی آ رہے ہیں۔

6)۔ ان حکومتی اقدامات پر احتجاج اور اختلاف رائے کی آئینی وقانونی راہ کو ریاستی جبر کے ذریعے بند کر دیا گیا ہے۔ مظلوم کی آواز کو دبانے اور غیر مؤثر کرنے کے لئے میڈیا کو مکمل کنٹرول کر کے حقائق سے قوم کو اوجھل رکھا جا رہا ہے۔

7)۔ مختلف وزراء، این جی اوز کے نمائندگان اور مؤثر لوگوں کے اسلام وشعائر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور بیانات کا سلسلہ جاری ہے، مثلاً گذشتہ دنوں پاکستان کے وزیر اطلاعات، حکومت کے ترجمان جناب پرویز رشید نے کراچی کی ایک ادبی کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کی:

"اب کتاب تو وجود میں آچکی جب پاکستان بنتا ہے، سکول وجود میں آچکے ہیں انگریز کا تحفہ ہے، اور ان کو بند نہیں کیا جا سکتا، ان سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی، تو اس کا پھر متبادل تلاش کیا گیا کہ کتاب چھپتی رہے لیکن وہ کتاب نہ چھپے جو آپ تحریر کرتے ہیں، وہ فکر عام نہ ہو جس کی شمع آپ جلاتے ہیں، لوگوں کو پڑھنے کیلیے کتاب دی جائے تو کونسی دی جائے "موت کا منظر" عرف مرنے کے بعد کیا ہوگا۔ (قہقہے............) تو جہالت کا وہ طریقہ جو "پنڈت لال نہرو" کو سمجھ نہیں آیا وہ ہمارے حکمرانوں کو سمجھ میں آگیا، کہ لوگوں کو جاہل کیسے رکھا جا سکتا ہے، کہ فکر کے متبادل فکر دو لیکن فکر کے متبادل مردہ فکر دے دو، اور پھر منبع جو فکر کو چلاتا ہے کیا ہو سکتا ہے؟ لاؤڈ اسپیکر......لاؤڈ اسپیکر بھی اس کے قبضے میں دے دو، اور دن میں ایک دفعہ کے لیے نہیں پانچ دفعہ کے لیے دے دو، اب آپ کے پاس اتنے سکول اور اتنی یونیورسٹیاں نہیں ہیں جتنی جہالت کی یونیورسٹیاں (مدارس) اُن کے پاس ہیں (تالیاں......) اور بیس پچیس لاکھ طالب علم جن کو وہ طالب علم کہتے ہیں! آپ کو تو یہ شکایت ہے کھوڑو صاحب کہ سندھی سے سندھ کی زبان چھین لی گئی، پختون سے پختون کی زبان چھین لی گئی، پنجابی سے پنجاب کا ورثہ چھین لیا گیا، بلوچستان سے اس کی تہذیب اور ثقافت جو تھی اس کو چھین لیا گیا، لیکن مجھے یہ بتائیے کہ یہ جو یونیورسٹیاں (مدارس) ہیں جن کو ہم سب چندہ بھی دیتے ہیں، عید بقر عید پہ فطرانے اور چندے اور کھالیں اور خود پالتی ہے ہماری سوسائٹی جن کو! یہ جو جہالت کی یونیورسٹیاں ہیں (مدارس) پنجابی، سندھی، پٹھان، پاکستانی، اردو، مہاجر، بھائی یہ تو کچھ

ان مسئلوں کا تو حل نکل سکتا ہے، ان مسئلوں کے حل تو دنیا نے تلاش کیے ہوئے ہیں، پاکستان کے آئین میں بھی ان کا جواب موجود ہے، بدقسمتی سے چونکہ آئین پر عمل نہیں ہوتا تو جھگڑا باقی رہ جاتا ہے، لیکن جو فکر انہوں نے دے دی، جو نفرت، تعصب، تنگ نظری، انہوں نے پھیلا دی اور جو روز پھیلاتے ہیں اور جو تقسیم انہوں نے ڈال دی، سکول میں نصاب میں ایک ہی جماعت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو تقسیم کر دیا گیا، کہ ایک فرقے کا یہ نصاب ہوگا کہ زکوٰۃ کیسے دینی ہے؟ دوسرے فرقے کا نصاب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کیسے نہیں دینی، بچوں کو پڑھایا جائے گا...... جی! یہ بچوں پڑھایا جائے گا سکول میں! ہم سمجھتے کہ اسے ہم نے پاکستانی بنانا ہے، ہم پاکستانی تو نہیں بنا پائیں گے ناجب بچوں کو یہ دو مختلف چیزیں پڑھادیں، تو یہ حاوی ہوا آپ کی کتاب پر جہالت کا علم میری کتاب پر حاوی ہوا جہالت کا یہ علم (مدارس میں پڑھایا جانے والا) اور اس کو تقویت کس نے دی؟

ہر چند کہ وزیر موصوف نے اپنے اس بیان کی علماء کے احتجاج پر سینٹ اور مختلف فورمز پر تاویلات فاسدہ فرمائی ہیں، لیکن صریح بیان کی تاویل کرنا حقیقت میں عذر گناہ بدتر از گناہ سے کم نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ متعلقہ وزیر اذان، فکر آخرت، مدارس و جامعات کے خلاف ہرزہ سرائی پر اللہ تعالیٰ اور قوم سے معافی مانگتے الٹا انہوں نے احتجاج کرنے والوں کو شر انگیزی اور کفر سازی کا مرتکب ٹھہرا کر اپنی بھڑاس نکالی۔ جبکہ حکومت اس پورے قصے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔

قارئین! مذکورہ بالا تفصیلات سے ملک کو لادین اور سیکولر بنانے کی تدریجی کوششوں کے ارتقا کا اندازہ لگا چکے ہیں اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو خدانخواستہ قوم وملت کے مذہب وعقیدہ، نسل نو کے ایمان وعمل کا کیا ہوگا......؟؟؟ خود ملک وریاست کو کس سمت دھکیلا جا رہا ہے......؟ یہ سب باتیں لمحہ فکریہ ہیں بلاشبہ مذہب قوم وملت، ریاست وحکومت کے لیے اتنا ہی اہم ہے جتنا سانس اور پانی انسانی زندگی کے لئے ضروری، حکومت اس نقطے کو جانے کہ:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
یہ جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" رجب، شعبان ۱۴۳۶ھ/مئی، جون 2015ء)

ماہِ رمضان وعید کا مجوزہ قمری کیلنڈر

وطن عزیز پاکستان میں عیدو رمضان کے تعین کے لیے قائم مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی اور مسجد قاسم علی خان پشاور کی کمیٹی اپنے اپنے طور پر فیصلے کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر ملک میں عیدو رمضان کی تاریخوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ اختلاف کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟ اور ان کے خاتمہ کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟ ہمارے پیش نظر موجودہ حکومت کے سابق وزیر اطلاعات اور موجودہ وزیر سائنس و ٹیکنالوجی جناب فواد چودھری، جو اپنے غیر محتاط طرز عمل اور گفتگو کی وجہ سے اپنی ہی حکومت کے ہاتھوں وزارت اطلاعات سے محروم ہو گئے ہیں، کا یہ اعلان ہے کہ ملک کو ''مولانا حضرات'' کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا، حکومت آئندہ دس یا پانچ سال کے لیے سائنسی بنیاد پر کیلنڈر ترتیب دے کر رمضان وعید کی تاریخوں کا قبل از وقت تعین کر دے گی۔

جناب فواد چودھری کا یہ اقدام واعلان ان کے بیان سے واضح ہے کہ مسئلہ میں چونکہ عوام کا اعتماد علمائے کرام پر ہے، خواہ وہ علما کسی بھی کمیٹی میں ہوں، انہیں علماء کرام کے اثر ورسوخ اور عوامی اعتماد سے پریشانی ہے۔ چونکہ آئی ایم ایف اور دیگر عالمی ادارے اسلام اور مسلمانوں سے نالاں ہیں، انہیں علمائے کرام کا دینی اثر ورسوخ کسی صورت قبول نہیں، اس لیے دینی قوانین کے خاتمے کی کوششوں اور دینی معاملات بالخصوص جمعہ کے سرکاری خطبات کی خواہشوں، مدارس اور دینی قوتوں کے خلاف کارروائیوں، علمائے کرام کے سیاست میں کردار کو بتدریج ختم کرنے یا کم کرنے کے بعد اب چودھری صاحب نئے ایجنڈے کے ساتھ دو کمیٹیوں کے تنازع کو بہانہ بنا کر آدھمکے ہیں۔ ایک نیا منصوبہ پیش کر کے علمائے کرام سے بیزاری کی راہ ہموار کر رہے ہیں، چونکہ وہ اور ان کی حکومت کے عالمی سرپرست جو اس حکومت کے قیام کا ذریعہ بنے، مذہب بیزاری چاہتے ہیں، اس لیے مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے اخراجات مبالغہ کے ساتھ پیش کر کے

یہ تاثر دے رہے ہیں کہ کرپشن فری اور سادگی پر قائم اس حکومت میں یہ وزراء اور بیوروکریسی تو ملک کا پیسہ خرچ ہی نہیں کر رہی، بس علماء ہیں جو لاکھوں اڑائے جا رہے ہیں۔

ہر چند کہ کمیٹی کے سربراہ مولانا مفتی منیب الرحمن، کمیٹی کے اخراجات سے متعلق وضاحت فرما چکے ہیں۔ ہم وزیر موصوف سے عرض گزار ہیں کہ وہ کسی بھی وزارت کا ایک ہفتہ کا حقیقی خرچ اگر قوم کے سامنے لائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے لیے اخراجات کا تناسب کیا ہے؟ جس حکومت کے وزراء کے چائے کا بل لاکھوں میں ہو اور ایوان صدر کی غیر اخلاقی تقاریب پر لاکھوں اڑائے جا رہے ہوں، وہاں علمائے کرام پر یہ الزمات زیب نہیں دیتے۔

اس تمہید کے بعد ہم مجوزہ کیلنڈر کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ کیا ایسا کیلنڈر چاند دیکھے بغیر قابل عمل ہے؟ کیا اس کیلنڈر کو قوم قبول کر لے گی؟ اس کیلنڈر کے بعد دو عیدوں کا سلسلہ ایک عید پر منتج ہو گا یا ہر شہر کی عید الگ ہو گی؟

مجوزہ کیلنڈر کو بنیاد بنا کر چاند کے مشاہدہ کے بغیر رمضان یا عید کا اعلان شرعاً معتبر نہیں۔ شریعت اسلامیہ کا ضابطہ ہر زمانہ اور ہر فرد کے لیے ہے۔ سائنسی تحقیقات تو کل کی بات ہیں، جب کہ احکام شریعت ساڑھے چودہ سو برس سے پورے کیے جا رہے ہیں۔ اگر شریعت کے طے کردہ طریقہ کار کو ترک کر کے صرف سائنسی تحقیق کو بنیاد بنا لیں، تو کیا اب تک ہمارے آباء واجداد کی عیدیں اور رمضان، اسلاف و بزرگان کی عبادات، العیاذ باللہ مبنی بر جہالت ہو کر بے سود ہو گئیں؟ کل خدانخواستہ تحقیقات بدل جائیں یا دنیا سے موجودہ آلات تحقیق معدوم ہو جائیں تو پھر احکام کا مدار کیا ہو گا؟ جن علاقوں میں یہ سائنسی تحقیقات نہ پہنچی ہوں تو وہ کیا کریں؟ ان سب امور سے معلوم ہوا کہ محض کیلنڈر کو بنیاد بنا کر پانچ یا دس سال آگے کے اسلامی احکام و تہوار کے تاریخوں کا ابھی سے تعین کر دینا درست نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تو علم وحی تھا، آپ کے علم کا ماخذ بھی وحی تھا، جو قطعی ماخذ ہے، جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں۔ آپ اپنے علم وحی کے بنیاد پر رمضان و عید وغیرہ کا تعین فرما سکتے تھے، لیکن آپ نے امت کو ایسے معاملات میں سادہ اور آسان طریقہ تعلیم فرما کے روز محشر تک قانون مرحمت

فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سلسلہ کا کوئی کیلنڈر تشکیل نہیں دیا، آپ علیہ السلام کے بعد علم وسائنس نے ترقی کی، علم الافلاک پر محنت ہوئی، مسلمان سائنسدانوں نے فلکیات میں کمال حاصل کیا۔

مسلم حکمرانوں اور سائنسدانوں کی فنی مہارت کا اندازہ اس معروف ومشہور بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرطبہ کی مسجد کے گنبد کی تعمیر میں اس طرح کھڑکیاں رکھی گئیں کہ ہر بدلتے دن کے ساتھ سورج کے طلوع کے محاذات میں کھڑکی موجود ہو، گویا سورج کی یومیہ رفتار کے مطابق سال بھر کے لیے کھڑکیوں کا تعین ہوا، تا کہ ہر روز طلوع ہوتے ہی سورج کی روشنی مسجد میں پڑے۔ اس قدر مہارت کے باوجود بھی اسلامی سائنسدانوں نے نہ رمضان وعید کے لیے کوئی کیلنڈر ترتیب دیا، نہ ہی اسلامی ادوار میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا، بلکہ پہلے سے طے شدہ طریقہ "رؤیت ہلال یعنی چاند دیکھنے" کے مطابق ہی عمل کیا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے رؤیت ہلال کو ہی معیار بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ"

(صحیح بخاری:۱۹۰۹)

"چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید مناؤ اگر چاند مشتبہ ہو جائے تو شعبان کے تیس دنوں کی گنتی پوری کرو۔"

مجوزہ کیلنڈر کو اس حد تک کارآمد مانا جاسکتا ہے کہ اس سے تائید حاصل کی جاسکے، اسے مدار نہیں بنایا جاسکتا۔ سائنس وٹیکنالوجی سے پہلے بھی مدد لی جاتی رہی ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ چاند کی پیدائش کا وقت کیا ہے؟ غروب آفتاب کے بعد کتنی دیر تک چاند افق پر رہ سکتا ہے؟ چاند کا غروب، غروب آفتاب سے پہلے تو نہیں؟ وغیرہ۔ پھر چاند کی سمت کیا ہوسکتی ہے؟ وہ فلاں تاریخ کو کس زاویہ میں ہوگا؟ سیدھا ہوگا؟ ٹیڑھا ہوگا؟ یا الٹا؟ تا کہ شہادت لیتے وقت اندازہ کیا جاسکے کہ شہادت درست ہے یا نہیں؟ اس مدد لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن مدار پھر بھی رؤیت ہلال ہی ہوگا اور اس سلسلہ میں عوام کا اعتماد صرف اور صرف علمائے کرام پر ہی ہے۔

چنانچہ جب یہ کمیٹی نہیں تھی، صدر ایوب خان کے سرکاری اعلان کے باوجود اسلامیان پاکستان سرکار کے اعلان کی بجائے اپنے علاقے کے علمائے کرام کے فیصلے پر عمل پیرا ہوتے، جس کے نتیجہ میں رؤیت ہلال کمیٹی معرض وجود میں آئی، جس سے کافی حد تک انتشار ختم ہوا اور ملک میں وحدت کی فضاء قائم ہوئی، البتہ ایک عرصہ سے پشاور کی قدیم رؤیت ہلال کمیٹی جو موجودہ کمیٹی سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے سے چلی آرہی ہے، میں اور مرکزی کمیٹی میں اختلاف سامنے آنے لگا ہے، جسے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے اقدامات ممکن ہیں جن سے پشاور کی کمیٹی کے تحفظات دور کیے جاسکتے ہیں۔ اس کمیٹی کو نظر انداز کرنا یا ان کی تضحیک کرنا، آوازیں کسنا اور مسترد کر دینا کوئی دانش مندی نہیں۔

مذکورہ کمیٹی جید علمائے کرام پر مشتمل ہے، اس کمیٹی کو خیبر پختون خواہ اور قبائلی علاقے کے جید علمائے کرام، مشائخ عظام، شیوخ الحدیث اور مفتیان کرام کا اعتماد حاصل ہے۔ لاکھوں لوگ اس کمیٹی کے فیصلہ پر چلتے ہیں، نیز وہاں کبھی فرقہ وارانہ تاثر بھی ظاہر نہیں ہوا، بلکہ تمام مسالک کے لوگ اس کے فیصلے پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس لیے ہماری رائے یہ ہے کہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کی ازسر نو تشکیل کر کے مسجد قاسم علی خان کی کمیٹی کے جید ارکان کو بھی مرکزی کمیٹی میں شامل کر لیا جائے۔ ملک بھر میں شہادتوں کے حصول کے لیے ایک نظام وضع ہو، ہر ڈویژن یا ضلع کی سطح پر ذیلی کمیٹیاں ترتیب دی جائیں، جو مقامی لوگوں سے شہادت وصول کریں، اس مقصد کے لیے باقاعدہ ایک فارم ترتیب دیا جائے، جس میں چاند دیکھنے والے سے پوری پوری معلومات حاصل کر کے صوبائی اور مرکزی کمیٹیوں کو ارسال کی جائیں۔ ان معلومات میں چاند دیکھنے کی سمت، مقام اور ہیئت وغیرہ بھی شامل ہو۔ پھر مرکزی کمیٹی ان شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرے تو ہمارے خیال میں یہ قضیہ حل ہوسکتا ہے۔

جہاں تک کیلنڈر کی بات ہے، وہ بجائے اتفاق واتحاد پیدا کرنے کے مزید انتشار کا باعث ہوگا، چنانچہ جن ممالک کا حوالہ دے کر کیلنڈر کی بات کی گئی، ہماری معلومات میں کیلنڈر کے باوجود ان ممالک میں رؤیت ہلال کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ متعدد بار سعودی عرب اور عرب ممالک میں رمضان اور عید کی تاریخوں کو کیلنڈر کے برعکس قرار دے کر کیلنڈر کی اصلاح کی گئی۔

آج تک ان ممالک میں پیشگی کوئی سرکاری اعلان نہیں ہوا کہ کس تاریخ کو عید ہوگی؟ بلکہ اس کا تعین انتیس کی شام چاند دیکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

قمری کیلنڈر کو اوقات صلوٰۃ کے شمسی کیلنڈر پر بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ سورج کا یومیہ طلوع وغروب اور رفتار وجائے طلوع وغروب مشاہدے میں رہتا ہے، نیز اوقات میں وسعت ہوتی ہے، ہر شہر میں وقت الگ ہوتا ہے، خواہ یہ فرق منٹوں کا ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے اہل علم نے مشاہدہ اور فن کی بنیاد پر کیلنڈر ترتیب دیے اور اس میں بھی کچھ منٹ احتیاط کی تلقین کی جاتی ہے، یہ کیلنڈر برس ہا برس کے مشاہدے کے بعد مرتب ہوئے ہیں۔ ہم نے بھی شجاع آباد کے لیے ''الفاروقیہ دائمی جنتری'' تشکیل دی، اس مقصد کے لیے مفتیان کرام نے باقاعدہ یومیہ مشاہدہ بھی کیا۔ کیلنڈر کی طباعت کے بعد دیگر کیلنڈر جو دوسرے شہروں کے لیے ترتیب دے گئے تھے، کے ساتھ اختلاف ظاہر ہوا تو شجاع آباد کے مضافات میں مقیم جید عالم دین مولانا غلام اللہ خان زید مجدہ نے مشاہدہ کا اہتمام کیا، خصوصاً صبح صادق کا مشاہدہ کرتے رہے۔ راقم الحروف کو فون کر کے بتایا کہ ''الفاروقیہ دائمی جنتری'' کے وقت کے مطابق ہی میں نے طلوع فجر کو پایا۔

الغرض یہ کیلنڈر بھی مشاہدہ کے مطابق معرض وجود میں آئے، لیکن چاند کا قبل از وقت مشاہدہ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں اس مقصد کے لیے نہ مسلم سائنسدانوں نے کوئی کیلنڈر بنایا، نہ اہل علم نے اس کی ضرورت محسوس کی۔ اس لیے حکومت کے نہ چاہتے ہوئے بھی ان شاء اللہ عوام کا علمائے کرام پر اعتماد قائم رہے گا۔ مسئلہ کا حل حکومتی جبر نہیں بلکہ افہام وتفہیم ہے۔

اگر اس کیلنڈر کو رویت کے بغیر نافذ کر دیا گیا، تو ملک بھر میں شدید انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، ماضی بعید کی طرح لوگ سرکاری اعلان پر اعتماد کی بجائے علاقائی طور پر فیصلے کریں گے، نتیجہ میں ہر شہر میں عید الگ ہوگی بلکہ ایک شہر میں ماضی کی طرح متعدد عیدیں منائی جائیں گی۔ اس لیے فواد چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ سائنس کو ضرور ترقی دیں، لیکن شرعی مسئلہ میں ٹانگ نہ اڑائیں وہ پہلے ہی غیر مقبول ہیں، ان کا یہ فیصلہ بھی غیر مقبول ہوگا۔

داڑھی ضروری کیوں؟

اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت فرض ہے:

قرآن مجید میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۝" (التغابن:۱۲)

"اور تم اللہ کی فرمانبرداری کرو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔"

اس آیت میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی علیحدہ علیحدہ اطاعت کا حکم دیا گیا ہے دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ قرآن مجید کے علاوہ صحیح ثابت شدہ حدیث نبوی پر عمل بھی فرض ہے سورۂ محمد میں یوں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد:۳۳)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُم" کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے "شک اور نفاق یا غرور سے اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو" یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتلائے ہوئے ثابت شدہ حکم میں شک کرنے، اس میں قولی یا عملی طور پر منافقت برتنے یا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتلائے ہوئے کسی حکم کو اپنی شان کے لائق نہ سمجھنے یا اسے اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں کے شایان شان سمجھنے سے انسان کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ آج ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے داڑھی بڑھانے کے حکم کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ داڑھی رکھنے والوں کو تحقیر و تذلیل کا نشانہ بنانے سے بھی باز نہیں آتے اور اس چیز کا ہمیں قطعاً احساس نہیں کہ ہمارا یہ رویہ چھوٹی موٹی نیکیوں اور اچھے اعمال کے ضائع ہو جانے کا سبب بن جائے گا۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین کی تعمیل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی سے اجتناب ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ (النور:۶۳)

”لہٰذا جو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آ پڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے۔“

داڑھی رکھنے سے متعلق حضرات انبیاء علیہم السلام کے صریح حکم کی مخالفت کرنے سے خطرناک و دردناک عذاب میں مبتلا ہونے اور مصیبتوں میں جا پڑنے کا شدید خطرہ موجود ہے، جس شخص کو اللہ دنیا میں مصیبت اور قبر و آخرت میں عذاب الیم میں مبتلا کر دیں تو وہ یقیناً خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ)

داڑھی رکھنا تقاضائے فطرت انسانی ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَّا: قَالَ مُصْعَبٌ: وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ زَادَ قُتَيْبَةُ، قَالَ وَكِيعٌ: انْتِقَاصُ الْمَاءِ: يَعْنِي الِاسْتِنْجَاءَ“

(صحیح مسلم:۶۰۴)

"سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کتروانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کٹوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل اور زیر ناف بال صاف کرنا اور پانی سے استنجاء کرنا (دسویں چیز راوی کو یاد نہ رہی)"

انسان روزمرہ کی زندگی میں بہت سے ایسے اعمال سرانجام دیتا ہے جن کے لیے اس کی فطرت سلیمہ ہی اسے ابھارتی ہے، نفس میں پیدا ہونے والا داعیہ اسے وہ کام کرنے پر مجبور کرتا ہے، حدیث پاک میں ایسی چند چیزیں بیان کی گئی ہیں جن میں ناک صاف کرنا، ناخن کتروانا، پانی کے ساتھ استنجاء کرنا وغیرہ جیسے ایسے وہ فطری امور ہیں جن کے سرانجام دینے کے لیے انسان نہ کسی کے حکم کا انتظار کرتا ہے اور نہ ہی دلیل کا مطالبہ کرتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ایسے دس امور فطرت میں داخل ہیں۔ اور داڑھی بڑھانا بھی انہیں امور میں سے ایک امر ہے۔ داڑھی کے بڑھانے پر فطرت سلیمہ بھی مجبور کرتی ہے۔ داڑھی کا کٹوانا یا منڈوانا خلاف فطرت امر ہے یہی وجہ ہے کہ داڑھی منڈوانے والے سخت ترین ذہنی کرب اور مشکل کا شکار رہتے۔ رقم اور وقت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ ایسے خلاف فطرت کام کرتے ہیں جیسے کوئی شخص استنجاء پانی سے کرنا چھوڑ دے یا ناک صاف کرنا چھوڑ دے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے ہر آدمی خود گھن کھاتا ہے اور دیگر حضرات بھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے موافق داڑھی نہ رکھنے والے بھی بالکل ایسے ہی قابل نفرت عمل کے مرتکب ہیں۔

داڑھی رکھنا اطاعت خداوندی ہے:

داڑھی رکھنا جملہ انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ ہے، جملہ شرائع نے اپنے اپنے متبعین کو داڑھی رکھنے کا حکم دیا۔ سیدنا آدم علیہم السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی نے داڑھی رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ۝ (الانعام:۹۰)

"یہ لوگ (جن کا ذکر اوپر ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہذا (اے پیغمبر) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔"

چنانچہ داڑھی رکھنا انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کا ایک حصہ ہے اور ارشاد خداوندی کے تحت ایسے اجماعی مسائل جن پر جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء در حقیقت اطاعت خداوندی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۝ (النساء:۸۰)

"جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

داڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے:

فطرت کی ایک تفسیر بیان کی جا چکی ہے، دوسری تفسیر کے متعلق صاحب مجمع البحار اپنی کتاب کے صفحہ 55 پر حدیث عشر من الفطرۃ کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ أَيْ مِنَ السُّنَّةِ أَيْ سُنَنِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ الَّتِي أُمِرْنَا بِاقْتِدَائِهِمْ فِيهَا..."

"دس امور فطرت میں سے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی وہ سنتیں ہیں جن کی پیروی کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔"

یہ دس سنتیں گزشتہ سطور میں تحریر کی جا چکی ہیں جو تقاضائے فطرت بھی ہیں اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ بھی اور ان کی پسندیدہ اور محبوب عادت بھی ہیں۔

علامہ نوویؒ شارح صحیح مسلم نے بھی اس حدیث کی شرح میں داڑھی کو سب انبیاء علیہم السلام کی سنت قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کٹوانا یا منڈوانا جملہ انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ سے انحراف اور مخالفت ہے۔

۱)۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۝ (البقرۃ:۱۲۴)

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا۔"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ ربّ العزت نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ان باتوں میں پورے اترے۔ یہ باتیں کونسی تھیں؟ مفسر قرآن حبرُ الامۃ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی تفسیر خصائص فطرت سے کی ہے، خصائص فطرت دس ہیں جن کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے۔ ان میں سے ایک داڑھی کا بڑھانا ہے۔ معلوم ہوا کہ جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت بھی داڑھی رکھنا بھی ہے۔

۲)۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت ملاحظہ ہو، حضرت ہارون علیہ السلام اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجاء کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۝ (طٰہٰ:۹۴)

"اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی اور میرے سر کو مت پکڑو۔"

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی اتنی لمبی داڑھی تھی جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آگئی تھی، جسے پکڑنے سے سیدنا ہارون علیہ السلام نے منع فرمایا اور اپنا عذر بیان فرمایا۔ یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی تھی اور داڑھی بھی خشخشی یا چھوٹی سی نہیں تھی بلکہ اتنی داڑھی تھی جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مٹھی میں آگئی، چنانچہ اتنی ہی داڑھی سنت انبیاء ہے جو ایک مٹھی ہو۔ (کتنی مقدار داڑھی ضروری ہے؟ مضمون کے آخر میں ان شاء اللہ مستقل بحث ذکر کی جائے گی۔)

داڑھی رکھنا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوب سنت ہے:

جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی باریش تھے اور داڑھی بڑھانے کا بارہا حکم بھی ارشاد فرمایا اور داڑھی نہ رکھنے والوں سے اظہار نفرت بھی فرمایا، ذیل میں چند

احادیث بطور مثال نقل کی جاتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی داڑھی کی کیفیت کیا تھی؟ اس سلسلہ میں ترمذی شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثُّ اللِّحْيَةِ تَمْلَأُ صَدْرَهُ
فِيْ رِوَايَةٍ قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ هٰذِهِ اِلٰى هٰذِهِ قَدْ مَلَأَتْ نَحْرَهُ

(ترمذی فی الشمائل)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک اس قدر گھنی تھی کہ سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ دائیں بائیں اور سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی۔"

شمائل ترمذی ہی میں ابن ابی ہالہؓ سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثَّ اللِّحْيَةِ"

(شمائل: ص ۲)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب گھنی داڑھی والے تھے۔"

"حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سر کے بالوں اور داڑھی میں سفید بال اگنا شروع ہو گئے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیل استعمال فرماتے تو ظاہر نہ ہوتا اور جب بال منتشر ہوتے تو معلوم ہونے لگتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال بہت کثیر تھے۔"

علامہ ابن جوزیؒ "الوفاء باحوال المصطفٰی" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حلیہ مبارک کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَظِيْمَ اللِّحْيَةِ"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی داڑھی والے تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے داڑھی رکھنے کا حکم:

اوپر چند احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس پر داڑھی مبارکہ کا ثبوت واضح دلائل سے پیش کیا گیا ہے، اب ہم بقدرِ ضرورت چند احادیث ایسی پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارہا تاکید کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو حکم فرمائیں اس پر بلا چون و چرا عمل کرنا واجب ہوتا ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ اِحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحَى"

(صحیح مسلم: ۱/۲۲۲)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں پوری رکھو اور مونچھوں کو خوب کاٹو۔"

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین داڑھی کٹواتے اور مونچھیں بڑھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امت کو ہدایت فرمائی کہ جیسے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عقائد و اعمال میں مشرکین سے بیزاری اختیار کرتی ہے، شکل و صورت میں بھی ان سے بے زاری اختیار کرے، مشرکین داڑھی کٹواتے ہیں، مؤمنین داڑھی بڑھاتے ہیں، مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اہل ایمان اپنی مونچھیں کترواتے ہیں۔

صد افسوس! کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس واضح ارشاد کے باوجود بھی مشرکین جیسی شکل اختیار کر کے بجائے ان کی مخالفت کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے مسلمانوں اور کافروں میں شکل سے امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سے مسلمان ہیں اور کونسے غیر مسلم و کافر۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ○ (هود:۱۱۳)

"اور ظالموں کی طرف نہ جھکو (اس میلان کی وجہ سے) تم کو بھی آگ لگ جائے گی۔"

داڑھی کٹوانا اور مونچھیں منڈوانا تو مشرکین کی طرف پورا میلان اور ان کی حمایت ہے، جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا ہے۔ اس لیے اس جرم کے ارتکاب سے عذاب کا سخت اندیشہ موجود ہے۔ اللھم احفظنا!

فائدہ:

داڑھی منڈوانا اور مقدار شرعی سے کم داڑھی کتروانا دونوں قابل مواخذہ جرم اور گناہ عظیم ہیں لیکن بعض فقہائے کرام نے داڑھی کتروانے کو منڈوانے سے بھی بڑا گناہ بتایا ہے۔

ایک اور حدیث گرامی ملاحظہ ہو:

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحٰى خَالِفُوا الْمَجُوْسَ"

(صحیح مسلم ص۱۲۹ ج۱)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں لمبی چھوڑ دو اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوسی داڑھی کتروایا کرتے تھے اور مشرکین کا بھی یہی طریقہ تھا۔

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس حدیث سے وہ وجہ معلوم ہوگئی جس کی بناء پر اعفاء لحیہ کا حکم دیا گیا، عرب کے پڑوسی ممالک میں سے پہلے فارس کے مجوسیوں نے اس مردانہ حسن...... داڑھی پر حملہ کیا، چونکہ اس وقت تک داڑھی مونڈنے کو عیب شمار کیا جاتا تھا، اس لیے مجوسیوں نے اپنے اندر یکایک داڑھیاں مونڈنے کی ہمت نہ پائی اور

ابتداءً وہ اپنی داڑھیاں چھوٹی کرنے لگے اور رفتہ رفتہ ان میں کچھ لوگ اپنی داڑھیاں مونڈنے بھی لگے، عین ممکن ہے کہ مجوسیوں سے متاثر ہو کر جزیرۃ العرب کے کچھ مشرکین بھی داڑھیاں چھوٹی کرانے یا مونڈنے لگے ہوں اگر چہ اس وقت مسلمان داڑھی رکھ رہے تھے لیکن ان پر اس کی دینی و شرعی حیثیت واضح نہ تھی، خطرہ تھا کہ کہیں آگے چل کر ان میں سے کچھ لوگ مجوسی تہذیب سے متاثر نہ ہو جائیں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے اس کی شرعی حیثیت واضح فرمادی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس معاملہ میں مجوس کی مخالفت کرنا تم پر لازم ہے، داڑھی کا معاملہ محض رواج اور عادت سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ یہ اسلامی معاشرے کا ایک شعار اور اسلامی تہذیب کا ایک نشان ہے"۔

یہ بات تمام مجتہدین لکھتے ہیں کہ اس وقت مجوسی عام طور پر داڑھیاں مونڈتے نہ تھے بلکہ چھوٹی کراتے تھے، ابوشامہ کے وقت میں جب کچھ لوگوں نے داڑھیاں مونڈیں تو انہوں نے بڑے رنج و غم کے ساتھ کہا:

"اب کچھ لوگ ایسے پیدا ہو رہے ہیں جو اپنی داڑھیاں منڈوا دیتے ہیں یہ فعل اس سے بھی زیادہ شدید ہے جو مجوسیوں کے بارے میں منقول ہے۔ کیونکہ وہ اپنی داڑھیاں چھوٹی کراتے تھے۔"

(فتح الباری: ج ۱۰ ص ۳۵۱)

امام نوویؒ لکھتے ہیں:

"كَانَ مِنْ عَادَةِ الْفُرْسِ قَصُّ اللِّحْيَةِ فَنَهَى الشَّرْعُ عَنْ ذَالِكَ"

(شرح مسلم ص ۱۲۹)

"فارسیوں (مجوسیوں) کی عادت تھی کہ وہ داڑھی کے بال کاٹ کر کم کرتے تھے لہٰذا شریعت نے اس سے منع کیا۔"

ان میں کچھ لوگ اپنی داڑھیاں منڈوانے بھی لگے تھے جیسا کہ علامہ عینیؒ نے لکھا ہے:

"لِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَقْصِرُوْنَ لِحَاهُمْ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ يَحْلِقُهَا"

(عمدۃ القاری:۶۶/۳۲)

"اس لیے کہ وہ لوگ اپنی داڑھیاں چھوٹی کراتے تھے اور ان میں کچھ لوگ مونڈ ڈالتے تھے۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجوسیوں کی مخالفت کرنے اور داڑھی بڑھانے اور مونچھیں چھوٹی رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

داڑھی نہ رکھنے والے حضرات، مشرکین اور مجوسیوں کی راہ پر چل رہے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَيْسَ مِنَّا مَنْ عَمِلَ سُنَّةَ غَيْرِنَا"

(کنز العمال:۳۵۵/۵)

"جو شخص ہمارے غیروں کے طریقہ پر چلتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ)"

نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد گرامی تو بہت معروف ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"

(سنن ابی داؤد:۲۰۳۱)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔"

ایک اور حدیث گرامی ملاحظہ ہو:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِحْفُوْا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوْا اللِّحَى، وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهُ أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ۔ ایضاً

(صحیح مسلم:۲۲۲/۱)

"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھی بڑھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مونچھوں کو کٹوانے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم فرمایا۔"

ان تمام احادیث مبارکہ میں واضح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص کو ان احادیث مبارکہ سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناراضگی مول لینے سے بچنا چاہیے، اسی میں مسلمانوں کی نجات پوشیدہ ہے۔

داڑھی نہ رکھنے والے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اظہار نفرت:

کسریٰ شاہ ایران کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا مکتوب گرامی ارسال کیا جس میں اسے دعوت اسلام دی لیکن بدبخت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکتوب گرامی کی توہین کرتے ہوئے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گورنر یمن (بازان۔ ہدایہ ج ۴ ص ۲۷۰) کو خط لکھا کہ وہ دو آدمی بھیج کر حضور علیہ السلام کو گرفتار کرائے اور میری طرف بھیج دے (العیاذ باللہ) باذام/ باذان کے بھیجے ہوئے دو پولیس اہلکار حضور علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بہت بڑی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی شکل سے بے حد نفرت فرمائی اور ان سے فرمایا:

"وَيْلَكُمَا مَنْ اَمَرَكُمَا بِهٰذَا...؟ قَالُوْا اَمَرَنَا رَبُّنَا ... فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ رَبِّيْ قَدْ اَمَرَنِيْ بِاَعْفَاءِ لِحْيَتِيْ وَقَصِّ شَارِبِيْ"

(ہدایہ: ج ۴ ص ۲۷۰)

"تم پر ہلاکت ہو تم کو کس نے ایسی مکروہ شکل بنانے کا حکم دیا؟ انہوں نے کہا کہ: ہمارے رب یعنی کسریٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔"

اہل اسلام کے لیے قابل عبرت بات یہ ہے کہ آنے والے کافر تھے، وہ اسلامی احکام

کے مکلف اور پابند بھی نہ تھے، اپنی ایک تہذیب وتمدن رکھنے والے تھے، اس کے باوجود ان کی شکل وصورت اتنی مکروہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف نظر کرنا بھی پسند نہ فرمایا وجہ یہ تھی کہ ان کا یہ عمل فطرت سلیمہ کے خلاف اور شیطانی اثر کا نتیجہ تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ بددعا دی کہ تم ہلاک ہو جاؤ!!!۔ غور کیجیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والوں کو داڑھی نہ رکھنے اور مونچھیں بڑھانے کی وجہ سے فرما رہے ہیں کہ خدا تمہیں ہلاک کرے۔ معلوم ہوا کہ اس عمل کے مرتکب کے لیے حضور علیہ السلام کی بددعا ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فعل کی نسبت اللہ کے حکم کی طرف کی۔

معلوم ہوا کہ داڑھی رکھنا محض آپ کی عادت یا عرب کی تہذیب نہ تھی بلکہ یہ عمل خاص اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داڑھی رکھنا سنت محمدی ہے اور داڑھی نہ رکھنا حضور علیہ السلام کے گستاخ اور آپ کے بدترین دشمن کسریٰ پرویز کی سنت ہے، جس نے حضور علیہ السلام کو گرفتار کرانے کی مذموم کوشش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے والا بنائے۔

داڑھی رکھنے والے کے لیے بشارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

قارئین کرام! ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ داڑھی رکھنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت سے محبت رکھنے والے کے لیے ارشاد فرمایا:

"مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ"

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۰)

''جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے

مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔"

سبحان اللہ! کیا ہی مقام ہے، سنت سمجھ کر داڑھی رکھنے والے کا کہ وہ حضور علیہ السلام کا سچا محب اور عاشق ہے اور حضور علیہ السلام کی محبت اسے جنت میں حضور علیہ السلام کی مرافقت نصیب کرے گی۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔

(بیہقی)

"جس شخص نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اس کے لیے ایک سو شہید کا ثواب ہے۔"

یقیناً امت میں داڑھی نہ رکھنے کا فساد غالب ہے اور اس دور میں داڑھی پر پختگی دکھانے والا یا اس سنت کو زندہ کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سو شہیدوں کے اجر کا حق دار ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ اجر ہم سب کو نصیب فرمائے۔ آمین!

داڑھی اسلام کا شعار ہے:

مذہب اسلام جن خصوصیات کا حامل ہے ان میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ مذہب اپنے پیروکاروں کے لیے علیحدہ تہذیب وتمدن اور معاشرت رکھتا ہے، اسلامی معاشرہ کے لیے خاص لباس اور ان کے لیے مخصوص شکل وصورت کی تعیین کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورتیں سر کے بال نہ کٹوائیں، حجاب اختیار کریں اپنے جسم پر ٹیٹو نہ بنوائیں (جسم نہ گدوائیں) مردوں کی مشابہت نہ اختیار کریں، ایسے ہی مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کی مشابہت اختیار نہ کریں، داڑھیاں نہ کٹوائیں، مونچھیں نہ بڑھائیں وغیرہ اسی لیے علماء امت نے داڑھی کو اسلام کا شعار قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ کا تقریباً ہر مسلمان داڑھی والا تھا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ○ (الحج:۳۲)

"اور جو شخص دین خداوندی کی یادگاروں کا پورا لحاظ رکھتا ہے تو اس کی اصل وجہ

دلوں میں خوف خدا ہوتا ہے۔"

خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم کا عمل:

خلافت اسلامیہ میں امیر المومنین سے لے کر چپڑاسی تک سب مسلمان داڑھی کو اپنا شعار سمجھتے تھے اور یہی حال رعایا کا تھا، اس لحاظ سے داڑھی رکھنا خلفاء راشدین کی سنت ہے، جن کے متعلق حدیث مبارک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

(سنن ابی داؤد: ۴/۳۲۹)

"میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو۔"

"الاستیعاب" میں علامہ ابن عبدالبرؒ خلفاء راشدین کے خصائل ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"كان كث اللحية..."

"وہ گھنی داڑھی والے تھے۔"

جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں "الاصابہ" میں لکھا ہے:

"كَانَ عَظِيْمُ اللِّحْيَةِ..."

"وہ بڑی داڑھی والے تھے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

لحیہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر مے کرد سینہ را و ہم چنیں لحیہ امیر المؤمنین عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔"

"امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی ان کے سینہ کو بھر دیتی تھی، اسی طرح امیر المومنین عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کی داڑھیاں ان کے سینوں کو بھر دیتی ہیں۔"

داڑھی منڈوانا چاروں ائمہ کرام کے نزدیک حرام ہے:

"الفقه علی المذاهب الاربعه" میں ہے داڑھی، منڈوانا حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سب کے نزدیک حرام ہے۔

"قَالَ ابْنُ الرَّافِعَةُ اَنَّ الشَّافِعِيَّ نَصَّ فِي الْاِمَامِ بِالتَّحْرِيْمِ"

"امام ابن الرافعہ کہتے ہیں کہ کتاب الام میں حضرت امام شافعیؒ نے خود اس (حلق لحیہ) کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔"

بلاشبہ مذاہب اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ داڑھی بڑھانا واجب ہے اور اس کا مونڈنا حرام ہے۔

حضرات مالکیہ کا مذہب یہ ہے:

"مذهب السادة المالكية حرمة حلق اللحية و كذا قصها اذا كان يحصل بها المثلة"

"داڑھی منڈوانا حرام ہے اور اس طرح اس کا کتروانا بھی حرام ہے جب کہ اس سے صورت بگڑے۔"

اور فقہ حنفی کی کتاب شرح المنیر میں مذکور ہے:

"المعتمد حرمة حلقها و منهم من صرح بالحرمة ولم يحك خلافا كصاحب الانصاف۔"

"معتبر قول یہی ہے کہ داڑھی منڈوانا حرام ہے اور مؤلف انصاف نے حرمت کی تصریح کی ہے اور اس حکم میں کسی کا بھی خلاف نقل نہیں کیا۔"

(داڑھی کا وجوب: ص ۲۲)

داڑھی کٹوانا خلقت خداوندی کو بگاڑنا ہے:

آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ داڑھی رکھنا امور فطرت میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے اسی داڑھی والی شکل پر رہنا پسند کیا ہے، جبکہ شیطان کی ہمیشہ سے یہ

کوشش رہی ہے کہ وہ تخلیق خداوندی میں بگاڑ پیدا کرے، چنانچہ شیطان مردود کو جب خالق نے راندۂ درگاہ بنایا تو اس نے فوراً ہی اللہ تعالیٰ سے کہہ دیا تھا:

لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۝ (النساء:۱۱۹،۱۱۸)

''میں ضرور تیرے بندوں میں سے مقررہ حصہ لوں گا اور ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا، اور انہیں حکم کروں گا کہ وہ جانوروں کے کان کاٹیں گے اور میں انہیں حکم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل کو بگاڑیں گے۔''

جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۝ (الروم:۱۹)

''اللہ کی بنائی کسی چیز میں کوئی تبدیلی نہیں۔''

قارئین کرام! شیطان کا حکم اس شکل کو تبدیل کرنے کا ہے، رحمان کا حکم اس شکل کو برقرار رکھنے کا ہے یہ ہمارے لیے مقام فکر ہے کہ ہم رحمان کے فرمانبردار بن کر اس کی طرف سے اخروی نعمتوں کے مستحق قرار پاتے ہیں یا شیطان کا حکم مان کر دنیا میں ہی اپنی شکلیں مسخ کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ داڑھی کٹوانا یا منڈوانا شیطان کے حکم کی تعمیل اور خلقت خداوندی میں بگاڑ ہے۔

مزید برآں یہ کہ داڑھی کا منڈوا دینا ''مثلہ'' (شکل مسخ کرنا) بھی ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس عمل کو مثلہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ داڑھی منڈوانا مثلہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثلہ سے منع فرمایا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے پوری داڑھی منڈوا دینے کے مثلہ ہونے پر اجماع امت نقل کیا ہے۔

''اسلام نے چہرہ اور اس کے حسن کی حفاظت کا خاص اہتمام کروایا ہے،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ پر تھپڑ مارنے سے منع فرمایا سعید ابن مقرن رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو تھپڑ مار رہا ہے آپ نے اسے فرمایا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ صورت قابل احترام ہے، ظاہر ہے کہ چہرہ پہ تھپڑ مارنا چہرے کی حرمت وعزت کے خلاف ہے تو چہرے سے داڑھی کا صاف کر دینا تو بطریق اولیٰ چہرے کے اکرام کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے بطور تعزیر وسزا کے بھی کسی کے چہرہ سے داڑھی مونڈ دینے کی اجازت نہیں دی، اس لیے کہ یہ فعل حرام اور فطرت کو بدلنا ہے۔"

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

"قصہ ای اللحیۃ سنۃ المجوس و فیہ تغییر خلق اللہ"

"داڑھی کا کاٹنا مجوسیوں کی سنت ہے اور اس میں اللہ کی پیدائش اور بناوٹ کو بدلنا ہے۔ (جو کہ شیطان کا عمل ہے)"

داڑھی کٹوانا دوسرے گناہوں سے بدتر گناہ ہے:

عام گناہ کے مرتکب مسلمان اور داڑھی منڈوانے والے مسلمان کے گناہ میں بالکل اس طرح فرق کیا جاسکتا ہے جیسا کہ حکومت وملک کے ایک عام مخالف اور ایک اعلانیہ بغاوت کرنے والے کے درمیان کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اول بھی جرم کا مرتکب ہے وہ بھی مجرم ہے لیکن اس مجرم سے جو اعلانیہ بغاوت کر رہا ہے، ثانی الذکر مجرم حکومت کی طرف سے نا قابل معافی ہوا کرتا ہے۔

عام گناہ کا مرتکب محض خود گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، جب کہ داڑھی کاٹنے اور مونڈنے کا مرتکب دوسروں کو بھی اس گناہ کی عملی دعوت پیش کر رہا ہے، اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اعلانیہ بغاوت کر رہا ہے، اس کا جرم یقینا کم درجہ کا ہے۔ عام گناہ کی معافی آسان ہے بنسبت اعلانیہ گناہ کے۔ اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ"

(بخاری ومسلم)

''میری ساری امت قابل معافی ہے ماسوائے اعلانیہ گناہ کے ارتکاب کرنے والوں کے۔''

مزید برآں یہ کہ عام گناہ وقتی ہوتا ہے، داڑھی نہ رکھنے کا گناہ دائمی ہے، مثلاً جھوٹ، غیبت، شراب، زنا، قتل وغیرہ گناہ کبیرہ ہیں لیکن ان گناہوں کا مرتکب ہر وقت ان گناہوں میں مبتلا نہیں رہتا جھوٹ وغیبت ایک وقت بولے گئے اور بس انہیں اوقات میں ہی گناہ لکھا گیا، شراب وزنا اور قتل مخصوص وقت میں کیے گئے اور انہیں اوقات میں ہی ان کے گناہ لکھے گئے، بخلاف داڑھی نہ رکھنے والے کے کہ جب داڑھی کاٹی یا مونڈی گئی گناہ شروع ہوا اور معافی نہ مانگنے تک گناہ لکھا جاتا رہا، گویا داڑھی رکھنے والے کے چوبیس گھنٹے ہی گناہ میں صرف ہوئے وہ سو رہا ہے تو حالت گناہ میں ہے جاگ رہا ہے تو حالت گناہ میں ہے اگر عبادت میں مصروف ہے تب بھی معصیت اس کے ساتھ قائم ہے۔ (در منثور)

اور اگر اسی حالت میں موت آگئی اور موت سے قبل توبہ کی توفیق بھی نہ ہوئی تو مرتے وقت بھی یہ شخص معصیت وگناہ کی حالت میں ہے اور حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے موافق جس حالت میں کسی کی موت آئے گی وہ اسی حالت میں روز محشر خالق تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو قیامت میں ایسا شخص جب اٹھایا جائے گا تو گناہ کی حالت میں ہوگا اور تو اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں حوض کوثر پر حاضری ہوگی تو ایسا شخص حضور علیہ السلام کی سنت سے بغاوت کی حالت میں ہوگا، اور یقیناً یہ حضور علیہ السلام سے شرما رہا ہوگا۔ اور اس قابل نہ ہوگا کہ حضور علیہ السلام کو منہ دکھا سکے، اس لیے ضروری ہے کہ اس گناہ سے فی الفور توبہ کرلی جائے اور داڑھی رکھ لی جائے، ورنہ سوء خاتمہ کا قوی اندیشہ ہے، کیونکہ موت کے وقت کا کسی کو علم نہیں کہ کب، کیسے اور کس حالت میں آجائے۔ در منثور میں قوم لوط کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب داڑھی نہ رکھنا بھی مذکور ہے۔

داڑھی منڈوانے والے کے لیے سخت وعید:

داڑھی منڈوانے والا آدمی عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، جو سخت ترین گناہ ہے
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَشَبِّھِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّھَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ

(صحیح بخاری:۵۸۸۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی سی شکل اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکل اختیار کرتی ہیں۔''

اسی طرح ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّہَ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَلَا مَنْ تَشَبَّہَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ

''وہ عورتیں ہم میں سے نہیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور وہ مرد ہم میں سے نہیں جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔''

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ داڑھی منڈوانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت کے مستحق ہیں۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ)

واضح رہے کہ داڑھی منڈواتے وقت اگر نیت عورتوں سے مشابہت کی نہ بھی ہو تب بھی یہ مشابہت متحقق ہو جاتی ہے اس لیے کہ بعض اعمال نیت کے محتاج نہیں ہوتے، اعمال صادر ہوتے ہی واقع ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے ہر مسلمان کو فی الفور توبہ کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لعنت سے بچنا چاہیے، تاکہ اللہ کی رحمت متوجہ ہو سکے۔

داڑھی کا مذاق اڑانا کفر اور موجب عذاب ہے:

بعض مسلمان کم علمی کی وجہ سے داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں اور داڑھی والوں کے

طرح طرح کے طنزیہ نام رکھتے ہیں جب کہ بعض لوگ داڑھی سے سخت نفرت کرتے ہیں، بعض لوگوں کے متعلق سنا ہے کہ رشتہ دینے کے لیے داڑھی کے منڈوانے کی شرط لگاتے ہیں اور بعض مقامات پر دولہا کے داڑھی والے ہونے کی وجہ سے سسرال نے بارات کو خالی بھیج کر نکاح سے انکار کر دیا اور بعض دلہنوں کو جب شوہر کی داڑھی کا علم ہوا تو انہوں نے شادی سے انکار کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کام مفضی الی الکفر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

-قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ (التوبہ:۶۵)

”آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تم مذاق اڑاتے تھے۔“

مراد یہ ہے کہ دین کے وہ مسائل جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیے ان کا مذاق اڑانا دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کا موجب ہے۔

گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ داڑھی رکھنے کا حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خود دیا ہے تو اس کا مذاق اڑانا بھی عذاب کا باعث ہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب شرح عقائد میں تحریر کیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا کسی حکم کا مذاق اڑائے تو کافر ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ (الانبیاء:۴۰)

”اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو پیغمبر گزرے ان سے بھی استہزاء کیا جا چکا ہے، آخر وہی (عذاب) ان پر نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق بناتے تھے۔“

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پیام تسکین ہے اور استہزاء کرنے والوں کے لیے عذاب کی وعید۔

داڑھی کا مذاق اڑانے والے، اس کو حقیر سمجھنے والے، خدا کے عذاب سے ڈریں اور

اپنی آخرت کی فکر کریں کہ وہ اپنے اس عمل سے کافر ہو کر دنیا سے نہ جائیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے جہنم کا ایندھن نہ بنائیں۔

داڑھی نہ رکھنے والے کی امامت واذان:

داڑھی نہ رکھنا سخت ترین معصیت ہے، داڑھی کٹوانے یا منڈوانے والا انسان خائن بھی ہے اور فاسق بھی۔ اس لیے فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے جو اس خیانت وفسق کا مرتکب ہے، فقہ حنفی کی کتاب تروقینہ میں مذکور ہے:

> ''جو شخص داڑھی منڈوائے یا اس کو چھوٹا کرائے تو اس کی امامت جائز نہیں اور خود اس کی نماز میں بھی کراہت ہے، ایسا شخص دنیا وآخرت میں مردود وملعون ہے۔''
>
> (بحوالہ داڑھی کے مسائل: ص ۳۲)

داڑھی منڈوانے والا شخص اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نافرمان ہے ایسے شخص کی امامت سے برائی اور داڑھی منڈوانے کا رواج عام ہوگا، اس لیے ضروری ہے کہ امام وہ شخص ہو جو شرعی شکل وصورت رکھتا ہو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے داڑھی منڈوانے والے شخص کو تارک توبہ قرار دیا ہے فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ ج ۱ صفحہ ۱۲۲ میں علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے داڑھی کٹوانے یا منڈوانے والے شخص کو فاسق قرار دے کر اس کی امامت مکروہ تحریمی قرار دی ہے۔

فتاویٰ کی مشہور کتاب ردالمختار ج ۱ صفحہ ۳۶۵ میں داڑھی نہ رکھنے والے کی اذان و اقامت کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔

جو حافظ داڑھی منڈواتے یا کترواتے ہوں وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب اور فاسق ہیں، تراویح میں بھی ان کی امامت جائز نہیں اور ان کی اقتداء میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو حافظ صرف رمضان المبارک میں داڑھی رکھ لیتے ہیں اور بعد میں صاف کرا دیتے ہیں ان کا بھی یہی

حکم ہے ایسے شخص کو فرض نماز اور تراویح میں امام بنانے والے بھی فاسق اور گنہگار ہیں۔

شرعی داڑھی نہ رکھنے والے کی گواہی غیر معتبر ہے:

گذشتہ صفحات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ شرعی داڑھی نہ رکھنا فسق اور بدترین گناہ ہے اور فقہی ضابطہ کے تحت فاسق کی شہادت (گواہی) قبول نہیں ہوتی، اس سے داڑھی نہ رکھنے والے کی امور دینیہ میں گواہی کو فقہائے کرام نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب شامی ج ۱ صفحہ ۳۶۵ پر رقمطراز ہیں:

"لہٰذا بعض فقہاء ومفتیان کرام نے اس صورت میں کہ کسی کی حق تلفی کا اندیشہ ہو اور کوئی گواہ ماسوائے فاسق کے نہ ہو اور داڑھی نہ رکھنے والا (فاسق) ذی وجاہت ہو اور اس کے صادق ہونے کا ظن غالب ہو تو اس کی گواہی کو قبول کیا جاتا ہے۔"

(احسن الفتوٰی ج ۷ ص ۲۰۴)

داڑھی کی شرعی مقدار:

ترمذی کتاب الادب (ص ۱۰۰ ج ۲) کی ایک روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ریش مبارک کے طول وعرض سے زائد بال کاٹ دیا کرتے تھے"

اس کی وضاحت صحیح بخاری کتاب اللباس (ج ۲ ص ۸۷۵) کی روایت سے ہوتی ہے کہ:

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حج وعمرہ سے فارغ ہونے کے موقع پر احرام کھولتے تو داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد حصہ کاٹ دیا کرتے تھے۔"

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی روایت منقول ہے۔"

(نصب الرایہ ص ۴۵۸ ج ۲)

"اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ داڑھی کی شرعی مقدار کم از کم ایک مشت ہے۔"

(ہدایہ کتاب الصوم)

پس جس طرح داڑھی مونڈنا حرام ہے اسی طرح داڑھی ایک مشت سے کم کرنا بھی حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

"اما الاخذ منها وهى دون ذالك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه احد واخذ كلها فعل يهود الهند و مجوس الاعاجم"

(شامی طبع جدید ص ۴۱۸ ج ۲)

"اور داڑھی کتروانا، جب کہ وہ ایک مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور ہیجڑے قسم کے آدمی کرتے ہیں پس اس کو کسی نے جائز نہیں کہا اور پوری داڑھی صاف کر دینا تو ہندوستان کے یہودیوں اور عجم کے مجوسیوں کا فعل تھا۔"

یہی مضمون فتح القدیر ص ۷۷ ج ۲ اور بحر الرائق ص ۳۰۲ ج ۲ میں ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ "اشعة اللمعات" میں لکھتے ہیں:

"حلق کردن لحیه حرام است و گذاشتن آن بقدر قبضه واجب است"

(ص:۲۲۸ ج ۱)

"داڑھی منڈانا حرام ہے اور ایک مشت کی مقدار اس کا بڑھانا واجب ہے (پس اگر اس سے کم ہو تو کترانا بھی حرام ہے۔)"

امداد الفتاویٰ میں ہے "داڑھی رکھنا واجب ہے اور قبضہ سے کم کٹوانا حرام ہے"۔

"لقوله عليه السلام خالفوا المشركين اوفروا اللحىٰ. (متفق عليه) وفى الدر المختار "يحرم على الرجال قطع لحيته" وفيه السنة فيها القبضة"

"کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ، (بخاری و مسلم) اور درمختار میں ہے کہ مرد کے لیے داڑھی کا کاٹنا حرام ہے اور اس کی مقدار مسنون ایک مشت ہے۔"

بڑی مونچھوں کا حکم:

یہ بات عام طور پر مشاہدے میں آئی ہے کہ داڑھی کو نا پسند کرنے والے مونچھوں کو کٹوانا بھی اپنی شان مردانگی کے خلاف سمجھتے ہیں اور ان میں سے بعض نے بڑی بڑی خوفناک مونچھیں پالی ہوتی ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی مونچھیں جو پانی پیتے وقت سنبھالی نہ جائیں، پانی کے برتن میں پانی سے گیلی ہوتی رہیں، ان کا رکھنا شرعاً گناہ اور طبعاً نہایت مکروہ ہے، حدیث میں آتا ہے:

"عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا۔"

(سنن الترمذی: ۵/۹۳)

"زید بن ارقم فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مونچھیں نہیں تراشتا وہ ہم میں سے نہیں۔"

مسلم حکمرانوں کے نام:

نہایت ہی افسوس اور حیرت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکار کیا جا رہا ہے کہ بعض اسلامی ملکوں کے نام نہاد مسلمان حکمرانوں نے اپنے اپنے ممالک کے مسلمان باشندگان یا ملازمین کے داڑھی رکھنے پر پابندی عائد کی ہوئی ہے ان میں سے بعض ممالک ایسے بھی ہیں جہاں داڑھی رکھنا قابل تعزیر جرم ہے۔ (العیاذ باللہ)

وطن عزیز پاکستان میں بھی بعض حکومتی اور غیر حکومتی اداروں اور کمپنیوں میں داڑھی رکھنے والے افراد پر ملازمت کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں، خواہ یہ داڑھی والے کتنے ہی باصلاحیت اور ایماندار کیوں نہ ہوں۔

ارباب اقتدار اور اصحاب اختیار کی خدمت میں گزارش ہے کہ خدارا اپنے گناہوں کے بوجھ کو اپنے لیے کافی سمجھیں اور بے شمار لوگوں کے داڑھی مونڈنے کے گناہ کو اپنے کندھوں پر مت لادیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ (العنکبوت:۱۲)

"وہ ضرور بالضرور اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے، اور قیامت کے روز ان سے اللہ کے بارے میں کیے گئے ان کے جھوٹے دعووں اور تہمتوں بارے ضرور پوچھا جائے گا۔"

حدیث شریف میں ہے کہ:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَلَهَا..."

(سنن ابن ماجہ: ۷۴/۱)

"جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا اس کا گناہ اس کے جاری کرنے والے کو ہوگا۔"

آپ حضرات ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کے اس جرم کا سبب ہیں یقیناً ان کے اس جرم کا وبال جہاں مجرمین پر ہوگا وہاں ارباب اختیار اور اصحاب اقتدار پر بھی ہوگا، جن کے بنائے گئے قوانین اور ملازمت کی شرائط کی وجہ سے لوگ داڑھی کٹوانے جیسے قبیح گناہ میں مبتلا ہوئے۔

آیئے......!!

مل کر اللہ کے حضور صدق دل سے توبہ کریں کہ آئندہ داڑھی کٹوانے یا منڈوانے کے گناہ میں کبھی منسلک نہ ہوں گے اور نہ ہی کسی کو اس گناہ میں شریک کریں گے، بلکہ لوگوں کو سنت کے مطابق داڑھی رکھنے کے لیے ہر موقع پر ترغیب دیتے رہیں گے، تا کہ روز محشر ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوض کوثر کا جام نصیب ہو سکے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ۔

(رسالہ "داڑھی ضروری کیوں؟"۔ مطبوعہ: 2002ء)

پردہ ضروری کیوں......؟

پردہ اور اسلام:

فواحش، بدکاری اور زنا ایسے خطرناک اور مہلک امراض ہیں، جنہیں ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر ذی شعور و ذی عقل انسان قبیح اور برا جانتا و مانتا ہے، کون سلیم الفطرت انسان ہے جو برائیوں کو انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ نہیں سمجھتا، دنیا کا ہر مذہب اور ہر دین اپنے پیرو کاروں کو ان برائیوں سے نہ صرف دور رہنے کی تلقین کرتا ہے بلکہ انہیں دنیا سے ختم کرنے کے لیے اپنے اپنے مزاج کے مطابق مختلف طریقے بھی بتاتا ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور دین فطرت ہے، اسلام نے اپنے پیرو کاروں کو ان برائیوں سے بچنے کے لیے نہ صرف یہ کہ ان سے دور رہنے کا حکم دیا ہے بلکہ ان برائیوں کے اسباب اور ذرائع کو بھی حرام قرار دے دیا ہے اور یہی اسلام کا مزاج ہے کہ ہر بڑی برائی سے بچانے کے لیے اسلام نے اس کے ذرائع پر بھی پابندی لگادی، تاکہ انسان اس برائی اور گناہ کے قریب ہی نہ جاسکے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے شرک کو حرام قرار دیا، بت پرستی کو ناقابل معافی جرم قرار دیا تو اس کے ذرائع واسباب پر بھی کڑی پابندی لگائی، طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے اوقات آفتاب کے پجاریوں کی پرستش کے تھے، اس لیے اسلام نے ان اوقات میں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کردی، تاکہ مشرکین کے ساتھ مشابہت نہ ہوجائے اور یہ مشابہت شرک میں مبتلاء ہونے کا سبب نہ بن جائے، اسی طرح تصویر سازی اور نبیوں، ولیوں کے مجسموں پر بھی پابندی لگادی، نیز اسلام نے جب شراب نوشی کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسباب وذرائع مثلاً شراب بیچنا خریدنا اور کسی کو دینا بھی حرام قرار دیا اس لیے کہ شراب کی خرید وفروخت اس گناہ عظیم میں ابتلاء کا سبب بن سکتا تھا، شریعت اسلامیہ نے سود کو حرام قرار دیا تو ہر ایسے معاملے کو بھی

ممنوع قرار دیا، جس میں سودی معاملات کی نوبت آتی ہو۔

زنا اور بدکاری کو بھی انہیں چیزوں پر قیاس کر لیجیے۔ زنا اور بدکاری حرام ہیں ہی اسلام نے ان کے قریبی اسباب اور ذرائع کو بھی حرام قرار دیا ہے، چنانچہ کسی اجنبی عورت پر شہوت کی نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا، اس عورت کا کلام سننے کو کانوں کا زنا قرار دیا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا اور اس کی طرف جانے کو پاؤں کا زنا قرار دیا، انہیں جرائم سے بچانے کے لیے شریعت نے پردہ کے احکام نازل فرمائے۔

ذیل میں پردۂ شرعی کے متعلق اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کچھ ارشادات نقل کیے جا رہے ہیں۔ یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے والے مرد اور عورت کے لیے قرآن مجید یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توضیح آ جانے کے بعد کسی قسم کے انکار یا حیلہ و بہانہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝ (الاحزاب:۳۶)

"اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے اور نہ ہی کسی مومن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

اہل اسلام کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے، غیر مسلم اقوام کی نہ صرف اطاعت سے روکا گیا ہے بلکہ ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے، ان جیسا لباس پہننے، ان جیسی شکل اختیار کرنے اور ان کے غیر اسلامی و غیر شرعی اعمال اختیار کرنے سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"

(سنن ابی داود۔ ۷۸/۴)

"جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا (روز قیامت) انہیں میں سے سمجھا جائے گا۔"

اس لیے مسلمان مرد وعورت کو مغرب کے لچر دلائل، اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور پروپیگنڈے کو یکسر مسترد کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ چنانچہ پردہ کے متعلق قرآن وسنت کی ہدایات پیش کی جارہی ہیں۔

خواتین کے لیے گھروں میں رہنے کی ہدایت:

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ○ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ○ (الاحزاب: ۳۲،۳۳)

"اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کہ کہیں کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔ اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور (غیر مردوں کو) بناؤ سنگھار دکھاتی نہ پھرو، جیسا کہ پہلی جاہلیت میں دکھایا جاتا تھا اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے نبی کے اہل بیت! (گھر والو) اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور رکھے، اور تمہیں ایسی پاکیزگی عطا کرے جو ہر طرح مکمل ہو۔"

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے تین احکام بیان فرمائے ہیں۔ یہ احکام براہ راست تو ازواج مطہرات کو ہیں، لیکن ان پر عمل تمام مسلمان

خواتین پر لازم ہے۔

حکم اول:

کسی غیر محرم (جن سے شریعت نے پردہ ضروری قرار دیا ہے) سے اگر ضرورتاً گفتگو کرنی پڑے تو نرم و نازک لہجہ اختیار کرنے کی بجائے باتکلف لہجہ اختیار کریں، اس لیے کہ جس طرح چال ڈھال اور رفتار کا انداز باعث میلان ہوتا ہے، ایسے ہی انداز گفتار بھی باعث میلان ہوتا ہے، عورت کے لہجہ میں فطرتاً نرمی اور جاذبیت پائی جاتی ہے، اس لیے عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ لہجہ بدل کر کھردرے لہجے میں بات کرنے کا حکم فرمایا گیا، تاکہ کسی بدباطن کے دل میں بے تکلفی پیدا کرنے کا روگ پیدا ہی نہ ہوسکے۔

حکم دوم:

خواتین اپنے گھروں میں ہی رہیں، بلا ضرورت شرعیہ گھر سے نہ نکلا کریں۔ اگر شرعی ضرورتوں کے تحت نکلنا ضروری بھی ہو تو پردہ کا اہتمام کیا جائے، آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت پردہ کے ساتھ بھی عورت کا گھر سے نکلنا مناسب نہیں۔

حکم سوم:

زمانہ جاہلیت کے سماج و رواج کی طرح بے پردہ ہو کر مت پھرو، زمانہ جاہلیت سے مراد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قبل کا زمانہ ہے، اس زمانہ میں خواتین بلا تکلف اور بلا جھجک بازاروں، گلی، کوچوں، میلوں، تفریح گاہوں اور تقریبات میں بن سنور کر، اپنے حسن و جمال کو ظاہر کرتی ہوئی آتی جاتی تھیں، پردہ اور جسم چھپانے کا اہتمام نہیں تھا، سر پہ دوپٹہ رکھنا بھی ضروری نہ تھا۔ سینہ، کان، چہرہ چھپانے کی کوئی فکر نہ تھی، جدھر جی چاہتا چل پڑتیں، مردوں کی بھیڑ میں بلا جھجک گھس گئیں، اپنے پرائے کی کوئی تمیز نہ تھی یہ تھا جاہلیت اولیٰ کا سماج و رواج۔

آیت مذکورہ میں اس رواج سے خواتین کو منع کر دیا گیا اور گھروں میں رہنے کا پابند بنایا گیا۔

گھروں سے نکلنے کی صورت میں پردہ کا حکم:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ○ (الاحزاب:۵۹)

"اے نبی! تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکا لیا کریں۔ اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو ان کو ستایا نہیں جائے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

آیت مذکورہ سے درج ذیل احکام معلوم ہوئے:

۱)۔ گھروں سے بوقت ضرورت نکلنے کی صورت میں بلا حجاب نہ نکلیں بلکہ اپنے پورے جسم کو سر اور چہرہ سمیت کسی بڑی چادر سے ڈھانپ لیں۔

حضور علیہ السلام کے چچازاد بھائی حبر الامۃ مفسر قرآن حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"أَمَرَ اللهُ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بُيُوتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَنْ يُغَطِّينَ وُجُوهَهُنَّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِنَّ بِالْجَلَابِيبِ ، وَيُبْدِينَ عَيْنًا وَاحِدَةً"

(تفسیر ابن کثیر: ۶/۴۸۱)

"اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے اپنے گھروں سے نکلیں تو ان بڑی بڑی چادروں سے چہروں کو ڈھانپ لیں جو سروں کے اوپر اوڑھ رکھی ہیں اور راہ چلنے کے لیے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں۔"

مذکورہ بالا تفسیر سے معلوم ہوا کہ چہرہ کے پردہ کا حکم بھی قرآن میں ہی ہے۔ یہ دور حاضر کے علماء کی اختراع یا اجتہاد نہیں جیسا کہ مغرب کے دلدادہ بعض لوگوں کا الزام ہے۔

۲)۔ عام مسلمان خواتین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں بھی ازواج

مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پردہ کے حکم میں برابر کی شریک ہیں، یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو ''وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ'' والی آیت سے دھوکہ ہوا۔

۳)۔ آیت میں جلباب کے استعمال کا حکم ہے عربی میں جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جسے عورتیں اپنے پہننے کے کپڑوں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی ہیں، آیت میں حکم ہوا کہ جس طرح خواتین جلباب کو اپنے جسم اور پہنے ہوئے کپڑوں پر اوڑھتی ہیں ایسے ہی سر اور چہروں پر بھی ایک حصہ لٹکا لیا کریں۔

چنانچہ بعض علاقوں میں آج بھی اس آیت کے مصداق کے مطابق خواتین ''جلباب'' استعمال کرتی ہیں دورِ حاضر میں برقعہ بھی اسی جلباب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے البتہ ایسا برقعہ یا چادر جو بھڑکیلی اور باعث میلان ہو، بدنگاہی کا باعث ہو اس استعمال جائز نہیں۔

پردہ اور ستر کا فرق:

دورِ جدید وقدیم کے بعض حضرات نے چہرہ کو پردہ سے خارج قرار دیا ہے لیکن دونوں کے نظریات اور خیالات میں واضح فرق ہے۔ جن قدیم علماء ومفسرین نے چہرہ کو پردہ سے خارج قرار دیا ہے انہوں نے فتنہ کی شرط نہ ہونے کے ساتھ مشروط کیا ہے یعنی جب عورت کے چہرہ دیکھنے میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ کا پردہ ضروری نہیں اور اگر چہرہ کے کھل جانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو جیسا کہ دورِ حاضر میں فتنہ کا صرف اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے، تو ان حالات میں ان علماء کے نزدیک بھی چہرہ کا پردہ لازمی ہے، بایں ہمہ محقق علماء نے ان حضرات کے دلائل کے مفصل جوابات دیے ہیں۔ البتہ دورِ حاضر کے بعض غیر محقق علماء جو بزعم خود بڑے عالم اور اسکالر ہیں اور قرآن وسنت کو کسی استاذ کامل سے پڑھے اور سمجھے بغیر محض اپنی تحقیق ومطالعہ سے سمجھنے کے دعویدار ہیں انہوں نے بھی چہرہ کو پردہ سے خارج قرار دیا ہے اور بطور دلیل فقہ کا مسئلہ ''ستر'' پیش کیا ہے کہ اگر نماز میں چہرہ، دو ہاتھ اور دو قدم کپڑے سے باہر ہوں تو عورت کی نماز ہو جاتی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان اعضا کا شرعاً پردہ نہیں۔

ان حضرات کا یہ قیاس واستدلال بالکل لغو ہے، اس لیے کہ ستر اور حجاب دو الگ الگ مسئلے ہیں، شریعت میں ان کے احکام اور وجوب کی تاریخ جدا جدا ہے۔

پردہ کا وجوب سن ۳ ہجری یا سن ۵ ہجری میں ہوا، جبکہ اعضاء انسانی کا ستر اور ڈھانپنے کا حکم ابتداء آفرینش سے ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے جب شجرۂ ممنوعہ کا استعمال کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جنت سے اخراج کا فیصلہ فرمایا تو ان کے کپڑے اور لباس بھی اتار لیے۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ ۝ (طٰہٰ:۱۲۱)

”آدم وحواء اپنے آپ کو جنت کے درختوں کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔“

معلوم ہوا کہ ستر کا حکم تو ہر شریعت میں رہا ہے، ہاں البتہ اعضاء مستورہ کی حدود میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ ستر کا ڈھانپنا مرد وعورت دونوں پر فرض ہے، جبکہ حجاب صرف اجنبی مردوں سے ہے، ستر کا ڈھانپنا مردوں اور عورتوں دونوں سے ضروری ہے، ستر کا ڈھانپنا خلوت میں بھی ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ ستر کے احکام پر پردہ کے احکام کو قیاس کرنا جائز نہیں۔

پردہ اور محرم رشتہ دار:

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (النور:۳۰،۳۱)

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی

حفاظت کریں۔ یہی ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے۔ وہ جو کاروائیاں کرتے ہیں اللہ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی سجاوٹ کو کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ہی ظاہر ہو جائے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں، اور اپنی سجاوٹ کسی پر ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے شوہروں کے، یا اپنے باپ، یا اپنے شوہروں کے باپ کے، یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا ان کے سامنے جو اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں (یعنی لونڈیاں اور کم عمر غلام) یا ان خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی (جنسی) تقاضا نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے (اور ان کی حساسیت سے ذہنی طور پر) آشنا نہیں ہوئے، اور مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زینت چھپا رکھی ہے (مثلاً پازیب اور دیگر زیوارات) وہ معلوم ہو جائے۔ اور اے مومنو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔"

ان آیات میں مردوں اور عورتوں کو نظریں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ نظریں نیچی رکھنے کا حکم اس لیے نہیں دیا گیا کہ درختوں، پتوں، دیواروں اور گھر کے سامان کو بھی نہ دیکھیں بلکہ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ نظر کو بے جا استعمال نہ کیا جائے تاکہ شرمگاہ کی حفاظت خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

بایں وجہ نظریں نیچی رکھنے کے حکم کے ساتھ شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا، محارم یعنی ایسے رشتہ دار جن سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہو سکتا ہو وہ ایک دوسرے کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں لیکن وہ بھی شہوت کی نظر کے بغیر۔ آیت میں دوسرا حکم زینت، زیورات وغیرہ کو ظاہر نہ کرنے کا ہے، ظاہر ہے کہ اس حکم پر عمل بھی پردہ کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

اجنبی عورتوں سے ضرورت کی بات کرتے ہوئے پردے کا حکم:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا ○

(الاحزاب:۵۳)

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہوں، الا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے، وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں (گھر میں ہی) نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو (اس وقت نبی کے گھر) جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور (کھانا کھا چکنے کے بعد پیغمبر کے گھر ہی میں) باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے (یہ بات کہتے ہوئے) شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات میں کسی سے نہیں شرماتا اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کو بھی اور ان کے دلوں کو بھی زیادہ پاکیزہ رکھنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔''

مخصوص واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے اگرچہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہدایات ذکر ہے، لیکن یہ جملہ احکام، اہل اسلام کے لیے بھی ہیں۔ اس لیے آیت

میں مندرجہ ذیل احکام ہیں:

۱)۔ کسی کے گھر بلا اجازت داخل ہونا منع ہے۔

۲)۔ کھانے کے لیے جب بلایا جائے تو پہلے سے جا کر بیٹھنا درست نہیں جب کھانا تیار ہو جائے اور صاحب دعوت بلائے تو اس وقت جانا اور کھانا کھا کر فوراً واپس آ جانا چاہیے۔

۳)۔ ازواج مطہرات (اور دیگر نامحرم خواتین) سے بھی جب کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا ہو تو پردہ میں سوال کیا جائے جب ازواج مطہرات سے (جو امت کی مائیں بھی ہیں) سوال پردہ میں ہے تو عام عورتوں سے بطریق اولیٰ سوال پردہ میں ہی ہوگا۔

پردہ کے متعلق ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم:

۱:۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ لَا تَرَی أَعْیُنُہُمُ النَّارَ: عَیْنٌ حَرَسَتْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَعَیْنٌ غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللّٰہِ

(المعجم الکبیر:۱۰۰۳)

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی آنکھیں جہنم کی آگ نہیں دیکھیں گی:

۱)۔ وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں چوکیداری کی ہو۔

۲)۔ وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی ہو۔

۳)۔ وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کے دیکھنے سے رکی رہی ہو۔"

اس حدیث میں غیر محرم پر نظر ڈالنے سے بچنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے ایسی چیز کو قرآن مجید نے "غض بصر" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے جس کا مفصل تذکرہ گزشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے۔

سفر اور احرام کی حالت میں پردہ:

۲:۔۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ الرُّکْبَانُ یَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا إِلَى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ

(سنن ابوداؤد:۱۸۳۵)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ (سفر حج میں) ہمارے قریب سے حاجی لوگ گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھیں (چونکہ احرام کی وجہ سے چہرے ننگے ہوتے اور پردہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے) اس لیے جب حجاج کرام ہمارے سامنے سے گزرتے تو ہم بڑی چادر کو سر سے گرا کر چہرے کے سامنے لٹکا لیتیں اور جب حجاج آگے بڑھ جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتیں۔"

اس حدیث سے ازواج مطہرات اور صحابیات کے سفر حج میں چہرہ کے پردہ کا اہتمام بیان کیا گیا ہے، حالت احرام میں چہرہ پر کپڑا ڈالنا منع ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پردہ ترک کر دیا جائے۔ حدیث سے حالت احرام میں پردہ کا طریقہ معلوم ہو رہا ہے کہ چہرہ پر کپڑا اس طرح ڈالا جائے کہ کپڑا چہرہ کو مس نہ کرے اس طرح پردہ کا بھی اہتمام ہو جاتا ہے اور حالت احرام کی شرط بھی پوری ہو جاتی ہے!!!۔

مسلمان عورتوں کے لیے قابل عبرت بات ہے کہ ازواج مطہرات جن کو اللہ تعالیٰ نے طاہرات کے القاب سے ملقب فرمایا ہے ارشاد ہوا:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔"

"ان کے پردہ کا اتنا اہتمام تھا تو اس پرفتن دور میں آج کی خواتین اس حکم سے کیوں کر مستثنیٰ ہیں۔"

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نقاب:

۲:۔۔ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا أُمُّ خَلَّادٍ وَهِيَ مُنْتَقِبَةٌ

تَسْأَلُ عَنِ ابْنِهَا وَهُوَ مَقْتُوْلٌ. فَقَالَ لَهَا بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنِ ابْنِكِ وَأَنْتِ مُنْتَقِبَةٌ؟ فَقَالَتْ: إِنْ أُرْزَأَ ابْنِيْ فَلَنْ أُرْزَأَ حَيَائِيْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِبْنُكِ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدَيْنِ قَالَتْ: وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: لِأَنَّهُ قَتَلَهُ أَهْلُ الْكِتَابِ

(ابوداؤد:۲۴۹۰)

''حضرت قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک صحابی عورت جن کو ام خلاد کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی عرض سے حاضر ہوئیں ان کا بیٹا کسی غزوہ میں شہید ہو گیا تھا، جب وہ آئیں تو اپنے چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں ان کا یہ حال دیکھ کر کسی صحابی نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کا حال معلوم کرنے آئی ہو اور نقاب ڈالے ہوئے ہو؟ حضرت ام خلاد نے جواب دیا کہ اگر بیٹے کے بارے میں مصیبت زدہ ہو گئی ہوں تو کیا اپنی شرم وحیا کو کھو کر دوسری مصیبت اپنے سر لوں!!!۔ حضرت ام خلاد کے پوچھنے پر حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا ثواب ہوگا، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ ارشاد فرمایا اس لیے کہ اسے اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔''

تشریح:

اس حدیث سے بھی چہرہ کے پردہ کا وجوب اور صحابیاتؓ کا دائمی معمول معلوم ہو رہا ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے باپ کی جگہ ہیں لیکن اس صحابیہ نے آپ سے بھی پردہ کیا ہے اور تمام صحابیات کا یہی معمول تھا اور یہی آپ کی تعلیمات تھیں۔

قبرستان اور مزار پر جاتے ہوئے پردہ:

۲:... عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِيْ دُفِنَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِيْ فَأَضَعُ ثَوْبِيْ

وَاَقُوْلُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَ اللهِ مَا دَخَلْتُ إِلَّا اَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَاءً مِنْ عُمَرَ"

(مسند احمد: ۲۵۶۶۰)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد مدفون ہیں، پردہ کے کپڑے بغیر چلی جاتی تھی اور میں کہا کرتی کہ (گھر میں تو) میرے خاوند اور میرے والد ہی ہیں (لہٰذا ان سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت؟) لیکن جب حضرت عمر ان کے ساتھ مدفون ہوئے تو قسم بخدا عمر سے شرم کے باعث میں اچھی طرح کپڑے لپیٹ کر ہی اس کمرے میں داخل ہوتی۔"

یہ تھا امہات المومنین کے پردے کا اہتمام کہ جو لوگ دنیاوی زندگی گزار رہے تھے، ان سے تو پردہ کیا ہی کرتیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو برزخی حیات گزار رہے ہیں ان سے بھی پردہ کے اہتمام میں کوئی کمی نہ آنے دی۔

عورت بھی حتی الامکان مردوں کو نہ دیکھے:

۵:.. "عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُونَةَ قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أُمِرْنَا بِالْحِجَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمَى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَاوَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ

(سنن الترمذی: ۲۹۳)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں اور حضرت میمونہ ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ اچانک عبداللہ بن ام مکتوم (نابینا صحابی) سامنے سے آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان سے

پردہ کرو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو وہ نہیں دیکھ رہے۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو! کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو!!!۔"

حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو حتی الامکان نامحرم کے دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے، ابن ام مکتوم نابینا اور پاکباز صحابی تھے، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہ بھی پاکباز تھیں، بایں ہمہ آپ نے نابینا سے بھی پردہ کا حکم فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ عورتوں کا مردوں کو قصداً تانکنا، جھانکنا ناجائز ہے، ہاں البتہ راستہ چلتے ہوئے اچانک اور غیر اداری نظر پڑگئی تو اس میں مضائقہ نہیں، البتہ پھر نظر ہٹالینا ضروری ہے۔

عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ:

۲:..أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهَذِهِ الْآيَةِ بِقَوْلِ اللهِ (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ) إِلَى قَوْلِهِ (غَفُورٌ رَحِيمٌ) قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ

(صحیح بخاری: ۳۲۳)

"مؤمن عورتوں سے بیعت لیتے وقت (بیعت کی شرائط کا تذکرہ سورۃ ممتحنہ میں موجود ہے) جو عورت ان شرائط پر عمل کا اقرار کرلیتی تو آپؐ اسے زبانی فرما دیتے کہ میں نے تجھے بیعت کیا، قسم بخدا بیعت کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی بھی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ عورتوں کو صرف زبانی بیعت فرماتے تھے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت کرتے

ہوئے بھی کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ میں نہیں لیا، بلکہ ایک موقع پر چند عورتوں نے جمع ہو کر بیعت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ" (سنن نسائی: ۴۱۹۲) "یعنی میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"، دور حاضر کے جاہل پیر و مرشد اور تعویزات دینے والے عامل حضرات اپنے طرز عمل کا اس حدیث سے موازنہ کریں، کیا ان کا بلا پردہ نوجوان عورتوں کو سامنے بٹھانا، ان کے جسم پر ہاتھ پھیرنا جنات نکالنے کے بہانے انہیں تنہا کمرے میں لے جانا، حتی کہ بعض بد باطن پیروں کا عورتوں سے ٹانگیں دبوانا کہاں درست ہوسکتا ہے، یہ لوگ اپنی بھی عاقبت تباہ کر رہے ہیں اور مریدوں کو بھی جہنم کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ

دور حاضر کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے بھی یہ حدیث قابل غور ہے جو اپنی خواتین کو مخلوط مجالس و تقریبات میں بلا حجاب لے جا کر نامحرموں سے مصافحہ کراتے ہیں ایک مسلمان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی آئیڈیل نہیں ہونا چاہیے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو امت کے لیے باپ کی جگہ ہیں، جو عفت، حیا و شرم کے منبع اور شیطانی وساوس سے بالکل معصوم و مامون ہیں وہ کسی عورت کو مس تک نہیں فرماتے اور اپنی ازواج مطہرات کو نابینا سے پردہ کا حکم دیتے ہیں تو ہمیں کیا ہوا کہ ہم مغرب کی تقلید کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے شرم و حیا اور احکام الٰہی و احکام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کر کے غضب خداوندی کو دعوت دیتے ہیں!!!۔

بے پردگی پر لعنت:

۷:۔۔ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۹۵۰)

"حضرت حسن بصری کا بیان ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے مرد پر اور جس کی طرف

دیکھا جائے اس پر بھی۔"

اس حدیث میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر حرام نظر، مستحق لعنت ہے، ناظر بھی ملعون ہے اور منظور بھی ملعون ہے اس قاعدہ کی بہت ساری جزئیات ہیں، جن میں سے کچھ یہاں تحریر کی جاتی ہیں:

۱)۔ کوئی عورت ایسے مقام پر بلا حجاب چلی گئی جہاں اسے مرد دیکھ رہے ہیں تو حدیث کے مطابق دونوں مستحق لعنت ٹھہرے یعنی عورت بھی اور دیکھنے والے مرد بھی۔

۲)۔ کوئی عورت دروازے یا کھڑکی سے باہر جھانکتی ہے اور غیر مردوں کو دیکھتی ہے تو بد نظری کی وجہ سے اور مردوں کو دیکھنے کا موقع دینے کی وجہ سے مستحق لعنت ہے۔

۳)۔ کسی مرد نے ناف سے گھٹنے تک اپنے جسم کا کوئی حصہ بلا شرعی ضرورت کسی مرد کے سامنے ظاہر کر دیا تو دیکھنے اور دکھانے والے دونوں مستحق لعنت ہیں۔

۴)۔ کسی عورت نے بلا عذر شرعی اپنے ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کا کوئی حصہ کسی عورت کو دکھلایا تو ناظرہ اور منظورہ دونوں مستحق لعنت ہوئے۔

۵)۔ کسی عورت نے کسی بھی مرد کے سامنے (محرم ہو یا نامحرم) اپنا پیٹ یا پیٹھ وغیرہ بلا شرعی عذر کھول دی تو دونوں مستحق لعنت ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پردہ کے وجوب پر اہل علم کا اجماع ہے، قرون اولیٰ سے لے کر اب تک صلحاء اور دیندار پردہ کرتے کراتے چلے آتے ہیں، پردہ ہی عزت وعظمت کی حفاظت اور فتنے سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اگر کسی خاتون کو اپنے نفس پر ہر طرح سے اعتماد ہو تب بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل میں پردہ کرنا لازم ہے، دور حاضر کے بیشتر جنسی جرائم سے بچاؤ کا ذریعہ بھی پردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کی خواتین کو اس حکم شرعی پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ/نومبر 2021ء)

(رسالہ مطبوعہ:2000ء)

معاشرتی جرائم کی بہتات

ذمہ دار کون؟

ملک بھر میں لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، فساد، بدامنی، قتل وغارت گری، اغواء برائے تاوان وغیرہ جیسے سماج دشمن جرائم کی کمی نہیں، آئے روز ان جرائم کی شرح میں تشویش ناک حد تک اضافہ سننے کو ملتا ہے۔ اسلحہ کی بہتات، رشوت ستانی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی عدم توجہ اور بے اعتنائی، غیر ضروری پروٹوکول اور غیر ضروری پروگرامز کی نام نہاد سیکورٹی میں بے جا مشغولیت نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے، شہر چھوٹا ہو یا بڑا، گلی ہو یا محلہ، دیہات ہو یا قصبہ، غرض کوئی مقام ''مقامِ امن'' نہیں رہا۔ شریف، کمزور جبکہ بدمعاش، طاقتور نظر آتا ہے، مجرم، بارسوخ اور مدعی، بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔ انتظامیہ، عدلیہ، مقننہ بھی نے حالات سے نہ صرف صرفِ نظر کی ہوئی ہے بلکہ دانستہ یا نادانستہ مجرموں کی پشت پناہی کرتے نظر آتے ہیں۔ ملک کی اعلیٰ عدلیہ اور حکومت میں حالیہ تناؤ نے صورتِ حال کو مزید خطرناک بنا دیا ہے، دونوں طرف کی اس محاذ آرائی سے مجرمین اور سماج دشمن عناصر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حقیقت میں اس ساری صورتِ حال میں عوام گھن کی طرح پس رہے ہیں، غریب اور مظلوم فریاد کناں ہیں لیکن کوئی فریادرس نظر نہیں آتا، سائلین صبح سے شام تک تھانوں، کچہریوں، تحصیلوں، پٹوار خانوں اور دفاتر کے چکر کاٹتے بھوکے پیاسے...... ''صاحب'' کے انتظار میں فٹ پاتھوں اور گراسی پلاٹوں میں دن گزارنے کے بعد شام کو ناکام ونامراد واپس لوٹتے ہیں، کتنے لوگ ہیں جو موجودہ ناانصافیوں سے تنگ آ کر خودکشیوں اور خودسوزیوں جیسے مہلک دنیوی واُخروی جرائم میں مبتلا ہو کر زندگی سے ہاتھ دھو رہے ہیں اور نہ جانے کتنے بے

بس لوگ، حکومت، پولیس، افسران اور ججز کو بد دعا دیتے، آہ وفغاں کرتے روزِ حساب کے انتظار میں معاملہ سپرد خدا کر دیتے ہیں۔

یہ صورتِ حال آخر کب تک برقرار رہے گی؟ کیا عوام نے حصول وطن کے لیے جانوں، عزتوں، مال وجائیداد کی قربانی اس لیے دی تھی کہ ایک مخصوص طبقہ کو نواز کر عوام کا استحصال کیا جائے؟ چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال ہو؟ عوام فاقہ کناں ہو؟ مجبور و بے بس افراد نالہ وفریاد کرتے پھریں؟ حقوق غصب ہوں؟ لوٹ مار کا راج ہو؟ لوگوں سے زندگی بھر کی محنت ومزدوری، خون پسینہ سے حاصل ہونے والا سرمایہ راتوں رات لوٹ کر انہیں شاہ سے گدا بنا دیا جائے؟ غریب کی آبروریزی ہو؟ کسان چھ ماہ تک شب و روز اپنی زمین پر جان و مال صرف کر کے فصل تیار کرے اور پھر اس کی فصل کو آگ لگا دی جائے یا پھر لٹیرے، کسان کی گندم وکپاس کو راتوں رات ٹرک میں لوڈ کر کے نامعلوم مقام پر لے جائیں؟ اور اس کی کوئی سننے والا نہ ہو؟ سواریاں، موٹر کاریں، موٹر سائیکلیں دن دیہاڑے چھین لی جائیں اور کسی کے کان پر جوں تک بھی نہ رینگے؟

ملک عزیز کے لیے قربان ہو جانے والے شہداء کی روحیں جب اپنی نسلوں پر ہونے والے مظالم کی کہانیاں عالم بالا میں سنتی ہوں گی تو کیا تھر تھر نہ کانپتی ہوں گی؟ یوں تو یہ اسٹریٹ کرائمز آئے روز رونما ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن دو واقعات نے راقم کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ دل گرفتہ اور قلم جامد ہے، زبان، بیان سے عاری اور ذہن ان مظالم پر ماؤف ہو کر رہ گیا ہے۔

۱)۔ مؤرخہ 19 نومبر 2011ء کو شجاع آباد شہر کے علاقہ بیرون باب عمر فاروقؓ سے ایک خاندان کی دو معصوم کم سن بچیاں حمیرا اور رمشا اغوا ہوئیں، ان میں ایک یتیم اور دوسری سفید پوش خاندان کی دختر ہے، دو ماہ گزرنے کو ہیں ابھی تک ان معصوموں کا کوئی اتا پتا نہیں چل سکا۔

ہمارے ملک میں خفیہ سیکورٹی ایجنسیاں ماشاء اللہ فعال اور جدید ٹیکنالوجی اور اسلحہ

سے مسلح ہیں، وہ اگر ڈھونڈیں تو غاروں اور جنگلوں میں سے مجرم نکال کر لے آتی ہیں، اگر امریکا بہادر کا آرڈر ہو جائے تو تعمیل ارشاد میں ''طالبان'' اور ''القاعدہ'' کے سرکردہ لوگ اپنی تمام تر خفیہ تدابیر اور احتیاطوں کے باوجود ان سے نہیں بچ سکتے، نہ جانے یہ ایجنسیاں ان معصوموں کے لیے کیوں استعمال نہیں ہوتیں؟ پولیس کا نیٹ ورک حمیرا اور رمشا کو ڈھونڈنے میں کیوں نا کام ہے؟ وزیر اعظم پاکستان (سید یوسف رضا گیلانی) کے اپنے ضلع (ملتان) میں ہونے والی اس لرزہ خیز کاروائی سے وزیر اعظم کیوں بے خبر ہیں؟ وزیر اعلیٰ پنجاب، گورنر، آئی جی پنجاب اور چیف جسٹس پنجاب اس واردات اور اس جیسی سینکڑوں وارداتوں کے لیے کیوں دل گرفتہ نہیں؟ آخر ان بچیوں کے اغواء کا ذمہ دار کون ہے؟

بیٹی، بیٹی ہوتی ہے، بچیاں مشترک ہوا کرتی ہیں، حمیرا اور رمشا قوم کی بیٹیاں ہیں، پوری قوم کی آبرو ہیں، ان کی برآمدگی کے لیے پورا شہر مضطرب اور سراپا احتجاج ہے، اس واقعہ کے بعد شہر میں ٹارگٹ کلنگ اور ڈکیتیوں کی وارداتیں ایک بار پھر شروع ہو چکی ہیں، ہر طرف خوف و ہراس کی فضا قائم ہے۔ لوگ اپنے گھروں میں غیر محفوظ اور پریشان ہیں۔ اگر مجرم قانون کی گرفت میں آجاتے تو یقیناً جرائم کی حوصلہ شکنی ہوتی اور اس سلسلہ کو روک لگانے میں مدد ملتی، پولیس اور حکومت کی عدم گرفت سے مجرمین کی ہمیشہ حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور امن وامان کے معاملات خراب سے خراب تر ہو جاتے ہیں۔

۲)۔ مؤرخہ 31 دسمبر 2011ء کو راقم الحروف، جامعہ کے بعض امور اور والدہ محترمہ کے علاج کے سلسلہ میں بذریعہ موٹر کار کراچی روانہ ہوا۔ شام ۷:۳۰ پر کراچی جمشید روڈ پر واقع اپنی قیام گاہ کے دروازہ پر پہنچا ہی تھا کہ مخالف سمت سے ایک کار آن دھمکی، کار سے دو مسلح نوجوان برآمد ہوئے اور سیدھے ہمارے جامعہ کی گاڑی کے ڈرائیور کی جانب لپکے، بزور اسلحہ گاڑی کی چابی لی اور کار بمعہ کپڑے، کاغذات، لیپ ٹاپ اور ضروری سامان لے اڑے۔ فوری طور پر ون فائیو (15) پر پولیس کو

اطلاع دی گئی، تھانہ جا کر رپٹ درج کرائی گئی، اگلے روز تھانہ جمشید کوارٹر کراچی میں FIR درج کروائی لیکن سب بے سود، یوں آنا فانا ڈاکو گاڑی لے کر چلتے بنے، گاڑی کی برآمدگی کے سلسلہ میں ہمارے اور جامعہ کے بیسیوں بہی خواہوں نے اپنے اپنے ذرائع استعمال کیے، کراچی کی سیاسی مقتدر قوتوں کے علاوہ افسران اور بااثر لوگوں سے بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ رابطے ہوئے، لیکن تاحال کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ نہ جانے کراچی شہر حکومت کی عملداری سے کیوں باہر نکل چکا ہے، یہاں قانون نظر آتا ہے نہ ہی حکومتی رٹ، آئے روز بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہے، گاڑیاں، موبائل اور پرس چھیننے کے واقعات کا تو شمار ہی نہ رہا۔ شاید ہی کوئی روز ایسا ہو جس میں قتل وغارت گری کی واردات کراچی میں برپا نہ ہوتی ہو۔ سوال یہ ہے کہ کراچی جیسے اقتصادی شہر میں اتنی تعداد میں ہونے والے جرائم کس کی پشت پناہی پر ہو رہے ہیں؟ کیا یہ مجرم کراچی میں دندناتے نہیں پھرتے؟ قانون کی گرفت سے یہ سب لوگ بالا کیوں ہیں؟

گاڑی کی برآمدگی کے سلسلے میں ACLC کے SSP جناب جاوید ریاض سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کمپیوٹر میں محفوظ کار چوروں کی تصویریں دیکھ کر شناخت کرنے کا حکم دیا، جب کمپیوٹر آن کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سات ہزار کار چوروں کا ڈیٹا کمپیوٹر میں محفوظ ہے، سات ہزار افراد کی تصاویر دیکھ کر مجرم کی شناخت تو کیا کی جاتی، بندہ ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا کہ جس شہر میں سات ہزار لوگ کار چور ہوں، اس شہر کا کیا بنے گا؟ بندہ یہی سوال افسرِ مجاز سے کر بیٹھا، انہوں نے برجستہ جواب دیا یہ سات ہزار لوگ تو وہ ہیں جواب تک ٹریس ہو چکے اور جو لوگ ابھی تک ٹریس نہیں ہوئے، گینگ کے دوسرے لوگ اس تعداد کے علاوہ ہیں۔

قارئین آپ اندازہ لگائیں کہ پورے ملک میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً کس قدر لاقانونیت کا بازار گرم ہے کہ مجرم جب چاہیں اور جسے چاہیں جان یا مال یا دونوں سے محروم کر دیں۔ آج تک کراچی میں کتنے مجرموں کو سزائے موت ہوئی؟ کتنے مجرموں کو عمر قید یا قید

بامشقت کی سزا سنائی گئی؟ کتنے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا؟

ان حالات میں عدلیہ ان جرائم کی ذمہ دار پولیس اور پولیس عدلیہ کو ٹھہراتی ہے، عوام الناس ان حالات کا ذمہ دار حکومت وقت کو ٹھہراتے ہیں، یقیناً حکومت وقت ان حالات کی ذمہ دار ہے۔ ہمارے قارئین، جامعہ کے محبین ومعاونین حکومت وقت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جامعہ کی گاڑی LEB5452 ٹیوٹا کرولا XLI فوری برآمد کی جائے اور ذمہ داران کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

ادارہ (جامعہ فاروقیہ شجاع آباد) اس موقع پر تعاون کرنے والے، اظہار ہمدردی کرنے والے جملہ احباب کا شکر گزار ہے جنھوں نے ہمیں حوصلہ دیا اور گاڑی کی برآمدگی کے لیے مخلصانہ کوششیں کیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارے قارئین اس مقصد کے لیے اپنی کاوشیں جاری رکھیں گے۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/فروری 2012ء)

غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی شرعی حدود

اسلام ایک دین فطرت ہے، جس میں معاشرت کے تمام تقاضوں کی رعایت رکھنے کے ساتھ خوبصورت انسانی اصول بھی بتائے گئے ہیں۔ انسان دوستی، انسانی مواسات، تمام طبقات انسانی سے میل جول کے ساتھ اسلامی تشخص، دینی خودداری اور احکام شریعت کی حفاظت کا بھی بھرپور لحاظ کیا گیا ہے، تاکہ مسلمان ایک طرف تو معاشرہ سے کٹ کر انفرادیت و رہبانیت کا شکار ہونے سے محفوظ ہو، تو دوسری جانب اس کی دینی حدیں بھی قائم رہیں، وہ مخلوط معاشرت میں کفر و شرک کے آثار سے بھی محفوظ رہے، گویا وہ مسلمان بھی رہے اور انسان دوست بھی، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفادار بھی رہے اور انسانیت کا خدمت گار بھی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اللہ کا بھی محبوب ہوتا اور انسانوں کی نظر میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ایک کامل مسلمان کو مسلمان بھی پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں اور غیر مسلم بھی اس کی عزت و تکریم کرتے ہیں۔

قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اس بارے واضح اور دوٹوک ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ شریعت کی ان ہدایات کو نظر انداز کرنے کی صورت میں بعض مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ ان کی معیشت، معاشرت، رسم و رواج، افکار و خیالات، تہذیب و تمدن، وضع قطع، شکل و صورت اور لباس و خوراک کافروں سے ذرا مختلف نہیں، چنانچہ پاکستان، دبئی جیسے اسلامی ملکوں میں بھی یہ صورت حال سنگین بنتی چلی جارہی ہے، حال ہی میں احقر نے متحدہ عرب امارات کے چھ روزہ سفر میں اس سنگینی کو بچشم خود دیکھا اور دل بہت گرفتہ ہوا۔

یہاں یورپ، رشیا، امریکہ، اسٹریلیا وغیرہ کے سو کے قریب غیر مسلم لوگ آ کر بس گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی معاشرت، تہذیب وتمدن اور بود وباش میں اسلامی ملک میں رہنے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں آنے دی، لیکن ان کے اختلاط سے یہاں کے مقامی اور دیگر ممالک سے آئے ہوئے مسلمان یکسر بدلتے جارہے ہیں۔ یہ صورت حال اتنی تیزی سے پھیل رہی ہے، محسوس ہوتا ہے کہ کہیں خدانخواستہ مسلمان اپنا تشخص رفتہ رفتہ کھو ہی نہ بیٹھیں، بادی النظر میں ایک مسلمان اور غیر مسلم میں فرق محسوس کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ احقر نے یہاں اور پاکستان میں جو بدلتی صورت حال دیکھی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱)۔ عرب مسلمان اپنا روایتی اور قومی لباس چھوڑ کر مغربی نیم عریاں لباس اختیار کررہے ہیں، یہی صورت حال غیر عرب مسلمانوں کی بھی ہے۔

۲)۔ مسلمان خواتین (عرب وغیر عرب) ان غیر مسلم اقوام سے متاثر ہوکر شرمناک حد تک عریاں لباس زیب تن کرنے لگی ہیں۔

۳)۔ اکثر خواتین حجاب کو ترک کرتی جارہی ہیں۔

۴)۔ سڑکوں، پارکوں اور کھلے مقامات پر غیر مسلم آوارہ لوگوں کی دیکھا دیکھی کھلے عام جنسی تعلقات رواج پکڑ رہے ہیں۔ مرد وزن کا کھلے عام بوس وکنار، معانقہ اور بے ہودہ حرکات کا ارتکاب عام ہورہا ہے۔

۵)۔ شراب، زنا جیسی اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی معصیتوں میں بہت سے مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں۔

۶)۔ بعض ملکوں میں مسلم خواتین کے غیر مسلموں سے شادی بیاہ رچانے کے واقعات بھی عام ہیں۔

۷)۔ ہوٹلوں اور ریسٹورنٹس پر حرام کھانے حتیٰ کہ خنزیر کا گوشت بھی بر سر بازار کھایا جارہا ہے۔

۸)۔ بے حیائی کو فروغ دینے والے کلب بڑھتے جارہے ہیں۔

۹)۔ حلال وحرام کا اسلامی تصور نئی نسل کے ذہنوں سے مٹتا جارہا ہے۔

۱۰)۔ مسلمان اور غیر مسلمان کا دفتروں، فیکٹریوں اور دکانوں پر اختلاط اس قدر کثرت سے ہو رہا ہے کہ "خر در کانِ نمک، نمک شد" کا مصداق ہو کر رہ گیا ہے۔

۱۱)۔ قحبہ خانوں کی تعداد تشویشناک حد تک بڑھتی جا رہی ہے، جہاں عیاشیوں اور بے حیائیوں میں صحت اور دولت دونوں برباد کی جا رہی ہے۔

یہ تو صورتحال کا ایک پہلو ہے، اس صورتحال کا دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے، وہ یہ کہ بعض مسلم حلقوں میں غیر مسلمانوں کے خلاف اتنی شدت اور سختی پائی جاتی ہے کہ غیر مسلموں سے کسی بھی قسم کے تعلق کو روا نہیں گردانا جاتا۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ غیر مسلموں سے ہر طرح کے قطع تعلق سے ان تک اسلام کی دعوت بھی نہیں پہنچ پاتی۔ یہ طرز عمل اسلام کے خلاف نفرت کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ یہ دونوں پہلو الگ الگ انتہائیں اور اعتدال سے کوسوں دور ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات کی شرعی حدود واضح کی جائیں تاکہ واضح ہو سکے کہ غیر مسلموں سے کس طرح کا تعلق جائز ہے اور کس طرح ناجائز...... آیئے! یہ تفصیل قرآن کریم سے معلوم کرتے ہیں:

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ○ (آل عمران:۲۸)

"مومن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ الا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لیے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو، اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے۔"

سورۂ ممتحنہ میں اس سلسلہ میں یہ ہدایت دی گئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ

الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَاداً فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ○ (الممتحنة:١)

"اے ایمان والو! اگر تم میرے راستے میں جہاد کرنے کی خاطر اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (گھروں سے) نکلے ہو تو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ایسا دوست مت بناؤ کہ ان کو محبت کے پیغام بھیجنے لگو، حالانکہ تمہارے پاس جو حق آیا ہے، انہوں نے اس کو اتنا جھٹلایا ہے کہ رسول کو بھی اور تمہیں بھی صرف اس وجہ سے (مکہ سے) باہر نکالتے رہے ہیں کہ تم اپنے پرور دگار اللہ پر ایمان لائے ہو، تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کی بات کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم خفیہ طور پر کرتے ہو اور جو اعلانیہ کرتے ہو، میں اس سب کو پوری طرح جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو کوئی بھی ایسا کرے گا، وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔"

سورۂ مجادلہ میں اس مضمون کو یوں بیان کیا گیا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ○ (المجادلة:٢٢)

"جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، ان کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہوں، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے۔"

دوسری جانب سورۂ ممتحنہ میں کفار کے ساتھ ایک گونہ تعلقات رکھنے کی اجازت بھی دی گئی ہے:

لَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ

يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ○
(الممتحنة:۸)

''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ان کے ساتھ تم کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو''۔

ان جملہ آیات کے پیش نظر اہل علم نے کفار کے ساتھ تعلقات کی چند اقسام بیان کی ہیں:

۱)۔ موالات۔ ۲)۔ مواسات۔
۳)۔ مدارات۔ ۴)۔ معاملات۔

موالات:

کسی کے ساتھ قلبی یا دلی مودت ومحبت کا نام ہے، یہ تعلق مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، دو مسلمان ہی باہم ''موالات'' کا تعلق استوار کر سکتے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ ''موالات'' کا تعلق حرام ہے، مذکورہ بالا آیات میں سے ابتدائی تین مقامات میں غیر مسلموں سے اسی طرح کا تعلق قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

آج بدقسمتی سے حکمران ومحکوم سبھی اس حکم کو توڑتے نظر آتے ہیں، جس کے نتیجہ کے طور پر مسلم معاشرہ میں مذکورہ بالا نقائص اور خامیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

مواسات:

اس کا معنی ہمدردی اور خیر خواہی ہے، اس کو نفع رسانی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ تعلق ان غیر مسلموں سے قائم رکھا جا سکتا ہے جو اہل حرب نہ ہوں یعنی وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہ ہوں اور حالت جنگ میں نہ ہوں۔ جو کفار مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہے ہوں ایسے کفار کو ''حربی'' کہا جاتا ہے، ان کے ساتھ اس طرح کا تعلق جائز نہیں، حربی کفار کے احکام الگ ہیں۔

مدارات:

ظاہری خوش اخلاقی اور رکھ رکھاؤ کو کہتے ہیں۔''مدارات'' کا تعلق ہر طرح کے کافر سے تبلیغ کی نیت سے جائز ہے، نیز مہمان نوازی کے طور پر اور غیر مسلموں کے شر سے بچنے کے لیے بھی جائز ہے۔ سورت آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں ''إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً'' میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

معاملات:

تجارت، ملازمت، مزدوری اور بیع وشرا کا نام ہے، معاملات تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہیں، البتہ اگر غیر مسلموں کے ساتھ معاملات سے عام مسلمانوں کو ضرر اور نقصان پہنچ رہا ہو تو اس صورت میں غیر مسلموں کے ساتھ معاملات ناجائز ہو جاتے ہیں، مثلاً غیر مسلموں کو اسلحہ کی خرید وفروخت وغیرہ۔

اللہ رب العزت ہمیں دونوں طرف سے انتہاء پسندی سے بچاتے ہوئے ''اُمتِ وسط'' کا مصداق بنائے، دینِ حنیف کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کا سچا خیر خواہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' شوال المکرم ۱۴۳۲ھ/ ستمبر 2011ء)

گھریلو تشدد کا مجوزہ بل

انجام کیا ہوگا؟

امریکا، یورپ اور مغربی اقوام ایک عرصہ سے دنیا پر اپنا معاشی، سیاسی، مذہبی اور ثقافتی تسلط اور غلبہ جمانے کے لیے کوشاں ہیں، اس مقصد کے لیے ایک جانب تو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دنیا بھر میں نام نہاد دہشت گردی (Anti Terrorism) کے خلاف اقوام کو جنگ میں جھونکا ہوا ہے تو دوسری طرف یوں لگتا ہے گویا کہ انہوں نے دنیا بھر کی کمزور قوموں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے، جب چاہا جہاں چاہا اپنا حکم (Order) مسلط کر دیا، جو قوم نام نہاد آقا کے حکم سے سرتابی کرے اس پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کر کے طرح طرح کی پابندیاں لگادی جاتی ہیں۔ خصوصاً مسلم اقوام ان مغربی اقوام کی پالیسیوں سے سخت نالاں ہیں، وہ کسی طور پر اسلامی طور طریق چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں، اس لیے ان مغربی اقوام نے دنیا بھر میں اہل اسلام کے خلاف غیر اعلانیہ جنگ شروع کر رکھی ہے۔

مسلمانوں میں مذہبی حمیت، دینی غیرت اور اسلامی تشخص مٹانے کے لیے بڑے ہی منظم انداز سے مغربی کلچر کو فروغ دیا گیا، جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ تباہی کے دہانے تک پہنچ چکا ہے، خاندانی نظام تباہ و برباد ہو رہے ہیں، اسلامی تہذیب سے متصادم حیا باختہ اطوار سامنے آرہے ہیں، اس مقصد کے لیے جدید ٹیکنالوجی، الیکٹرانک میڈیا، انٹرنیٹ، زرخرید این جی اوز اور بااختیار طبقے کو خوب خوب استعمال کیا گیا، جس کے نتیجہ میں درج ذیل مفاسد معاشرہ میں رواج پا گئے۔

۱)۔ معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہے، زنا اور بے حیائی کو منظم انداز میں فروغ دیا جا رہا ہے،

سابق فوجی آمر پرویز مشرف کے اقدامات نے اس بے راہ روی کو قانونی حیثیت دے دی ہے۔

۲)۔ معاشرہ میں مرد وعورت کی مخلوط معاشرت کو فروغ دے کر بدکاری و بے حیائی کو آسان کر دیا گیا ہے، تعلیمی اداروں اور سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک ہی مقام پر دفتر میں ملازمتیں اور تعلیم دی جارہی ہے۔

۳)۔ فطری طور پر جو کام خواتین نہیں کر سکتیں، خواتین کو اُن شعبوں میں بھی ملازمتیں دی جارہی ہیں، مثلاً ٹریفک پولیس وغیرہ۔

۴)۔ ناتجربہ کار بچیوں کا شادی سے قبل آشناؤں کے ساتھ جانے اور پھر والدین کے مشورہ کے بغیر غیر اخلاقی طریقہ سے "لو اور کورٹ میرج کی شرح بڑھتی جارہی ہے، ملک میں نافذ بعض غیر شرعی قوانین کی وجہ سے بھی اس طرح کی بدعملی فروغ پارہی ہے، نتیجتاً خاندان بے بس اور لڑکیاں شہوانی غلبہ میں اپنا مستقبل برباد کر رہی ہیں، انکے آشنا محبت کا بھوت اتر جانے کے بعد انہیں استعمال کر کے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیتے ہیں جس سے انکا مستقبل تاریک تر ہو کر رہ جاتا ہے۔

۵)۔ اسلامی آداب کے تحت والدین، شوہر، بہن، بھائی اور خاندان کے ساتھ قائم محبت و اعتماد کا رشتہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جارہا ہے۔

۶)۔ اسلام کے حکم حجاب کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔

۷)۔ اسلامی لباس اور اسلامی وضع قطع کا خون کر کے رکھ دیا گیا ہے۔

۸)۔ ملک میں بعض دیگر ممالک کی طرح ہم جنس پرستی کے قانونی جواز کے مطالبات سامنے آرہے ہیں۔

۹)۔ ملک میں ہر سطح پر عوامی نمائندگی کے جملہ اداروں مثلاً یونین کونسل، صوبائی اسمبلیاں اور قومی اسمبلیوں میں خواتین کا بلا انتخاب کوٹہ ایسا انفرادی قانون ہے جو دنیا کی بڑی جمہوری حکومتوں میں بھی رائج نہیں ہے۔ غیر منتخب خواتین کو منتخب ادارے کا حصہ بنانا خالصتاً غیر شرعی تو ہے ہی غیر جمہوری بھی ہے، یہ مغربی کلچر کو فروغ دینے کیلئے

مغرب سے بھی ایک قدم آگے کا اقدام ہے، گویا ہم شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار کا مصداق بن کر رہ گئے ہیں۔

۱۰)۔ بعض پرائیویٹ سکولز کا نظام تعلیم ونصاب اس حد تک حیا باختہ بن کر رہ گیا ہے کہ عقل وخرد ایسے داروں کی انتظامیہ کے ایمان وضمیر پر ماتم کناں ہیں، موسیقی، ڈانس اور جنسی تعلیم، نصاب کا حصہ جبکہ قرآن کریم، دینیات اور مطالعہ پاکستان عملاً نصاب سے خارج کردیے گئے ہیں۔ ان تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل طلباء وطالبات ذہنی طور پر پاکستانی ہوتے ہیں اور نہ ہی اسلامی، بلکہ وہ یورپین طرز زندگی کے داعی اور ترجمان نظر آتے ہیں۔

۱۱)۔ نصاب تعلیم میں اسلامیات اور پاکستانیت پہلے بھی برائے نام تھی، اب ظلم بالائے ظلم یہ ہوا کہ اس مختصری اسلامیات سے قرآن کریم کی چند سورتوں کی برائے نام تعلیم بھی ختم کردینے کی خبریں آرہی ہیں۔

۱۲)۔ شراب نوشی معاشرہ میں رچ بس گئی ہے، ایک فاضل دوست کے تجزیہ کے مطابق ۵۰ فیصد عوام باقاعدہ شراب نوشی کرتے ہیں، جبکہ اکثر افسران، پولیس ملازمین، سیاسی و سماجی حیثیت رکھنے والے بیشتر حضرات کے لیے شراب زندگی کا حصہ بن گئی ہے، پولیس اور انتظامیہ بھی عموماً اس ''ام الخبائث'' جرم کو نظر انداز کردیتی ہے۔

۱۳)۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں گیسٹ ہاؤس اور ہوٹل قحبہ خانوں میں بدل چکے ہیں، ایجنسیوں اور سول انتظامیہ کی معنی خیز خاموشی اس فعل بد کی عملاً کھلی اجازت تصور کی جاتی ہے۔

۱۴)۔ مغربی تہذیب میں خودغرضی، حب دنیا، لالچ، سودخوری، قماربازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، سودی قرضوں کی ادائیگی کے لیے مغربی نظام میں بیوی بچے فروخت کردینا اور اپنے جسم کا گوشت تک بیچ دینے تک کی گنجائش ہے، جبکہ اسلامی معاشرہ کی تشکیل مساوات، تعاون علی البراور امداد باہمی پر ہے، غریب کی ضرورت کو پورا کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا مسلمان معاشرے کا شعار ہے، مغربی تہذیب کی نحوست سے خودغرضی، نفسانیت اور لالچ وطمع عام اور باہمی تعاون وامداد، مساوات وغم خواری اب مسلم

معاشرے میں بھی عنقا ہوتی جارہی ہے۔

۱۵)۔ مغربی کلچر مذہب وخدا سے بیزاری کا درس دیتا ہے، چنانچہ مسلم معاشرے کے نسل نو بھی اب عقائد، اعمال سے یکسر بیزار ہوتی چلی جارہی ہے، دین کی بنیادی معلومات تک بھی ان کی رسائی نہیں۔

ابھی تک تو صرف مذکورہ بالا مفاسد کا رونا رویا جارہا تھا اور ہر دردمند پاکستانی اور غیور مسلمان ان حالات پر دل گرفتہ تھا، اب نئی خبر یہ آئی ہے کہ گھریلو تشدد کا ایک بل پاس کیا جارہا ہے، اس بل کو منظور کرانے کے لیے این جی اوز کی مغرب پرست خواتین اتنی بے تاب ہیں کہ مشاورتی اجلاس پر دھاوا بول کر قائد جمعیت، مولانا فضل الرحمن سے جا الجھیں۔ روزنامہ اسلام مورخہ ۷ اپریل ۲۰۱۲ء کی خبر ملاحظہ ہو:

"ارکان پارلیمان کے اجلاس پر این جی اوز کی خواتین کا دھاوا، آزادی کے نام پر آوارگی قبول نہیں، مولانا فضل الرحمن کا احتجاج، واک آؤٹ...... گھریلو تشدد کے خلاف بل پر ارکان پارلیمنٹ کا مشاورتی اجلاس این جی اوز کی خواتین کی دخل اندازی کی وجہ سے سبوتاژ ہوگیا، مولانا فضل الرحمن واک آؤٹ کرگئے، این جی اوز سے وابستہ خواتین کا پارلیمنٹ ہاؤس کے باہر مولانا فضل الرحمن کے خلاف جبکہ برقع پوش خواتین کا حق میں مظاہرہ، عورت کی آزادی کے قائل ہیں لیکن آزادی اور آوارگی میں فرق ہوتا ہے...... صحافیوں سے بات کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ یہ وہی بل ہے جو بھارت میں ۲۰۰۵ء میں منظور کیا گیا تھا۔ بل کے الفاظ تک تبدیل نہیں کیے گئے، اگر یہ بل منظور ہوا تو پاکستان میں گھریلو زندگی باقی نہیں رہے گی۔ اس بل کے مطابق جوان لڑکیوں اور لڑکوں کو گھر دیر سے آنے یا گھر سے رات کو دیر سے باہر جانے پر والد کو روکنے کی اجازت نہیں ہوگی اور ایسا کرنے پر ان کے خلاف مقدمہ درج کیا جا سکے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بل مشرقی اور اسلامی زندگی کے خلاف ہے اور پاکستانی معاشرے کی اقدار مغرب یا بھارت سے مختلف ہیں۔............

قارئین! این جی اوز کی حیا باختہ ان خواتین کی دریدہ دہنی کا اندازہ لگائیں کہ وہ کس طرح حکومتی ایوانوں پر اثر انداز ہیں اور انہیں عالمی طاقتوں کی کس طرح پشت پناہی حاصل ہے کہ وہ منتخب عوامی اداراں پر اپنے فیصلے بزور بازو ٹھونپنا چاہتی ہیں، اللہ جزائے خیر دے حضرت مولانا فضل الرحمن اور کمیٹی میں ان کے ہم خیال ممبران کو جنہوں نے ابھی تک اس بل کو منظور نہ ہونے دیا۔

گھریلو تشدد روکنے کا یہ نام نہاد بل بھارت میں منظور کیا جا چکا ہے اور اس بل کو من و عن، پاکستان جیسے اسلامی ملک میں نافذ کرنا نہایت ہی قابل مذمت ہے، ہم اس بل کی پرزور مذمت کرتے ہیں کیونکہ اس بل کے نفاذ کے بعد پاکستان میں گھریلو نظام تباہ ہو کر رہ جائے گا، ہر گھر خانہ جنگی کا مظہر ہوگا، اولاد اپنے ماں باپ سے بیزار ہوگی، ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت سے عاجز ہوں گے، وہ اگر اپنی اولاد کو شریعت اسلامیہ کے مطابق نماز اور احکام دین پر عمل کرانا چاہیں گے تو انہیں جیل جانا پڑے گا، والدین کی اولاد پر اتنی گرفت بھی نہ رہے گی کہ وہ اپنی ولاد کو حق سچ کہہ سکیں، گویا کہ ماں باپ ملازم و نوکر جبکہ اولاد آقا و سردار بن کر رہ جائے گی، اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو تادیب و تنبیہ کرے گا تو پاکستان کے قانون کے مطابق وہ مجرم ٹھہرے گا۔ گویا کہ پورا معاشرہ اور گھریلو نظام تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

ہر چند کہ اسلام خواتین پر تشدد اور اولاد پر ظلم ڈھانے کا سخت مخالف ہے، قرآن و سنت نے تو چہرے پر تھپڑ مارنے سے بھی منع فرمایا ہے، چہ جائے کہ عورتوں کے چہروں پر تیزاب انڈیلنے کو روا سمجھا جائے، تاہم اسلام نے عورتوں اور بچوں کی تربیت، تنبیہ اور تادیب کا بھی حکم دیا ہے، اسلامی احکام کے مقابلہ میں ہمیں کسی مغربی ڈکٹیشن یا مغربی قانون کی قطعاً ضرورت نہیں، حکومت کا فرض ہے کہ اس تباہ کن، خطرناک بل کو روکے ورنہ دین دشمن اقدامات سے ایک طرف معاشرہ میں بے راہ روی میں اضافہ ہوگا تو دوسری جانب ملک میں جاری تشدد پرستی اور بغاوت میں بھی اضافہ ہو گا۔ حکومتوں کے غیر اسلامی اقدامات کی وجہ سے پہلے ہی ملک میں یورش بپا ہے، جسے سنجیدہ علماء کرام فرو کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں، اس اقدام سے تشدد میں مزید اضافہ کا خدشہ ہے۔

(تاریخ اشاعت ”ماہنامہ صدائے فاروقیہ“ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ/مئی 2012ء)

علمائے دیوبند

فرقہ یا ملت؟

رحمت عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد مبارک اول وآخر تمام زبانوں سے بہترین عہد مبارک اور افضل دور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک ہی کی طرح حضرات خلفائے راشدین کا دور بھی سنہری دور ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خلافت علی منہاج النبوۃ تھی اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاکم وکاست قائم ودائم تھی۔ دین انفرادی واجتماعی طور پر زندہ وتابندہ اور مضبوط ومحفوظ تھا۔ اس عہد مبارک میں اسلام کا جغرافیہ بھی نصف دنیا سے تجاوز کر گیا۔ فاران کی چوٹیوں سے پھوٹنے والا نور چہار دانگ عالم چمکنے لگا۔ خلافت راشدہ کے عہد مبارک سے متصل صحابہ کرامؓ کا زمانہ بھی مثالی، بابرکت اور فتنے سے محفوظ تھا۔ یہ دور خلافت راشدہ کا تتمہ اور اسی کا نچوڑ تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارک میں بطور پیشین گوئی واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ

(صحیح بخاری: ۳۶۵۱)

"لوگوں میں بہترین میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے مشعل راہ ہیں، پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم سے اور قسم، گواہی سے سبقت کرتی ہوگی (یعنی شہادت وقسم دینے میں دیر نہ کریں گے)"

خیر القرون کے اس عہد میں مسلکی وحدت بھی قائم رہی ہر چند کہ خلفائے راشدین

کے آخر عہد میں مسلمانوں میں سیاسی اختلافات شروع ہو گئے تھے۔ تاہم ایمان، اسلام اور دینی اصول میں سبھی ہم فکر، ہم خیال اور ہم نظریہ تھے۔ جونہی خیر القرون کا زمانہ ختم ہوا عملی کمزوریاں بھی نمودار ہونے لگیں اور اعتقادی سقم بھی بیدار ہونے لگا۔ اگرچہ خیر و حق والوں کا غلبہ رہا۔ باطل شرزمہ قلیلہ کی شکل میں رہا، لیکن جوں جوں خیر القرون کے عہد مبارک سے فاصلہ بڑھتا گیا فتنوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اہل حق کے شجرہ طوبیٰ سے شاخیں کٹ کٹ کر الگ ہوتی چلی گئیں اور ان شاخوں اور پودوں نے الگ سے اپنا تشخص قائم کر کے نت نئے رنگ دکھائے یعنی نئے نئے نظریات و افکار کی ترویج کی، سنت کی بجائے بدعت کو اختیار کیا اور اس قدر شد و مد کے ساتھ اختیار کیا کہ حق یعنی شجرہ طوبیٰ پر چڑھائی شروع کر دی اور اس کے استیصال کے لیے نت نئے جتن کیے۔ لیکن حق تعالیٰ نے روز اول سے تاہنوز اس شجرہ مبارکہ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ بہار و خزاں میں بھی یہ "أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ" کا نمونہ پیش کرتے ہوئے سدا بہار ہے اور تا قیامت ان شاء اللہ ایسے ہی رہے گا۔ البتہ اس درخت سے کٹ کٹ کر جدا ہونے والی شاخیں خشک ہو کر ختم ہوتی گئیں اور ہر زمانے میں نئی نئی شاخیں وجود میں آتی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کا فتنہ اور بدعات جدا جدا رہے، جبکہ سنت روز اول سے اب تک ایک جیسی ہی ہے۔

مذکورہ بالا تحریر سے قارئین یہ بھی اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ خیر القرون کے بعد سے قیامت تک ہر زمانے میں مختلف نظریات و افکار، اعمال و افعال کی حامل جماعتیں رہیں گی۔ سبھی کلمہ گو ہوں گی اور سبھی اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والی ہوں گی۔ لیکن ان میں اہل حق وہی ہوں گے جو روز اول کے اسلام پر قائم ہوں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مطہرہ کو تھامے ہوئے، حضرات صحابہ کرام اور اسلاف امت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، نت نئے نظریات و افکار سے مجتنب ہوں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں اس حقیقت کو بھی منکشف فرمایا ہے:

وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً

قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

(مشکوۃ:۱/۳۱)

''بنو اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت بھی ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ یہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس میں میں اور میرے صحابہ ہوں گے۔''

مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوا کہ اسلام کے اس مبارک درخت سے بہت سی شاخیں کٹتی جائیں گی، لیکن اصل اسلام ہی باعث نجات ہوگا۔ جس کی علامت دوٹوک ہوگی کہ اس اسلام کے حامل لوگ ما انا علیہ یعنی سنت رسول اور ''واصحابی'' یعنی صحابہ کرام کو معیار حق جاننے والے اور ان کی اتباع کرنے والے ہوں گے۔ دوسری حدیث میں اس ملت ناجیہ کو ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کہا گیا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ بحمد اللہ ہر زمانے میں، ہر علاقے میں، روز اول سے اب تک موجود اور باقی ہیں۔ حق پر عامل ہیں اور باطل کے خلاف پوری قوت کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔ ان کا الگ کوئی نظریہ نہیں یہ سو فیصد انہی نظریات کے حامی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متوارث ومنقول ہیں۔ حضرات صحابہ ان پر قائم رہے وہ راہ صحابہ پر گامزن ہیں۔ ان کے مزاج، افکار، نظریات اور اعمال میں اعتدال کا پہلو غالب ہے۔ وہ افراط وتفریط سے محفوظ ہیں۔ وہ نہ تو روحانیت سے کورے ہیں نہ توحید سے بیزار۔ وہ نہ صرف قانون کی پاسداری کرتے ہیں بلکہ آئین وقانون قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھامے ہوتے ہیں۔ بلکہ ان اسلاف اور رجال کار پر بھی اعتماد کرتے ہیں، جن کے واسطے سے ہم تک دین پہنچا ہے، وہ ان وسائط پر اعتماد کرتے اور انہیں قابل احترام گردانتے ہیں۔ خواہ وہ وسائط حضرات صحابہ کرام کی شکل میں ہوں یا پھر تابعین، آئمہ مجتہدین، مفسرین، محدثین، فقہاء اور مشائخ کی شکل میں ہوں۔ البتہ وہ اپنی عقیدت میں غلو کرتے ہوئے ان اسلاف اور وسائط کو معبود، حلال وحرام کا اختیار رکھنے والا اور خدائی صفات کا حامل بھی قرار نہیں دیتے، بلکہ ان مبارک شخصیات کے احترام کے ساتھ ساتھ وہ قرآن وسنت پر بھی عامل

رہتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ، صحابہ کرام واہل بیت میں نفس صحابیت میں تفریق نہیں کرتے بلکہ سبھی کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں۔ وہ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی گرویدہ ہیں۔ وہ خدام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بیزار نہیں۔ وہ تبرکات کے بھی قائل ہیں۔ بزرگوں کے آثار کو باعث رحمت وبرکت جانتے ہیں۔ لیکن ان کے آثار وتبرکات کو مشکل کشا وحاجت روا نہیں سمجھتے، بلکہ نفع ونقصان کا مالک حق تعالیٰ کو جانتے ہوئے وحی کو عقل سے مافوق سمجھتے ہیں۔ اس لیے عقل کا سہارا لے کر وحی یعنی قرآن وسنت یا قرآن وسنت سے ثابت شدہ کسی امر کا انکار نہیں کرتے۔ وہ تصوف وطریقت اور سلاسل کے بھی قائل ہیں، لیکن شریعت کے باغی نہیں بلکہ شریعت وطریقت میں تلازم کے قائل ہیں۔ طریقت کو شریعت پر عمل پیرا ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ گویا جیسے تمام مذاہب میں اسلام معتدل مذہب ہے ایسے ہی تمام مسالک میں اہل السنۃ والجماعۃ بھی معتدل مسلک ہے۔

رہا سوال کہ علمائے دیوبند کون ہیں؟ تو اس کا دوٹوک جواب یہ ہے کہ علمائے دیوبند بعینہ اہل السنۃ والجماعۃ ہی ہیں۔ نہ الگ فرقہ ہیں اور نہ ہی الگ نظریہ بلکہ مکمل طور پر انہی نظریات، افکار، عقائد اور خیالات کے حامل ہیں جو چودہ سو سال سے امت کے سلف وخلف کے رہے اور اسی طرز عمل کو اختیار کرنے والے ہیں جو سنت اور جماعت صحابہ کا طرز تھا۔ اللہ کی توحید پہ قائم، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے دعوے دار، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم واکرام کو ایمان کامل اور ادنیٰ سی توہین وگستاخی کو کفر جانتے ہیں۔ آپ علیہ السلام کو افضل کائنات، افضل المخلوقات، معصوم اور گناہوں سے مبرا جانتے ہیں۔ لیکن دائرہ انسانیت وبشریت سے بھی نہیں نکالتے بلکہ افضل البشر مانتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عادل، معیار حق اور دین کی اساس سمجھتے ہیں۔ جبکہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی عظمت، طہارت اور فضائل بھی پوری طرح تسلیم کرتے ہیں۔ وہ قرآن وسنت کو دین کی اصل جانتے ہیں اور قرآن وسنت پر عامل شخصیات پر بھی اعتماد کرتے ہیں۔

یہ دین کی اساس قرآن وسنت، اجماع امت اور قیاس شرعی کو قرار دیتے ہیں۔ امت

کے لیے دوراہیں متعین کرتے ہیں: (۱) مجتہد (۲) مقلد۔ جس میں ملکہ اجتہاد ہو وہ اجتہاد کرسکتا ہے ورنہ کسی ایک مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کر کے دین پر چلتا رہے۔ پہلے شخص کو مجتہد اور دوسرے کو اصطلاح میں مقلد کہا جاتا ہے۔

علمائے دیوبند برصغیر میں اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مجدد الف ثانیؒ، امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ کے علمی، عملی، سیاسی اور مذہبی جانشینوں کی جماعت کا نام ہے۔ جنہوں نے تبلیغ و جہاد کے ذریعے کفر واستبداد، ہندومت، عیسائیت، قادیانیت اور الحاد کا نہ صرف راستہ روکا بلکہ کفر کی راہ میں کوہ گراں بن کر کھڑے ہو گئے۔

علمائے دیوبند مذہبا حنفی اور مشربا چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی ہیں۔ وہ حنفی ہوتے ہوئے جملہ آئمہ و مجتہدین کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مجتہدین کے اس اختلاف کو امت کے لیے باعث رحمت اور معاملہ کی وسعت سمجھتے ہیں۔ وہ عالم اسلام میں مروج آئمہ مجتہدین کے فقہی مذاہب کو برحق اور ان کے مقلدین کو اہل السنۃ والجماعۃ سمجھتے ہیں۔ وہ اس باہمی اختلاف کو کفر واسلام یا سنت و بدعت نہیں بلکہ افضلیت واولویت کا اختلاف سمجھتے ہیں۔ وہ ان سب ائمہ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کو درست سمجھتے ہیں جو غیر حنفی لیکن سنی ہوں مثلاً شافعی، مالکی یا حنبلی ائمہ کی اقتدا میں نماز ادا کرنا بالکل درست جانتے ہیں۔ یہ ملت ناجیہ، سلاسل اربعہ کو طریق تزکیہ واصلاح سمجھتے ہیں، ان جملہ سلاسل کو وسیلہ و آلہ جانتے ہیں، نیز مقصد و مطمع نظر تزکیہ نفوس اور اخلاق سیئہ ورذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حسنہ وفاضلہ سے تحلیہ...... جو منشاء قرآنی ہے...... کو قرار دیتے ہیں۔ تاہم ان سلاسل میں جڑنے کو نماز، روزے کی طرح فرض بھی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو تزکیہ ان سلاسل کے بغیر کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو جائے مثلاً حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صحبت رسول کی وجہ سے وہ مقامات عالیہ نصیب ہوئے جو بعد کے حضرات کو برس ہا برس کے مجاہدات سے بھی نصیب نہ ہوئے۔ تو ایسے شخص کے لیے ان سلاسل کا اختیار کرنا کوئی ضروری نہیں۔ کیونکہ روز محشر اصلاح نفس کے بارے میں سوال ہوگا سلاسل سے منسلک ہونے سے متعلق نہیں۔ اس لیے وہ صاحب نسبت اور سلاسل اربعہ میں کمال فیض یافتہ اور فیض دہندہ ہونے کے باوجود رسمی تصوف کے قائل نہیں۔ ایسے تصوف جس میں محض پیری مریدی ہو اور

اصلاح کا نام ونشان تک نہ ہو یا پھر تصوف کے نام پر خرافات، بدعات، رسومات کی ترویج ہو اور طریقت کو مقابلہ شریعت لاکر شریعت سے بغاوت کرلی جائے، علمائے دیوبند اس طرز کو ضلالت و گمراہی سمجھتے ہیں۔

علمائے دیوبند معجزات انبیاء علیہم السلام اور کرامات اولیاء کو برحق جانتے ہیں۔ وہ کشف والہام کے بھی قائل ہیں۔ وہ اس بات کو حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہیں کشف و الہام کی دولت عطا فرمادیں یا خرق عادت کا اس کے ہاتھ پر ظہور فرمائیں، لیکن وہ اتباع سنت کو خرق عادت و کرامات سے اعلیٰ جانتے ہیں۔ وہ ولایت کو اتباع شریعت و اتباع سنت کا لازمی نتیجہ سمجھتے ہیں۔ انکار شریعت یا ترک شریعت کو ولایت نہیں بلکہ معصیت قرار دیتے ہیں۔ وہ کشف والہام کو شریعت کے تابع قرار دیتے ہیں۔ وہ ہر اس کشف والہام کو مسترد کرتے ہیں جو قرآن وسنت کے احکام کے برعکس ہو۔ وہ مزارات اولیاء پر حاضری کو مستحب جانتے اور حصول فیض کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن ان قبور میں مدفون موتی سے دعا و پکار یا استمداد کو حرام وشرک جانتے ہیں۔ علمائے دیوبند حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنی قبور مطہرہ میں حیات مانتے ہیں۔ لیکن دنیا میں ہماری اس کھلی حیات کی طرح نہیں بلکہ دنیاوالے جسد میں بتعلق روح برزخی حیات مانتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام قبور مطہرہ پر حاضر ہونے والوں کے سلام کو سنتے ہیں لیکن دنیوی شخص کی طرح چلنے پھرنے اور کھانے پینے جیسے امور سرانجام نہیں دیتے۔

جب سے برصغیر میں انگریز نے تسلط حاصل کیا تو اس نے یہاں نہ صرف اپنی سیاست، ثقافت اور تمدن کی ترویج کی کوشش کی بلکہ اس نے یہاں کی اقوام کو اپنا غلام جانتے ہوئے ان پر اپنا مذہب تھوپنے کی بھی مذموم سعی کی۔ انگریز کی اس کاوش کے مقابلے میں بانیان دیوبند سد سکندری بن گئے۔ تحفظ اسلام اور بقائے دین کی خاطر ضلع سہارن پور کے قصبہ دیوبند میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ادارہ نے برصغیر میں کیا خدمات سرانجام دیں، یہ تاریخ کا ایک باب نہیں بلکہ کئی سنہری اور ہمہ جہت ابواب کا مجموعہ ہے۔

انگریز اور علمائے دیوبند میں از ابتدا تا ہنوز، گرم وسرد جنگ کا بازار گرم ہے۔

علمائے دیو بند نے کبھی ظلم واستبداد سے مرکب اس استعمار کی غلامی کو قبول نہیں کیا بلکہ اس کی غلامی پر شہادت کی موت کو ترجیح دی ہے۔اس وقت بھی دنیا بھر میں استعمار کی ان قوتوں کے خلاف اسی دینی طبقہ کے لوگ نبرد آزما ہیں۔اس لیے انگریز نے اپنے پروردہ علمائے سوء اور جعلی مشائخ سے اہل السنۃ والجماعۃ کے اس حقیقی نمائندہ طبقے کے خلاف زور وزر کے سہارے زبان طعن دراز کرائی اور یہ سلسلہ انگریز کے عہد نجس سے اب تک جاری وساری ہے۔ انگریزی استعمار کے نمک خوار اس طبقہ نے ان خدا ترس، درویش منش علما پر کفر وگستاخی کے فتوے جھاڑے اور امت کو ان پاک طینت صالحین سے بدظن کرنے کی کوشش کی اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے۔لیکن حق ہمیشہ ظاہر وغالب ہوا کرتا ہے۔ ہر طبقہ میں سنجیدہ وانصاف پسند لوگوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود رہتی ہے۔اس لیے اس طبقے کے انصاف پسند اکابرین نے عین اس وقت جب کچھ لوگ ان علما کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے رہے تھے علمائے دیو بند کی عظمت کو سلام پیش کر کے ان کے ایمان، اخلاص، وفا وصدق اور دیانت وتقویٰ کی ''علی رؤوس الاشہاد'' گواہی دی ہے۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ/ستمبر 2014ء)

تقسیم وراثت میں شریعت سے انحراف

اور اس کے دنیوی و اخروی نقصانات

موت ایک اٹل حقیقت ہے، اس سے کسی کو بھی مفر نہیں، مرنے کے بعد میت کے مال وترکہ کو وراثت کہتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اس شعبہ میں بھی نہ صرف مکمل راہنمائی فرمائی ہے، بلکہ وراثت کا ایک مستقل نظام عطاء فرمایا، ایسا نظام جو عدل، اخوت، محبت، انسانی ہمدردی اور صلہ رحمی کا شاندار مظہر ہے۔ اسلام کے قانون وراثت میں مرد و زن، ضعیف وقوی، امیر وغریب، کبیر وصغیر رشتہ داروں کی پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے، میت کی اولاد ہو یا والدین، بیوی ہو یا شوہر، اولاد میں بیٹے ہوں یا بیٹیاں سبھی کو حصہ میراث دیا گیا ہے۔ بعض صورتوں میں بہن بھائی اور چچا وغیرہ کو بھی نوازا گیا ہے۔ یہ خوبصورت نظام اس زمانے میں حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت فرمایا، جب عہد جاہلیت قریب ہی گزرا تھا اور معاشرہ میں وراثت کے حوالہ سے نہایت بے انصافی اور ظلم پر مبنی قوانین رائج تھے، زمانہ جاہلیت میں وراثت صرف جنگجو مردوں کو ہی ملتی تھی، وراثت میں حصہ پانے کے لیے ضروری تھا کہ آدمی شمشیر بکف ہو کر میدان جنگ میں اتر سکتا ہو، اسی قانون کے تحت کمزور طبقات وراثت سے محروم ٹھہرتے تھے، مرنے والے کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کو مذکورہ شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے وراثت سے محروم قرار دیا جاتا تھا، جملہ خواتین بشمول میت کی والدہ، زوجہ، بیٹی، بہن وغیرہ بھی جنگجو نہ ہونے کی وجہ سے وراثت سے محروم ٹھہرتیں۔ وراثت صرف طاقتور کا حق ہوتا، اس لیے سارا ترکہ میت کی جوان اولاد، اس کے بھائی وغیرہ لے جاتے تھے، یوں بیوہ، بیٹیاں اور یتیم بچے ایک ایک لقمے کو ترستے تھے، چنانچہ:

"سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی زوجہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !! یہ سعد کی دو بیٹیاں ہیں، ان کے والد آنجناب کی معیت میں غزوہ احد میں شہید ہو گئے، ان کے چچا، سعد کے پورے مال پر قابض ہو گئے ہیں اور ان کے لیے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا، صورت حال یہ ہے کہ بچیوں کی تو شادی بھی مال کے بغیر نہیں کی جاسکتی، اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گویا ہوئے، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق بھی فیصلہ مرحمت فرمائیں گے، چنانچہ (نظام میراث پر مشتمل) آیات میراث نازل ہوئیں (جس میں جملہ رشتہ داروں کی وراثت کی تفصیل مذکور ہے، یہ آیت سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۲ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کے چچا کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: سعد کی دو بیٹیوں کو دو ثلث (2/3) اور ان کی والدہ کو ایک ثمن (1/8) دے دو باقی تمہارا ہے۔"

(ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

یہ پہلا موقع تھا جب روئے ارض پر جاہلانہ رسوم کو پاش پاش کر کے اسلام کا خوبصورت نظام وراثت امت کو دیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نظام کو مستقل علم قرار دیکر اس کا نام "علم الفرائض" تجویز فرمایا اور صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ:

۔ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَىٰ وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي۔

(ابن ماجہ)

"علم الفرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، یہ نصف علم ہے اور یہ علم بھلوا دیا جائے گا اور یہ سب سے پہلی چیز ہوگی جو میری امت سے لے لی جائے گی۔"

علم الفرائض یا علم المیراث بحمد اللہ زندہ و تابندہ ہے، قرآن و سنت سے ماخوذ یہ علم مستقل حیثیت رکھتا ہے اور پندرہ صدیوں سے امت میں نافذ ہے، خوش آئند بات یہ ہے کہ علماء کرام کی کاوشوں سے پاکستان کے عدالتی نظام میں بھی وراثت کا قانون تقریباً موافق شرع نافذ

ہے۔اس قانون کی تشریح کرنے والے اہل علم وفتویٰ بھی بحمداللہ! دینی مدارس وجامعات میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، لیکن مذکورہ بالا حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق امت کا ایک بڑا طبقہ قانون وراثت پر عمل ترک کر کے اسلام کا باغی بنتا جارہا ہے، نیز علاقائی رسوم ورواج کی وجہ سے بعض ورثاء کو محروم کر کے نہ صرف دنیا میں جنگ وجدال اور بغض ونفرت کا لامتناہی سلسلہ جاری کرتا ہے، جو نسلوں تک باقی رہتا ہے، بلکہ اپنی قبر، حشر اور آخرت بھی برباد کرتا ہے۔ وراثت کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ نے جملہ جزئیات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اس قانون پر عمل نہ کرنے والوں کے لیے سخت سزا کا اعلان بھی کیا ہے، چنانچہ سورۃ النساء میں قانون وراثت کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

تِلْكَ حُدُودُ اللهِ وَمَن يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (سورۃ النساء: ۱۴،۱۳)

”یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں رہیں گے، اور یہ زبردست کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا، جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔“

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نظام وراثت پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کی جنتیں نصیب فرماتے ہیں جبکہ وراثت کے قانون کو ترک کرنے، بدل دینے یا جزوی طور پر عمل نہ کرنے کی صورت میں ہمیشہ کے لیے دوزخ اور ذلت آمیز عذاب کا اندیشہ ہے۔

قانون وراثت پر عمل نہ کرنے پر احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی متعدد وعیدیں مذکور ہیں، چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: مرد وزن ساٹھ سال تک اطاعت خداوندی کرتے رہتے ہیں پھر بوقت وفات، وصیت میں (کچھ ورثاء کو) نقصان پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دوزخ لازم ہو جاتی ہے۔ ایک روایت میں یوں بھی مذکور ہے، ایک شخص ستر سال تک نیک لوگوں والے اعمال کرتا رہتا ہے، لیکن وراثت کے سلسلہ میں ظلم پر مبنی وصیت کرتا ہے تو اس کا خاتمہ شر پر ہوتا ہے اور پھر وہ دوزخ میں جا گرتا ہے، ایک آدمی ستر سال تک برے اعمال کرتا ہے لیکن وصیت کے سلسلہ میں عدل سے کام لیتا ہے اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے اور وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔''

(ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

محترم قارئین!! معاشرہ میں ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ بہت سے لوگ وراثت کے سلسلہ میں خلاف شرع وصیت کرتے ہیں، جس سے کسی وارث کا حق سلب ہو جاتا ہے اور وہ وارث اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے، کچھ لوگ اپنے کسی بیٹے کو جائیداد سے عاق کر دیتے ہیں، کچھ لوگ بیٹیوں یا بیوی کو وراثت سے محروم کرتے ہیں، کچھ لوگ وارثوں کو بلاوجہ محروم کرنے کے لیے اپنا سارا مال راہ خدا میں یا دوسروں کو دے دیتے ہیں، ان سب افعال پر سوء خاتمہ اور مرنے کے بعد دوزخ میں جانے کی وعید ہے۔

اہل علم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کسی بھی وارث کو درج ذیل وجوہ کے علاوہ وراثت سے محروم کرنا ممنوع ہے۔

۱)۔ وارث اور مورث کا دین جدا جدا ہو مثلاً مورث مسلمان اور وارث غیر مسلم ہو

۲)۔ وارث اپنے مورث کا قاتل ہو

۳)۔ دونوں میں سے ایک دارالحرب میں، جبکہ دوسرا غیر دارالحرب میں اقامت پذیر ہو۔

۴)۔ ایک صورت یہ بھی تھی کہ دونوں میں سے ایک غلام ہو۔

مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ کسی بھی وجہ سے کسی بھی وارث کو وراثت سے محروم کرنا شرعاً حرام اور غضب خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں اپنے کسی بچے کو جائیداد سے عاق کرنا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، بعض لوگ بوقت وفات اپنے مال کے بارے میں اس طرح وصیت کر دیتے ہیں یا کسی کو دے دیتے ہیں کہ وارث خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں، ایسا کرنا بھی شرعاً ممنوع ہے۔ وصیت زیادہ سے زیادہ کل مال کے ایک ثلث (3/1) میں کی جا سکتی ہے چنانچہ:

صحیح بخاری شریف میں حضرت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، مجھے ایسی بیماری لاحق ہو گئی جس سے میں موت کے قریب تر ہو گیا تھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے جو تکلیف پہنچی وہ تو آپ نے دیکھ ہی لی، میں ایک مالدار شخص ہوں میری صرف ایک بیٹی ہی وارث ہے، کیا میں اپنے مال کے دو ثلث (3/2) حصے کو صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کیا، آدھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا کہ تہائی مال صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں تہائی بھی زیادہ ہے (ثلث کی اجازت مرحمت فرمائی اور پھر فرمایا) تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو تنگ دست چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں سے (مدد مانگنے کے لیے) لپٹتے پھریں۔"

(صحیح بخاری)

مذکورہ حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف وصیت کی حد متعین فرمائی، بلکہ ورثاء کے حقوق کو بھی بیان فرمایا، ایک مالدار کے ورثاء کا حق ہے کہ اس کے جانے کے بعد وہ بھی مالدار ہوں نیز ایک زمیندار کے ورثاء کا یہ حق ہے کہ اس کے مرنے کے بعد

اس کے ورثاء بھی زمیندار ٹھہریں۔

معاشرہ میں بعض لوگ اپنی بیٹیوں کو وراثت سے محروم کر کے جملہ جائیداد بیٹوں کے نام منتقل کر دیتے ہیں، ایسے حضرات مذکورہ بالا وعیدوں کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ درج ذیل حدیث بھی پیش نظر رکھیں:

''سنن ابن ماجہ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے اپنے کسی وارث کو وراثت سے محروم کیا، اللہ تعالیٰ روز محشر اس کو جنت کی وراثت سے محروم کر دیں گے۔''

(سنن ابن ماجہ)

اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر مرنے والا خلاف شرع تقسیم کا فیصلہ کر گیا ہو یا علاقہ اور برادری کا رواج غیر شرعی تقسیم کا ہو جیسا کہ بعض علاقوں میں لوگ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو وراثت نہیں دیتے یا وہ علاقائی رواج کی وجہ سے وراثت وصول کرنے میں شرم محسوس کرتے ہوئے بادل نخواستہ وراثت لینے سے انکار کر دیتی ہیں تو ایسی صورت میں میت کی اخروی نجات کے لیے ضروری ہے کہ ورثاء شریعت کے مطابق وراثت تقسیم کر دیں، بہنوں اور بچیوں کو ان کا شرعی حصہ پہنچا دیں۔ تا کہ مرنے والے سے اخروی بوجھ اتر جائے۔ محض اپنے باپ دادا کے طریقے یا علاقہ کے رواج کو اپنائے رکھنا خلاف شرع ہے۔ قرآن کریم نے آباء واجداد کی جاہلانہ تقلید سے منع کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○

(البقرۃ:۱۷۰)

''اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی

چاہئے) جب ان کے باپ دادے (دین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور انہوں نے کوئی (آسمانی) ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟"

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"ترکِ شریعت کرتے ہوئے رواج اپنانے سے دیگر اعمالِ صالحہ کے مردود ہونے کا بھی خطرہ ہے۔"

(امام لاہور کے مسائل ۲۰۶)

خلافِ شرع تقسیمِ وراثت کے مذکورہ بالا اخروی نقصانات کے ساتھ دنیوی نقصانات بھی کثرت سے ہیں، چنانچہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں ان نقصانات کا ذکر فرمایا ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱)۔ وراثت کی خلافِ شرع تقسیم میں چند افراد کا ذاتی نفع پیشِ نظر ہوتا ہے، اس میں خاص طور پر دوسرے کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے معاشرہ میں ایسے خود غرض انسان کے خلاف نفرت و غضب کا پہلو ہوا کرتا ہے۔

۲)۔ بہنوں کو وراثت سے محروم کرنے کی صورت میں بھائیوں میں قائم رشتۂ اخوت نہ صرف متأثر ہوتا ہے، بلکہ منقطع بھی ہو جاتا ہے، بہنوں کے دل سے نکلنے والی بددعائیں بھائیوں کی دنیا و آخرت میں تباہی کا ذریعہ ہو سکتی ہیں۔

بترس از آہ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

۳)۔ یہ نفرت نسلوں میں منتقل ہوتی ہے، چنانچہ بھانجے جب بڑے ہوتے ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ماموں نے انہیں ان کے نانا کی جائیداد سے محروم کیا تھا تو وہ یہی خیال کرتے ہیں کہ ہمارے ماموں خدا پرست نہیں، بلکہ زر پرست (پیسے کے پجاری) ہیں۔

۴)۔ خلافِ شرع تقسیمِ وراثت سے سسرال اور داماد کا رشتہ بھی متأثر ہوتا ہے، چنانچہ بہنوئی کو جب معلوم ہوگا کہ میری بیوی کی وراثت میرے برادرِ نسبتی نے غصب کی

ہے تو نہ صرف اس کے دل میں نفرت پیدا ہوگی، بلکہ وہ زندگی بھر بددعائیں بھی دے گا، نیز اسے یہ دکھ بھی ستائے گا کہ اگر میری بیوی کو وراثت مل جاتی تو میرا افلاس مسئلہ حل ہو جاتا۔

شریعت نے مرنے کے بعد میت کے ترکہ میں سے سب سے پہلے میت کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا، بعدازیں اس کے ترکہ میں سے اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم فرمایا، ادائیگی قرض کے بعد اگر مال بچ جاتا ہے تو تہائی حصہ (1/3) تک میت کی وصیت کے مطابق خرچ کیا جائے گا بشرطیکہ وہ وصیت شرعاً جائز بھی ہو۔ باقی مال شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

نیز تقسیم وراثت سے قبل مشترکہ مال سے بلااجازت جملہ ورثاء، صدقہ وخیرات تک کرنا جائز نہیں، اگر ورثاء میں کوئی نابالغ ہے تو اس کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں، ہاں جملہ ورثاء اپنے ذاتی مال یا وراثت کی تقسیم کے بعد اپنے اپنے حصہ سے جس قدر چاہیں موافق سنت صدقہ و خیرات بھی کرسکتے ہیں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" صفرالمظفر ۱۴۴۰ھ/اکتوبر، نومبر 2018ء)

چار شادیوں کا تاریخی، شرعی، معاشرتی جائزہ اور پہلی بیوی کی اجازت کا شرعی حکم

حالیہ متعدد عدالتی فیصلوں کی وجہ سے، 1961ء کے عائلی قوانین کے مطابق تعدد ازواج اور پہلی بیوی سے اجازت لے کر دوسری شادی کرنے کی بحث، ایک بار پھر زور پکڑ گئی ہے۔ متعدد اہل قلم اس پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ اسلام کے ابدی قانون کو بعض تو ناقابل عمل اور خواتین کے استحصال کا سبب قرار دے رہے ہیں، جبکہ بعض مروجہ عائلی قوانین کو عین شریعت قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اسلام کا قانون تعدد ازواج، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادیاں، گزشتہ ایک صدی سے یورپ کے طعن و تشنیع کا نشانہ ہیں۔ اس عنوان کو بدل بدل کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بغض باطن نکالنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ اسلام کے خلاف اظہار غیض وغضب کے لیے حقوق نسواں کو بطور بہانہ استعمال کرنے کا پرانا حربہ آزمایا جا رہا ہے۔ حقیقت میں خواتین کے حقوق کے نام پر خواتین کے استحصال کا سلسلہ جاری ہے۔ ذیل میں اس مسئلہ کا شرعی، معاشرتی، تاریخی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ نیز 1961ء کا عائلی قانون، شرعی اور معاشرتی تقاضوں پر پورا اترتا ہے یا نہیں، اس کا ایک تجزیہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ کے دو جز ہیں:

۱)۔ ایک سے زیادہ شادیوں کی شرعی، تاریخی اور معاشرتی حیثیت۔

۲)۔ دوسری شادی کے لیے، پہلی بیوی کی اجازت کا شرعی حکم۔

جہاں تک ایک سے زیادہ شادیوں کا تعلق ہے تو قرآن کریم اور کتب سابقہ میں نہ

صرف اس کی اجازت مذکور ہے، بلکہ قرآن کریم نے تو اپنے اسلوب بیان میں ایک سے زیادہ شادیوں کی عدل کی شرط کے ساتھ ترغیب بھی دی ہے، البتہ اگر ایک سے زیادہ بیویوں سے عدل نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو، صرف ایک شادی پر اکتفاء کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ○ (النساء:۳)

''اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے، تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو، جو تمہیں پسند آئیں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔ ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے، تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو، یا ان کنیزوں پر (اکتفاء کرو) جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔''

قرآن کریم نے اگرچہ تعدد ازواج کی اباحت کا ذکر، یتیم لڑکی سے نکاح اور عدل نہ کرنے کے ضمن میں کیا، تاہم اس میں صراحتاً ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت مرحمت فرمائی۔ تاہم اس میں بھی عدل کو اس قدر ضروری قرار دیا کہ اگر بے اعتدالی کا خطرہ ہو تو ایک سے زائد شادی نہ کرو۔ جملہ مفسرین امت نے آج تک اس آیت کے ذیل میں تعدد ازواج کی اباحت اور بعض نے استحباب کا ذکر کیا۔ کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا کہ، تعدد ازواج کی اجازت صرف یتیم لڑکی سے عدم انصاف کے ساتھ مشروط ہے۔

ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت، صرف اسلام کا ہی حکم نہیں، بلکہ یہ حکم سابقہ امتوں میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ بائبل میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی شادیوں کے سلسلہ میں ان کے تعدد ازواج کو بھی بیان کیا ہے۔

الف)۔ ''سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ، ان کی تین

ازواج مطہرات تھیں:

۱)۔ سارہ ۲)۔ ہاجرہ

۳)۔ قنطورا"

(بائبل، پیدائش:۱/۱۶، ۳/۱۶، ۴/۲۵)

بائبل میں درج ذیل حقائق بھی موجود ہیں:

ب)۔ "حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد اور نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱)۔ لیا ۲)۔ زلفا

۳)۔ راخیل ۴)۔ بلہا"

ج)۔ "حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے شمار بیویاں تھیں۔"

د)۔ "حضرت داؤد علیہ السلام کی انیس بیویاں تھیں۔"

ھ)۔ "حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار خواتین تھیں۔"

افسوس، صد افسوس!!ان مستشرقین پر، جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواج مطہرات اور اسلام کے تعدد ازواج کے قانون پر تو اعتراض کی بوچھاڑ کرتے ہیں، لیکن بائبل میں مذکور حضرات انبیاء علیہم السلام کی ایک سے زیادہ ازواج مطہرات پر انہیں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی۔

نیز عقلی لحاظ سے بھی ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت عین حکمت، معاشرت اور انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔ ذیل میں تعدد ازواج کی عقلی وجوہ اور حکمتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱)۔ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے مردوں سے عورتوں کی تعداد زیادہ بنائی ہے، خواتین کا مردوں سے زائد ہونا مسلم ہے۔ ہر ایک کا مشاہدہ ہے، تقریباً ہر خاندان کی صورتحال یہی ہے۔ اگر ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگادی جائے، تو ایک مرد کے لیے ایک بیوی ہوگی، تو جو خواتین اضافی ہوں گی، ان کا مستقبل کیا ہوگا؟ ان کی آبادکاری، دیکھ بھال، کفالت اور انسانی خواہشات وضروریات کا جائز طریقہ کیا ہوگا؟ دنیا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ مثلاً مردوں کی تعداد سے فی ہزار ایک خاتون بھی اگر

زائد ہو، تو ایک کروڑ مردوں کے مقابلہ میں دس ہزار خواتین زیادہ ہوں گی، بیس کروڑ آبادی کے ملک میں بالفرض اگر دس کروڑ مرد ہیں، تو خواتین کی تعداد دس کروڑ ایک لاکھ ہوگی۔ اگر ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت نہ ہو، تو یہ ایک لاکھ خواتین تجرد (تنہائی) کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں گی، ان کی کفالت ایک بہت بڑا مسئلہ ہوگا۔ ان ایک لاکھ خواتین کی نفسانی خواہشات اور انسانی ضروریات کا جائز حل تو نہ رہا۔ نتیجتاً اس معاشرہ میں بے راہ روی پھیل جائے گی۔ اس لیے منطق اور عقل کا تقاضا ہے کہ مردوں کو ایک سے زائد شادی کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، تاکہ یہ خواتین بھی بے گھر نہ رہیں۔ ہاں البتہ اس میں شرط وہی ہونی چاہیے جو شریعت نے مقرر فرمائی یعنی ایک سے زائد بیویوں میں عدل وانصاف۔

۲)۔ تعدد ازواج کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ، بسا اوقات خاوند کا انتقال بیوی سے پہلے ہو جاتا ہے، اس صورت میں اس بیوہ کا گھر آباد کرنے کے لیے کسی درد دل رکھنے والے، ہمدرد شوہر کی ضرورت ہوگی، جو ضروری نہیں کہ پہلی شادی والا ہو، عموماً ایسی خواتین سے کنوارے لوگ شادی نہیں کرتے، بلکہ دوسری شادی کرنے والے ان کا گھر بساتے ہیں۔ اس لیے بھی ایک سے زائد شادیاں انسانی ضرورت ہیں۔ بصورت دیگر بیوگان، مطلقہ خواتین معطل ہو کر رہ جائیں گی اور ان کا کوئی سہارا نہ ہوگا۔

۳)۔ دنیا میں دہشت گردی اور جنگوں میں لاکھوں مرد کام آ گئے، جنگوں سے متاثر علاقوں میں مردوں کی ہلاکت کی وجہ سے خواتین کی تعداد کا تناسب مردوں سے کئی گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں چار کروڑ اور دوسری جنگ عظیم میں چھ کروڑ مرد قتل ہوئے۔ حال میں عراق اور افغانستان میں جاری جنگوں کی وجہ سے ہزاروں مرد قتل ہو چکے ہیں۔ دہشت گردانہ حملوں میں بھی ہلاک ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، پاکستان کے بعض علاقوں میں مردوں کی ہلاکتوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے، اس صورت حال میں خواتین کو بسانے کا واحد طریقہ ایک سے زائد شادیوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں۔

۴)۔ بسا اوقات ایک شخص شادی کرتا ہے، لیکن اس کی بیوی بانجھ ثابت ہوتی ہے اور اولاد جننے کے قابل نہیں ہوتی، جبکہ شوہر کی خواہش اپنے جانشین اور نام لیوا کے پیدائش کی ہوتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کی نسل دنیا میں چلتی رہے، لیکن بیوی طبی لحاظ سے غیر تندرست ہے۔ اب اس مرد کے لیے دو راستے ہیں:

۱)۔ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے۔ اس صورت میں پہلی بیوی کی حق تلفی ہے اس میں پہلی بیوی کو بے سہارا کرنا ہے اور اس کے ساتھ بے وفائی بھی ہے۔

۲)۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ شخص اس بیوی کو بھی گھر میں رکھے اور اولاد کے لیے ایک اور شادی کر لے۔ یہ طریقہ عین انصاف اور عقل کے مطابق ہے، لہٰذا یہ انسانی حق ہے کہ اسے ایک سے زائد شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔ اگر دونوں پر پابندی لگادی جائے، تو یہ مرد کی حق تلفی ہے، اس لیے بھی ایک سے زائد شادیوں کی اجازت عین عقل کا تقاضا ہے۔

۵)۔ بعض حضرات شادی کرتے ہیں، لیکن ان کی بیویاں خطرناک امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ سے مرد کی زندگی شدید متاثر ہوتی ہے۔ بعض امراض اس قدر سنگین ہوتے ہیں کہ، بیوی صاحب فراش ہو کر گھر کی تدبیر اور شوہر کے حقوق کے قابل نہیں ہوتی، اس صورت میں شوہر کے تقاضوں کی تکمیل کا واحد جائز راستہ، دوسری شادی بنتا ہے۔ دوسری صورت بدکاری اور بے راہ روی کی ہے، جس کی کوئی مذہب اور اسلامی معاشرہ قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

۶)۔ جو لوگ ایک سے زیادہ شادیوں کے مخالف ہیں، ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس سے خواتین کی حق تلفی ہوتی ہے، یہ نہایت ناقص اور بے وزن بات ہے، اس لیے کہ بیوی سے زیادتی اور حق تلفی تو ایک بیوی ہونے کی صورت میں بھی ہوتی ہے، بلکہ مشاہدہ یہ ہے کہ غیر سنجیدہ اور دینی تعلیم و تربیت سے غافل مرد، اپنی ایک بیوی سے بھی حسن سلوک نہیں کرتے اور ان کے گھروں میں مار پیٹ، ظلم و زیادتی اور لڑائی جھگڑے روز سننے کو ملتے

ہیں۔تو کیا اس وجہ سے شادیوں پر پابندی لگادی جائے گی؟اسلام نے ہر صورت میں بیوی کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی ہے۔بیوی ایک ہو تب بھی اس کے ساتھ عدل کرنے اور اس کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔تاہم یہ خطرہ تو ہر صورت میں موجود رہتا ہے،اس لیے اس خطرہ کے پیش نظر ایک سے زائد شادیوں پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

جہاں تک معاملہ پہلی بیوی سے اجازت لے کر دوسری شادی کا ہے،یہ قانون جناب صدر ایوب خان مرحوم نے 1961ء میں بنایا تھا۔یہ قانون خلاف شرع ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی طور پر بھی نا قابل عمل ہے۔اس وقت کے جید علماء کرام نے اس قانون کی شدت سے مخالفت کی تھی، بلکہ اس جیسے خلاف شرع قوانین کے خلاف علماء کرام نے تحریک بھی چلائی تھی۔ ماضی قریب میں پاکستان کے آئینی ادارہ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' جس کا قیام صرف اور صرف اس مقصد کے لیے ہوا کہ،وہ ملک میں ہونے والی قانون سازی پر نظر رکھے اور ملک میں جو قانون قرآن وسنت کے خلاف ہو،اس کی نشاندہی کرے اور اس کے بارے میں اپنی سفارشات ارسال کرے۔حکومت کا فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق قانون بنائے،اس ادارے نے اپنی سفارشات میں واضح کیا کہ دوسری شادی کے لیے،پہلی بیوی سے اجازت لینے کی شق خلاف شرع اور قرآن وسنت سے متصادم ہے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ فی الفور قانون سازی کرتے ہوئے،اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق اس شرط کو ختم کروائے،تاکہ ملک میں شادیاں آسان ہوں اور بے گھر خواتین کے گھر آباد ہوسکیں۔بے راہ روی پر قابو پایا جاسکے اور ایک پاکیزہ اسلامی معاشرہ تشکیل پائے،البتہ ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں بیویوں میں باہم عدل وانصاف کی اہمیت کو اجاگر کرنے اور عدل وانصاف نہ کرنے والوں کو تعزیری سزائیں دینے کی ضرورت ہے جس کی اسلام اجازت دیتا ہے۔

(تاریخ اشاعت ''ماہنامہ صدائے فاروقیہ'' ربیع الاول ۱۴۳۹ھ/دسمبر 2017ء)

آجر واجیر کے حقوق وفرائض

ہر سال یکم مئی دنیا بھر میں لیبر ڈے (مزدوروں کا دن) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ لوگوں کو اس روز مزدوروں کے حقوق کے بارے میں آگاہی دی جاتی ہے۔ محض رسمی طور پر مزدوروں کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹ کر اگلے روز سے ہی مزدوروں کا استحصال پھر سے شروع کر دیا جاتا ہے۔ حیرت واستعجاب ہے کہ مزدوروں کے حقوق کے علمبردار لوگ وادارے خود اپنے ماتحتوں، ملازموں، مزدوروں اور کارکنوں کا استحصال کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ آجر (مالک) مزدوروں سے شاکی اور نالاں بھی ہوتا ہے۔ وہ مزدوروں وملازموں کی خیانت، بدعہدی، کام چوری اور غیر ذمہ داری کا رونا روتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مزدور اپنے آجر (مالک) کے ظلم وستم، استحصال، حق تلفی اور نامناسب رویوں کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔

آجر واجیر کی یہ کشمکش، دونوں کی باہم چپقلش اور بسا اوقات تصادم وخون ریزی پر منتج ہوتی ہے۔ ملوں اور فیکٹریوں میں آئے روز آجر واجیر کے درمیان تصادم کے واقعات دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔ ہر چند کہ ملازمین ومزدوروں کے حقوق کے لیے لیبر یونینز، لیبر کورٹس اور فلاحی ادارے دنیا بھر میں متحرک ہیں۔ تاہم اس کشمکش اور مزدوروں کی حق تلفی میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس پاکیزہ اور کامل دین نے دیگر طبقات کی طرح آجر واجیر کے حقوق وفرائض کا نہ صرف تعین کیا بلکہ فریقین کو حقوق کے حصول کی جانب متوجہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر فریقین اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کی فکر میں ہوں اور ادائیگی وفرائض کے باوجود اپنی کوتاہی کا احساس دل میں رکھتے ہوں تو وہ دوسرے فریق کو اپنا محسن اور اپنے آپ کو کوتاہ متصور کریں گے۔ آجر کے ذہن میں ہوگا کہ میں مزدور کے حقوق حقیقی معنوں میں ادا نہیں کر پا رہا،

میرے رزق اور معیشت کا ذریعہ وسبب یہ مزدور اور ملازم ہیں، انہیں کی بدولت میرا کاروبار اور کام رواں دواں ہے، حقیقت میں یہ اُن کی کمائی ہے جو میں اور میرا خاندان استعمال کر رہے ہیں۔ میں جو کچھ انہیں معاوضہ دے رہا ہوں، ان کا حق اس سے بڑھ کر ہے۔ مجھے ان کے ساتھ حسنِ سلوک، مروت، تواضع اور عاجزی سے پیش آنا ہے، مجھے ان کے دکھ درد کو تقسیم کرنا ہے، ان کی خوشی وغمی میں شریک ہونا ہے، ان کی مشکل کو حل کرنا ہے۔ یہ احساس ایسے آجر کو اجیروں اور مزدوروں میں یوں محبوب بنا دے گا کہ مزدور ایسے آجر پر اپنی جان تک نچھاور کر دیں گے اور وہ اس کے مال کے محافظ اور عزت کے رکھوالے ہوں گے۔

علیٰ ھذا القیاس! اگر مزدور کے دل ودماغ میں یہ تصور اجاگر ہو جائے کہ رزق و معیشت کا ذریعہ آجر اور اس کا کاروبار ہے۔ میں اپنی جن ذمہ داریوں کے عوض تنخواہ ومشاہرہ وصول کرتا ہوں، حقیقت میں وہ ذمہ داریاں صحیح طور پر نہیں نبھا رہا، مجھے ملنے والے معاوضہ کا بوجھ اور حق میرے کندھوں پر قائم ہے، میری عزت وروزگار میرے عمل اور میرے آجر سے قائم ہے، مجھے پوری دیانت وامانت اور قوت سے اپنے کام سرانجام دینا ہیں۔ یقین کیجئے! ایسے مزدور اور اجیر پر اس کا آجر ومالک اپنی جان چھڑکے گا اور اپنا تن من دھن اس شخص پر قربان کرنا سعادت سمجھے گا۔ یہی اسلام کا کمال ہے کہ اس نے بجائے حقوق حاصل کرنے کی تحریک پیدا کرنے کے، ادائیگی فرائض کی تحریک پیدا کی ہے۔ آجر واجیر کو اپنے فرائضِ منصبی کی طرف متوجہ فرمایا، اس ضمن میں اسلامی احکام کا خلاصہ درج ذیل ہے:

آجر کے حقوق اور اجیر کے فرائض:

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں اجیر یعنی ملازم ومزدور کے فرائض کو ایک واقعہ کے ذیل میں، خاتون کی زبان سے بیان فرمایا ہے۔ اجیر کے یہ فرائض دراصل آجر کے حقوق ہیں، ذیل میں ان فرائض کو قرآن کریم سے پیش کیا جا رہا ہے:

قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ۝ (القصص:۲۶)

”اُن دو عورتوں میں سے ایک نے کہا: ”ابا جان! آپ ان کو اجرت پر کوئی کام دے دیجئے۔ آپ کسی سے اُجرت پر کام لیں تو اس کے لیے بہترین اور موزوں شخص وہ ہے جو طاقتور بھی ہو، امانت دار بھی۔“

سیدنا شعیب علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی دخترِ نیک اختر نے اپنے والد محترم سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ملازم ومزدور مقرر کرنے کی درخواست پیش کی اور ایک اچھے ملازم ومزدور کی خوبیاں بھی ارشاد فرما دیں، جنہیں قرآن کریم نے ان دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے:

۱)۔ القوی

۲)۔ الامین

ایک اچھے ملازم کی بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ محنتی، باہمت، فرض شناس، حاضر باش اور اپنے کام میں ماہر ہو۔ اگر مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی ایک وصف کا بھی ملازم میں فقدان ہو تو وہ ملازم ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ملازم بدمحنت، کوتاہ، کام چور، غافل اور غیر ذمہ دار ہو، غیر حاضر اور اپنے کام سے متعلق ناواقف ہو، کام کا تجربہ یا طریقہ اُسے نہ آتا ہو تو یقیناً ایسے ملازم سے نفرت کی جائے گی، اسے ڈانٹ ڈپٹ کا نشانہ بنایا جائے گا، اس کی ملازمت پر انگلیاں اٹھیں گی۔ اس لیے قرآن کریم نے ہر ملازم، مزدور کو اس کی بنیادی ذمہ داریوں کی جانب اس جامع الفظ ”القوی“ سے متوجہ فرمایا۔

واضح رہے کہ اجیر سے مراد صرف گارا، سیمنٹ، سریا اور اینٹ اٹھا کر دینے والے ہی نہیں بلکہ وہ تمام لوگ اجیر کے زمرے میں شامل ہیں جو اپنی خدمات کا عوض وصول کرتے ہیں مثلاً جملہ سرکاری ملازمین، پرائیوٹ ملازمین، سکولوں اور مدارس کے اساتذہ کرام ودیگر عملہ، دکانوں، فیکٹریوں، ہوٹلوں اور اداروں میں کام کرنے والے لوگ ــــ کل وقتی ملازمین، جزوقتی ملازمین، منشی، محاسب اور خدام وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔

دوسری خصوصیت قرآن کریم نے اچھے ملازم ومزدور کی ”الامین“ کے لفظ سے ذکر فرمائی۔ ملازم ومزدور کے فرائض میں ہے کہ ہمہ قسمی امانت ودیانت کا مرتکب ہو، مالک کے مال، رقم، اثاثہ جات، راز، کاروباری سکریسی وغیرہ میں امانت ودیانت کا مظاہرہ کرے، کسی بھی طور پر

مذکورہ بالا امور میں خیانت نہ کرے۔ آج کل بدقسمتی سے بددیانتی اور خیانت ہمارے معاشرے میں ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ انہیں بددیانتوں اور کرپشن کی وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اور انہیں کرپٹ لوگوں کی وجہ سے اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیا بھر میں بدنام ہوا ہے۔ آج دنیا بھر میں پاکستانیوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس کی وجہ حقیقت میں یہی بددیانتی اور خیانت ہے۔ امانت اور ایمان لازم وملزوم ہیں جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ۔

''وہ شخص ایمان والا نہیں جو امانت دار نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک حدیث میں خیانت کو نفاق کی آیت وعلامت قرار دیا۔ خائن اور کرپٹ عناصر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے روزِ محشر پیشگی طور پر اظہارِ برأت فرما دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

''میں تم میں سے کسی کو روزِ محشر اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ خیانت کا مرتکب ہو کر یوں کہے: ''أَغِثْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اے اللہ کے رسول مجھے بچا لیجئے، میں نہیں بچا سکوں گا۔''

(مشکوٰۃ)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعارف ''صادق وامین'' سے ہے۔ اس لیے چور، کرپٹ اور خائن شخص کو محمدی کہلانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ ایک اچھے ملازم و مزدور کو اپنے اندر امانت والا وصف پیدا کرنا ضروری ہے۔

اجیر کے حقوق اور آجر کے فرائض:

اسلام نے مزدور کے حقوق کے بارے میں سخت تاکید کی ہے صرف اجیر ہی نہیں شریعت مطہرہ نے ہر حق دار کے حق کی ادائیگی کو لازم قرار دیا۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ○ (الھود:۸۵)

"اور لوگوں کو اُن کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور زمین میں فساد مچاتے
مت پھرو۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشہور ارشادِ گرامی ہے:

"أَعْطُوا الأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ"

"مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے عطا کردو۔"

صحیح بخاری شریف میں حدیث قدسی ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"تین آدمیوں کی جانب سے روزِ محشر میں خود ہی مدعی بنوں گا۔ (حق تعالیٰ اپنی
عدالت میں خود نوٹس لیں گے)

۱)۔ وہ شخص جس نے میرا نام لے کر دھوکہ دیا۔

۲)۔ جس شخص نے کسی آزاد شخص کو پکڑ کر فروخت کردیا، پھر اس کی رقم
کھا گیا۔

۳)۔ ایسا شخص جس نے کسی مزدور سے مزدوری کرائی، مزدور نے اپنا عمل
پورا کرلیا لیکن آجر نے اُسے اُجرت و مزدوری نہ دی۔"

(صحیح بخاری)

ایسے شخص کے خلاف حق تعالیٰ اپنی عدالت عالیہ میں خود مدعی بنیں گے اور اُس سے مزدور و ملازم کو حق دلوائیں گے۔ روزِ محشر مال و دولت ہوگا نہ کام آئے گا، اس لیے ادائیگی حق کی صورت یہ ہوگی کہ آجر کی حسنات و نیکیاں اجیر، اور اجیر کے گناہ و معصیتیں آجر کے کھاتہ میں ڈال دی جائیں گی۔ حقیقی معنوں میں ایسا مالک، کارخانہ دار، مہتمم اور ذمہ دار آخرت میں نیک اعمال کے لحاظ سے قلاش ہوگا۔

کتبِ احادیث میں مزدور کے حق کی ادائیگی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی نصرت کا واقعہ مذکور ہے جو کہ معروف واقعہ ہے:

"زمانہ گذشتہ میں تین مسافر طوفان کی وجہ سے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے
تھے۔ اس غار پر چٹان ٹوٹ کر گر جانے کی وجہ سے اس کا دہانہ بند ہو کر رہ گیا
تھا۔ چٹان اتنی وزنی تھی کہ ہٹائے ہٹتی بھی نہ تھی۔ تینوں مسافروں نے حق تعالیٰ

سے اپنے اپنے نیک اعمال کی برکت سے دعا کی۔ اُن میں سے ایک شخص یوں گویا ہوئے: ”اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے ایک مزدور سے کام لیا تھا، وہ مزدور اجرت لیے بغیر چلا گیا میں نے اس کی اجرت سے کاروبار کیا جو کہ کافی زیادہ ہوگیا۔ عرصہ دراز کے بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور اپنی اجرت کا تقاضا کیا تو میں نے گائے اور بکریوں کے ریوڑ اور دیگر سامان کے بارے میں اُسے بتایا: ”یہ سب تیرا ہے۔“ وہ کہنے لگا: ”میرے ساتھ مذاق نہ کیجئے، میری تو چند ٹکے مزدوری آپ کے پاس ہے، مجھے ادا کیجئے۔“ میں نے کہا: ”میں مذاق نہیں کر رہا، چنانچہ میں نے سارا مال اُسے دے دیا۔“ اے اللہ! اگر یہ عمل تیری رضا کے لیے تھا تو اس آفت کو دور فرما۔ حق تعالیٰ نے اس شخص اور دیگر دونوں اشخاص کے نیک اعمال کی برکت سے مکمل طور پر چٹان کو دور فرما دیا اور تینوں مسافر اپنی راہ چل دیے۔“

یہ مزدور کے حقوق کی ادائیگی کی برکت ہے۔

(تاریخ اشاعت ”ماہنامہ صدائے فاروقیہ“ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ/ مئی 2016ء)

کیا سود ناگزیر ہے؟

سود ایک عظیم معصیت، کبیرہ گناہ، نادار و مفلس اور ضرورت مند انسانوں کے معاشی قتل کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار، جاگیردار، صاحبِ ثروت اور مال داروں کے پاس یہ ایک ایسی معاشی تلوار ہے، جس سے نہ صرف دوسروں کے وسائل کا خاتمہ کیا جاتا ہے، بلکہ دوسروں کے وسائل بھی ہتھیا لے جاتے ہیں۔ سود، معیشت کشی اور بدترین شرعی جرم ہے۔ بلاشبہ اس ناپاک عمل سے دولت چند ہاتھوں میں سکڑ کر رہ جاتی ہے۔ غریب ممالک، اقوام، افراد سودی نظام میں جکڑ کر غریب ترین جبکہ امیر ممالک، اقوام، ادارے اور افراد اس نظام کی وجہ سے امیر ترین ہو کر اپنی بالادستی کے ذریعے زیرِ دست ممالک، اقوام، افراد کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں۔ سودی بالادستی کے ذریعے سرمایہ دار ممالک، ادارے اور افراد پر سودی قرضوں کے نیچے دبے ممالک، افراد اور اداروں پر نہ صرف حکومت کرتے ہیں بلکہ مرضی کے احکام جاری کرتے ہیں جنہیں ماتحت اقوام، ممالک اور افراد کے لیے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ نتیجتاً قرض خواہ، سود خور کے ہاتھوں اپنی ہر چیز گروی رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

سود کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو یہ انسانیت پر المناک ظلم اور جبر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سود خور دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرض جاری کر کے قرض خواہ کی رہی سہی جمع پونجی بھی ہتھیا لیتا ہے۔ بسا اوقات بے چارے قرض خواہ کو اپنے گھر اور روزگار سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ جاہلیت کی جب انتہاء ہوتی ہے تو سود خور، قرض خواہ کے بچوں اور اس کی ذات کو بھی اپنی ملکیت قرار دیتا ہے۔ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے سود کی ستم ظریفی کا ایک حیران کن واقعہ نقل کیا ہے، جسے قارئین کی دلچسپی کے لیے نقل کیا جا رہا ہے:

> ''یہ یہودیوں کی تاریخ کا ایک مشہور اور سچا واقعہ ہے، جسے انگریزوں کے مشہور ڈرامہ نویس شیکسپیئر نے اپنے فصیح و بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔

ایک یہودی تھا جس کا نام "شائیلوک" تھا۔ فقر و فاقہ کا شکار ایک مفلس شخص "شائیلوک" یہودی کے پاس گیا۔ اس کے پاس پیسے نہیں تھے چنانچہ اس سے کہا: "مجھے کچھ پیسے چاہئیں، گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔"

شائیلوک نے کہا: "جتنے پیسے چاہئیں لے لو، لیکن شرح سود پر دوں گا، جس کی شرح یہ یہ ہوگی۔"

مفلس کہنے لگا: "میں کیا کروں مجبور ہوں، اب میرے پاس جینے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ جو بھی شرط تم کہتے ہو، اس کو سرخم تسلیم کرتا ہوں۔"

چنانچہ اس نے شرط مان لی اور شائیلو سے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کر لی۔ لیکن جب ادائیگی کا وقت آیا تو اس کے پاس پیسے نہیں تھے، شائیلوک اس کے گھر پہنچ گیا۔ جب اس سے پیسوں کا مطالبہ کیا تو مفلس نے کہا میرے پاس اس وقت دینے کی سکت نہیں ہے۔

تو شائیلو نے کہا: "ٹھیک ہے مت دو البتہ جو سود تمہارے اوپر لگا تھا، اس سے دوگنا لگا دیتا ہوں جب اگلی مرتبہ پیسے دو گے تو دوگنا کر کے دینا۔"

مفلس نے کہا: "ٹھیک ہے، مجبور ہوں، کیا کروں!

چنانچہ جب رقم کی ادائیگی کا پھر وقت آیا تو اس کے پاس پیسے پھر نہیں تھے، چنانچہ وہ سود دوگنا چوگنا کرتا چلا گیا۔ یہاں تک جس جھونپڑے میں وہ مقروض رہتا تھا، سود اس کی قیمت سے بھی آگے بڑھ گیا۔ جب پھر بھی قرضہ ادا نہ کیا، تب شائیلوک نے کہا: "دیکھو! اب تو معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے۔ پہلے تو میں سوچتا تھا، میرا قرضہ وصول نہیں ہوگا تو تمہارا یہ گھر بیچ کر پیسے وصول کرلوں گا۔ اب تو بات تمہارے گھر کی قیمت سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، گھر بھی بیچوں تو بھی میرے پیسے وصول نہیں ہو پائیں گے۔ لہٰذا اب تو ایک ہی راستہ ہے اگر تم نے فلاں تاریخ تک میری اصل رقم اور سود کی ادائیگی نہ کی تو تمہارے جسم سے ایک پونڈ گوشت کاٹوں گا۔"

مفلس نے کہا: "ٹھیک ہے، میں مجبور و لاچار ہوں، کیا کروں؟ وقت پر ادائیگی

کی کوشش کرتا ہوں، اگر نہ کر سکا تو گوشت کاٹ لینا۔"

پھر وقت آ گیا لیکن رقم اتنی بڑھ گئی تھی کہ ادائیگی کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ جب مقررہ وقت پر ادائیگی نہیں ہوئی تو "شائیلوک" مفلس کے گھر پہنچ گیا اور اس سے کہا: "اب بھی تم نے رقم کی ادائیگی نہیں کی، اس لیے اب تمہارا ایک پونڈ گوشت کاٹتا ہوں۔"

مفلس کی بیوی نے کہا: "گوشت کاٹ کر تمہیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ یہ بات سن کر شائیلوک نے گوشت تو نہیں کاٹا البتہ بادشاہ کے دربار میں دعویٰ دائر کر دیا۔

شائیلوک نے بادشاہ سے کہا: "اس شخص نے اتنے پیسے ادھار لیے تھے اور اس رقم پر اتنا سود بن گیا اور آخر میں جا کر ایک پونڈ گوشت کاٹنے کی بات ہوئی۔ چنانچہ معاہدے کی پابندی ضروری ہے۔"

بادشاہ نے مفلس سے کہا: تم بتاؤ، کیا بات ہے؟

مفلس نے کہا: "میں نے معاہدہ تو مجبوری کے تحت کیا تھا کیونکہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب بھی نہیں ہیں، میں کیا کروں؟"

شائیلوک نے کہا: "مائی لارڈ! میں تو آپ سے انصاف طلب کرتا ہوں۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی پابندی کی جائے۔"

بادشاہ نے کہا: "واقعی بات تو ٹھیک ہے، انصاف تو یہی ہے جو معاہدہ کیا گیا تھا، اس کو پورا کیا جائے۔" اس پر مفلس کی بیوی نے کہا: "جہاں پناہ! اگر آپ کی اجازت ہو تو، ایک بات عرض کروں؟"

بادشاہ نے کہا: جی ہاں! اپنی بات پیش کرو!

مفلس کی بیوی نے ایک تقریر کی اور کہا: "جنابِ والا! بے شک آپ انصاف کرنے کے لیے بیٹھے ہیں اور آپ کے خیال میں انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا گوشت کاٹ دیا جائے۔ لیکن میں آپ سے ایک بات پوچھتی ہوں کہ آپ کو بھی اپنے خدا کے پاس جانا ہے۔ کیا آپ خدا سے انصاف کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ انصاف کرے؟ اگر وہ ذات انصاف کرے تو بتایئے!

میرا اور آپ کا کیا ٹھکانا ہوگا؟ کیونکہ اگر وہ ہماری شان کے لحاظ سے انصاف کرے، تو ہم سب کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔ لہٰذا ہم سب انصاف سے زیادہ ایک اور چیز کے محتاج ہیں اور وہ ''اللہ تعالیٰ کا رحم'' ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا رحم شاملِ حال نہ ہو، تو ہم میں سے کوئی بھی نجات نہیں پا سکتا۔ لہٰذا آپ بحیثیت بادشاہ ہونے کے زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ ''ظل اللہ فی الارض'' ہیں، زمین پر اللہ کے نائب ہیں۔ جب آپ اپنے لیے اللہ سے رحم مانگتے ہیں، تو پھر اللہ کے بندوں پہ بھی رحم کریں اور ہمیشہ انصاف انصاف کی رٹ مت لگائیں۔''

بادشاہ کے دل پر اس کی فصیح و بلیغ تقریر اثر کر گئی اور اس کے دل میں نرمی پیدا ہوگئی۔

بادشاہ نے کہا: ''یہ بات صحیح ہے، ٹھیک ہے انصاف کا تقاضا تو یہ ہے اس کا گوشت کاٹ دیا جائے لیکن رحم کا تقاضا یہ ہے گوشت نہ کٹوایا جائے، لہٰذا میں اس کے خلاف فیصلہ دیتا ہوں۔''

میں یہ بتا رہا تھا کہ شائیلوک نے کہا انصاف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گوشت کاٹا جائے، نہ کاٹا جائے تو ظلم ہے۔ بادشاہ نے بھی کہا کہ انصاف بے شک یہی ہے اور خود مستقرض نے بھی اس کے انصاف ہونے سے انکار نہیں کیا۔ اس کی بیوی نے اپنی تقریر میں انصاف ہونے سے انکار نہیں کیا، لیکن آگے رحم کی بات کی۔''

(انعام الباری۔ ص:۱۵۹۔۱۵۷)

قارئین! آپ نے اندازہ لگایا کہ سود کتنا بے رحم نظامِ معیشت ہے۔ ہم اپنے گرد و پیش کے حالات کا جائزہ لیں، تو سود کی وجہ سے پسماندہ طبقے پر طرح طرح کے مظالم ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لوگ بینکوں، اداروں اور سود خور افراد کو اصل رقم سے کئی گنا زیادہ رقم کی ادائیگی کرنے کے باوجود مقروض ہی رہتے ہیں۔ قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے سود میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ نتیجتاً بطور ضمانت رکھی گئی جائیداد اور مکان تک سے مقروض ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایسے واقعات کی قلت نہیں کہ قرض خواہ اپنی زمینوں، دکانوں اور فیکٹریوں حتیٰ کہ رہائشی مکان سے ہاتھ دھو کر بے گھر اور بے کار و مددگار ہو گئے۔ یہ تو سود کا دنیوی نقصان ہے۔ جبکہ دینی

واخروی طور پر سود کبیرہ گناہ، حق تعالیٰ سے بغاوت، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلم کھلا اعلانِ جنگ ہے۔

سود سے متعلق قرآن مجید سے چند نصوص درج ذیل ذکر کی جارہی ہیں، جن سے اندازہ ہوجائے گا کہ سود کس قدر عظیم گناہ ہے:

۱)- اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ (البقرة:۲۷۶، ۲۷۷)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اُس شخص کی طرح اٹھیں گے، جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنادیا ہو۔ یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے کہا: "بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔" حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ گئی اور وہ (سودی معاملات سے) باز آ گیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔ اور اس (کی باطنی کیفیت) کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے پھر وہی کام کیا، تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ اللہ سود مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہگار ہو۔"

۲)- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرة: ۲۷۸، ۲۷۹)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اگر تم واقعی مومن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو۔ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے، تو اللہ اور

اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ اور اگر (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔"

۳)۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (آلِ عمران: ۱۳۰)

"اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔"

اب چند احادیث مبارکہ ذیل میں پیش کی جاری ہیں، جن سے سود کی حرمت کی حقیقت مزید واضح ہو جائے گی:

۱)۔ "لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهُ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ"

(مسلم۔ ابن ماجہ)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے، (سودی معاملات) لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔"

۲)۔ "وَعَنْ عبدِاللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلَائِكَةِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى الله عليه وسلم دِرْهَمُ رِبًا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتٍّ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً"

(مسند امام احمد: ۲۲۳۸)

"حضرت عبداللہ بن حنظلہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص جان بوجھ کر سود کا ایک درہم بھی کھاتا ہے، تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

۳)۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الرِّبٰوا سَبْعُوْنَ حَوْبًا، اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهُ"

(مشکوٰۃ المصابیح)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سود کے ستر اجزاء ہیں، جن میں سب سے ادنی درجہ یہ ہے کوئی آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے۔"

۴)۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"چار شخص ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔ نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور نہ ہی وہ جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھ سکیں گے۔"

۱)۔ شراب کا عادی شخص

۲)۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا

۳)۔ ناحق یتیم کا مال کھانے والا

۴)۔ سود کھانے والا۔"

(بیہقی، کتاب الکبائر)

وطن عزیز پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ اس کے آئین میں قرآن وسنت کو سپریم لاء تسلیم کیا گیا ہے۔ نیز ملک کی عدالت عظمیٰ، ملک سے سود کے خاتمہ کا فیصلہ دے چکی ہے۔ لیکن حکومتی حربے اس ایمان سوز مرض کے خاتمے میں روکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ حال ہی میں سپریم کورٹ پاکستان کے ایک فاضل جج کے سود کے بارے میں ریمارکس سے اسلامیانِ پاکستان کے دل زخمی اور مایوس ہوئے ہیں۔

ہمارے ملک کے جملہ اداروں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے احکامات کے مطابق ملک کے قوانین کی تشکیل کی جائے۔ شریعت مطہرہ کی پاسداری میں ہی فلاح ونجات اور دینی ودنیوی مشکلات کا حل موجود ہے۔ موجودہ حکومت کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ جلد ہی سود کے خاتمے کا اعلان کرے۔ اسلام کے معاشی نظام کو نافذ کرے اور ملک کو ایک حقیقی رفاہی مملکت بنائے۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" محرم، صفر ۱۴۳۷ھ/ اکتوبر، نومبر 2015ء)

ذرائع ابلاغ اور آزادیٔ اظہار رائے

روایت یا خبر حصول علم کا بنیادی ذریعہ ہے۔ یہ ذریعہ اتنا ہی قدیم ہے جتنی انسان کی تاریخ۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ علم کی جانب مائل بھی ہوتا ہے اور علم کی جستجو میں بھی رہتا ہے۔ اسے علم کبھی تو حواس خمسہ (آنکھ، کان، ناک، زبان اور چھونے) سے، کبھی عقل سے اور کبھی وحی سے حاصل ہوتا ہے۔ ان تینوں ذرائع سے حاصل ہونے والا علم انسان کے لیے مفید ہوتا ہے۔ تاہم جو یقین اور قطعیت وحی کے علم سے حاصل ہوتی ہے وہ پہلے دو ذرائع سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہرصورت تینوں ذرائع سے حاصل ہونے والا علم کسی شخصیت سے لینا اور دوسروں تک پہنچانا صرف اور صرف خبر یا روایت سے ہی ممکن ہوتا ہے۔

خبر و روایت کی ضرورت ہر زمانے میں رہی اور ہر زمانے میں ہی خبر یا روایت مروج رہی۔ جملہ آسمانی کتابیں بھی خبروں سے لبریز ہیں۔ قرآن کریم نے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حوا علیہا السلام، ملائکہ، شیاطین، جنات، خاصان خدا، راندہ درگاہ خدا، امم ماضیہ، انبیا و رسل، شہر و ممالک اور ماضی و مستقبل وغیرہ کی جا بجا خبریں بیان کی ہیں۔ قرآن کریم نے اپنی بیان کی گئیں خبروں کو "انباء الغیب" قرار دے کر اس کا ماخذ وحی کو قرار دیا۔

ذَالِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ○ (آل عمران:۴۴)

"(اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے رہے ہیں۔"

قرآن کریم نے ان امور کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے کو یوں بیان کیا:

...... قَدْ نَبَّأَنَا اللهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ...... (التوبہ:۹۴)

"...... اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کر دیا ہے......"

روز محشر زمین کے خبر دینے کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ○ (الزلزال:۴)

"اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتادے گی۔"

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مخبر صادق بن کر ہی مبعوث ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف ــــ یہ کہ زمین اور اہل زمین کی خبریں دیں بلکہ آسمان اور اہل آسمان کی خبریں بھی امت کو مرحمت فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے ساتھ آخرت، ظاہر کے ساتھ باطن اور ماضی کے ساتھ مستقبل کی خبریں ارشاد فرمائیں۔ جملہ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اخبار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا گیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی گئی ان خبروں کی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ خبر واخبار کا یہ آسمانی سلسلہ عہد آفرینش سے عہد رسالت تک جاری وساری رہا۔ عہد رسالت میں اس سلسلے کو بہت سی انسانی کوتاہیوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے اس شعبے کو مقدس و پاکیزہ بنادیا گیا۔ عہد رسالت کے بعد اس سلسلے کو باقاعدہ فن کا درجہ دے کر اس فن کی بالیدگی اور استحکام کے لیے خبر نقل کرنے والے لوگوں (راویوں) کے حالات پر مشتمل "فن اسماء الرجل" مدون کر کے اس سلسلہ کو باعتماد اور خبر کو درجہ صحت پر قائم رکھنے کے اقدامات کیے گئے۔ مرور زمانہ کے ساتھ خبر واخبار صحافت کا روپ دھار گیا اور معاملہ روایت حدیث سے تاریخ تک ــــ اور تاریخ سے تجزیوں اور تبصروں تک جا پہنچا ہے۔ روزانہ کی خبروں کو روزانہ کی بنیاد پر طبع اور نشر کرنے کا سلسلہ جاری ہوا، جو دراز ہوتے ہوتے تازہ ترین اطلاعات (بریکنگ نیوز) ٹی وی چینلز اور سماجی رابطہ کی ویب سائٹس تک جا پہنچا۔

انسانیت کی ضرورت کے اس مقدس شعبہ پر وقت گزرنے کے ساتھ جہاں ایک ــــ جانب داغ دھبے لگنا شروع ہوئے تو دوسری جانب اس فریضے سے متعلق افراد کی جانب ــــ سے مجرمانہ کوتاہیوں نے اس فن اور فن کے متعلقین پر انگلیاں اٹھانے کا موقع فراہم کیا۔ نتیجتاً ہر خبر کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ صداقت وحقانیت کے خوبصورت چہرے پر کذب ــــ و باطل کی دھندلاہٹ چھا گئی۔ ہر تجزیہ وتبصرہ ناقابل یقین ٹھہرا۔ نبوی اور مقدس شخصیات کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا راست گو لوگ بھی مطعون ہو کر رہ گئے۔ حق وباطل میں تلبیس ہوئی۔ زرد صحافت اور ضمیر

فروشی نے معاملہ مزید الجھا دیا۔ غیر ملکی قوتوں کی بعض ذرائع ابلاغ پر سرمایہ کاری کی اطلاعات نے عوام وخواص کو کرب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ جملہ مخفی امور، حال ہی میں ایک معروف ادارہ سے منسلک نامور صحافی جناب حامد میر صاحب پر قاتلانہ حملے کے نتیجے میں ان کے اور ان کے ادارے کی جانب سے دفاعی ادارہ پر الزامات کی بوچھاڑ اور وزارت دفاع کی جانب سے پیمرا میں زخمی صحافی کی جانب منسوب ٹی وی چینل کے لائسنس کی منسوخی کی درخواست کے بعد ظاہر ہو چکے ہیں۔ ذرائع ابلاغ بھی دو مختلف ذہنوں میں تقسیم ہو کر ملک کے دیگر طبقات کی طرح باہم منقسم نظر آتے ہیں۔ اس لیے ضروی محسوس ہوتا ہے کہ ذرائع ابلاغ کے لیے ضروری شرعی اصول ہدیہ قارئین کر دیے جائیں۔ نیز ذرائع ابلاغ کے لیے آزادیٔ رائے اور صحت رائے دونوں کی اہمیت بھی اجاگر کی جائے۔

۱)۔ خبر دینے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے متعلق وہ خبر دے رہا ہے، اسے اس کے بارے میں جملہ معلومات ہوں۔ ہمہ قسم شناسائی ہو۔ جب تک متعلقہ شخصیت، نظریہ یا مقام کے متعلق بصیرت نہیں تو ان کے بارے میں رائے قائم کرنا یا خبر دینا سراسر جہالت اور مبنی بر ظلم ہوگا۔ یہ رائے بھی ناقابل اعتبار اور لائق استرداد ہو گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص انجینئر ہے اور وہ کسی ڈاکٹر کے فنی امور میں ٹانگ اڑاتا ہے تو اسے قطعاً آزادی رائے کا اظہار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی صنعت کار کا کسی سرجن کے آپریشن سے متعلق مشورہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اسے اس فن سے کوئی سروکار نہیں۔ ہاں ڈاکٹر اور سرجن ہی اس کے بارے میں رائے زنی کا حق رکھتا ہے۔ اسی طرح کسی ممبر پارلیمنٹ، انسانی حقوق کی تنظیم کے کارکن اور کسی سیاستدان کا شریعت کے کسی حکم پر اعتراض کرنا بھی بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ناخواندہ شخص کا لکھنے والے کو کتابت کے بارے میں مشورہ دینا اور راہنمائی کرنا۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر فن کے ماہر ہوا کرتے ہیں۔ وہی اس فن کے بارے میں بہتر رائے قائم کر سکتے ہیں۔ ہر کسی کی رائے معتبر نہیں ہوتی۔ آخر عطائی ڈاکٹر، عطائی انجینئر اور اناڑی مستری سوائے لوگوں میں موت بانٹنے کے اور کیا خدمت سرانجام دیتے ہیں؟ بالکل

اسی طرح میڈیا سے منسلک ایسے افراد جو اسلام اور شریعت سے بالکل کورے ہیں، مسلم یا غیر مسلم صحافی جنہوں نے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آئینی حیثیت، مقام نبوت، عصمت و حفاظت کی حقیقت نہ جانی ہو، قرآن کریم میں مہارت تامہ، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گہری نظر اور دین میں فقاہت نہ ہو تو اُن کا اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان، مقدس شخصیات اور شریعت کے کسی حکم پر اعتراض یا رائے قائم کرنا بالکل حماقت اور عقل و دانش کے خلاف ہے۔

ماضی میں پاکستانی اور عالمی میڈیا نے حدود اللہ، شریعت کے نظام عقوبات، حکم جہاد اور بعض مقدس شخصیات کے بارے میں جو طرز عمل اپنایا ہے بلاشبہ وہ اپنے دائرہ کار سے تجاوز ہے۔ جسے کسی صورت آزادیٔ رائے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آخر ہولوکاسٹ جیسی بہت سی چیزوں کو دنیا ناقابل تعرض سمجھتی ہے تو اسلام کے ہر ہر حکم میں ٹانگ اڑانا کیوں ضروری ہے؟

۲)۔ خبر دینے والے کے لیے دوسری بڑی شرط اس کا صاحب عقل ہونا ہے۔ کسی دیوانے بچے اور کم عقل کی خبر کسی بھی طور پر قبول نہیں کی جا سکتی۔ ہاں اگر بچہ سمجھدار ہو اور بڑا ہو کر خبر دے تو اس کی خبر قبول ہوگی۔ لیکن اگر بچہ بچپن ہی میں کوئی خبر دیتا ہے تو اسے تحقیق کی چھلنی سے ضرور گزارا جائے گا۔ آج کل خبر دینے والے کے متعلق یہ پیمانہ بھی کمزور ہو کر رہ گیا ہے۔ ہر خبر پر کان دھرے جاتے ہیں اور اس پر توجہ نہیں ہوتی کہ خبر دینے والا کون ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ کو خبر کے ساتھ خبر دینے والے کے احوال مد نظر رکھنا اور اس کے لیے کوئی معیار قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۳)۔ خبر دینے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی قوت حافظہ درست ہو۔ اگر وہ عمر کے ایسے حصہ میں ہے کہ اس کی یادداشت ختم ہو کر رہ گئی ہے، یا وہ مختلف چیزوں میں خلط ملط کر دیتا ہے تو ظاہر ہے اس کی خبر میں صداقت یقینی نہیں رہے گی اور وہ غلط خبر رپورٹ کرے گا۔ غلط خبر نشر ہونے کی صورت میں جو ردعمل پیدا ہوگا یا جو ذہن اور تاثر

قائم ہوگا، اس کے نتائج ملک وملت کو کیسے بھگتنے ہوں گے، یہ حقیقت سب کے سامنے ہے۔

۴)۔ خبر دینے والے شخص کا اچھی شہرت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص خبر دے رہا ہے جو مجروح ہے، اسے ماہرین فن دروغ گو، قلم وزبان کا تاجر، سیم وزر کا پجاری قرار دیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی خبر کی کیا حیثیت ہوگی؟ ہم گذشتہ سطور میں بھی یہ تحریر کر چکے ہیں اور اس کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں کہ رپورٹر اور تجزیہ کار کا ایک معیار قائم کرنا ضروری ہے۔ اور صحافت کے پیشے سے منسلک شخصیات کو زبان وقلم کے تقدس کے پیش نظر اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ اس مقدس فریضے میں مصروف عمل اداروں کو بھی رضا کارانہ طور پر اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کرنا ان کے تقدس کا حصہ ہے۔ احتساب کے لیے ایسے غیر سرکاری اور غیر جانب نجی اداروں کا ہونا ضروری ہے جو جملہ ذرائع ابلاغ، رپورٹرز، تجزیہ کار یا تبصرہ نگار کا جائزہ لیتا رہے۔ ملک وملت، دین ومذہب کے غداران کے خلاف اسلام اور مسلم دشمن مواد پر کڑی نظر رکھنے کے ساتھ اس کی نشان دہی بھی کرتا رہے۔ ذرائع ابلاغ کی تنظیمیں ایسی کالی بھیڑوں کو اپنی صفوں سے نکالتے رہیں۔ نیز یہ ادارہ آزادئ اظہار رائے کا تحفظ بھی یقینی بنائیں۔ جابر وظالم قوتوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور مظلوم کی آواز بلند کرنے کے لیے اقدامات کرتا رہے۔ الغرض توازن کے ساتھ اس شعبے کی نگرانی کر کے اس کے تقدس کو پروان چڑھانا ضروری ہے۔

۵)۔ ذرائع ابلاغ کے متعلق جملہ شخصیات کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا مواد نشر کرنے سے اجتناب کریں جو باعث شر انگیزی، باعث فساد ہو یا اخلاق وتہذیب کا قاتل ہو۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس شعبے سے متعلق لوگوں کے تساہل اور محض ریٹنگ بڑھنے کی حرص کی وجہ سے ملک میں بے راہ روی، فحاشی، عریانی، معاشی جرائم میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ جرائم پر جرأت بڑھی ہے۔ معمولی واقعہ کو غیر معمولی خبر بنانے کے لیے اہمیت کے ساتھ نشر کرنے سے نہ صرف ملک وملت کی دنیا بھر میں

بدنامی ہوتی ہے بلکہ برائیوں میں اور اضافہ ہوتا ہے۔قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا۝ (النساء:۱۴۸)

’’(اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ زبان پر لائی جائے، الا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو) اس لیے ہمیں اپنے معاشرے،تمدن، اقدار اور ملکی وقار کا ضرور لحاظ رکھنا ہوگا۔‘‘

۶)۔ ذرائع ابلاغ میں وطن کے مختلف طبقات کے لیے ایک ہی معیار قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ایک طبقے کو چیونٹی کاٹے تو آسمان سر پر اٹھالیا جائے اور دوسرے طبقے کو تہہ تیغ کردیا جائے تو کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو، یہ سراسر ناانصافی اور ذرائع ابلاغ کے معیار کے منافی ہے۔کسی ایک طبقے کے افکار کی ترویج یا مخصوص نظریے کی اشاعت اور اس پر اصرار، من پسند افراد کو منظر نامہ پر لانا اور صلاحیتوں کے حامل غیر پسندیدہ افراد کو پس منظر میں رکھنا یا ان کی آواز کو دبانا بھی ہمارے ذرائع ابلاغ کا افسوسناک عمل ہے۔جس کو کسی صورت آزادیٔ اظہار رائے اور صحافت کے اصولوں کے مطابق نہیں قرار دیا جاسکتا۔اس رویے میں تبدیلی سے ان شاء اللہ ہمارے ذرائع ابلاغ کا معیار بلند ہوگا اور ملک وقوم میں تعمیری فکر پروان چڑھے گی۔ان شاء اللہ

(تاریخ اشاعت ’’ماہنامہ صدائے فاروقیہ‘‘ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/مئی 2014ء)

فحاشی و عریانی کی ترویج
اور ہماری ذمہ داریاں

ایک عرصہ سے اسلام و کلمہ طیبہ کے نام اور دو قومی نظریہ کے فلسفہ پر معرض وجود میں آنے والی مملکتِ خداداد "پاکستان" کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے، اسلامی اقدار کو مسخ کرنے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو مغرب کے حیاء باختہ کلچر میں بدل دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا جا رہا ہے، عرصہ دراز سے لادین قوتیں اپنے غیر ملکی آقاؤں کی سرپرستی میں اس تگ و دو میں لگی ہوئی ہیں کہ کسی بھی طرح سے اس ملک کی اسلامی، دینی، مذہبی اور مشرقی الغرض ہر قسم کی اساسی شناخت کو نہ صرف ختم کیا جائے بلکہ اس ملک کو خالصتاً سیکولر اور لادین ریاست کا درجہ دلایا جائے، اس وطن کے باسی بھی مادر پدر آزاد ہوں، ان کا لباس، وضع قطع، فکر و نظر اور بود و باش ہمہ قسم طور طریقے مغربی اور غیر اسلامی بن جائیں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے ان شیطانی قوتوں نے جہاں ایک جانب آئین پاکستان سے اسلامی دفعات کے اخراج، پاکستان کے نام سے "اسلامی جمہوریہ" کے خاتمہ، حقوق نسواں کے نام پر آزاد خیالی، بے راہ روی اور ہم جنس پرستی جیسے خبیث اور مکروہ اعمال کو قانونی جواز فراہم کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں بل پاس کروانے کی کوششیں کیں وہاں ان مقاصد کے حصول کے لئے معاشرہ کو بے راہ روی اور بدکاری میں مبتلا کر کے نسل نو کو بگاڑنے کے لئے بھی ہر ممکن اقدام کئے ہیں، ان شیطانی قوتوں کے مغربی آقا مذکورہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لئے منصوبہ بند پالیسی مسلط کر چکے ہیں، نیز اس پالیسی کے لئے لاکھوں ڈالر کی رقم صرف کی جا رہی ہے، صیہونی آلہ کاروں کی اس جہد مسلسل کی وجہ سے گذشتہ دو دہائیوں کے دوران معاشرہ میں جس قدر تیزی سے تبدیلی آئی ہے اس کی مثال ماضی میں ملنا مشکل ہے، فحاشی و

عریانی کے فروغ کے لئے جس قدر تدابیر اختیار کی جارہی ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، حالات کی سنگینی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص جس کے اندر عقل وشعور موجود ہے، وہ اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی چینلز پر تفریح کے نام سے نشر ہونے والے پروگرام تک نہیں دیکھ سکتا، حتیٰ کہ ارباب حکومت میں سے بھی بہت سی شخصیات اسی قسم کے احساسات کا اظہار کر چکی ہیں، نوبت جب یہاں تک پہنچ گئی ہے تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کو کس طرح مسلمانوں کے رگ وپے میں اتارنے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ بے حیائی کے اس سیلاب کے سامنے بند کیوں نہیں باندھا جاتا؟ حالانکہ اس نے باشندگان پاکستان کے ایمان، عمل، حیا، غیرت، عزت الغرض دین ودنیا کو برباد کر دیا ہے، نسل نو تباہی کے دھانے پر ہے، جوانیاں اور عزتیں لٹ چکی ہیں، شہوانیت کے بھوت نے ثقافت، تمدن، تہذیب مذہب سبھی کو روند ڈالا ہے، فیشن شو، ڈراموں، ایڈورٹائزمنٹ، اشتہارات، میراتھن ریس، سنڈے میگزین، رسائل، جرائد، پورٹریٹ اور مختلف اشیاء کے پیکٹوں پر شائع شدہ نیم عریاں تصاویر، ٹی پروگراموں میں مردوزن کے غیر شائستہ اور ناقابل بیان مناظر، انٹرنیٹ پر دستیاب فحش مواد اور اس کی باسہولت دستیابی، یہ سبھی اشیاء فحاشی وعریانی کے بحر بیکراں کا حصہ بن چکی ہیں، سرکاری اداروں میں خواتین ومرد کے بلا روک ٹوک اختلاط اور عورتوں مردوں کا ایک ہی دفتر میں سینئر جونیئر کی صورت میں باہم ڈیوٹی سرانجام دینے جیسے معاملات نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ ملکی آئین میں خواتین کی اسمبلیوں میں نمائندگی کا مخصوص کوٹہ نیز بااختیار طبقہ کا لیڈی سیکریٹری رکھنے کا فیشن اس بے حیائی کے فروغ کا ایک اور دروازہ ہیں۔ ہم جنس پرستی کا نعرہ، تحفظ نسواں کے نام پر بننے والے غیر اسلامی اور غیر فطری قوانین اور اس خوبصورت نعرہ کے پس منظر میں مزید دین کش اقدامات کے حکومتی عزائم اور موبائل کمپنیوں کے نائٹ پیکجز وغیرہ معاشرتی بے راہ روی کو مزید فروغ دے رہے ہیں۔

فحاشی وعریانی، زنا کا موجب ہیں، زنا وبدکاری عذاب الٰہی کا ذریعہ اور فساد فی الارض کا سبب ہے، قرآن کریم نے جابجا فحاشی کی مذمت فرمائی، ذیل میں ایسی چند آیات بطور نمونہ

پیش کی جا رہی ہیں۔

۱)- إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ (النحل:۹۰)

''بے شک اللہ انصاف کا، احسان کا، اور رشتہ داروں کو (اُن کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔''

۲)- الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ (البقرہ:۲۶۸)

''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمھیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے؛ اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے۔''

۳)- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ (النور:۲۱)

''اے ایمان والو! تم شیطان کے پیچھے نہ چلو، اور جو شخص شیطان کے پیچھے چلے، تو شیطان تو ہمیشہ بے حیائی اور بدی کی تلقین کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے، پاک صاف کر دیتا ہے، اور اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز جانتا ہے۔''

۴)- وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ (الانعام:۱۵۱)

”اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی، اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اسے کسی برحق اور شرعی وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آجائے۔“

۵)- وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل:۳۲)

”اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔ وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔“

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فواحش، زنا، بدکاری کی جو قباحتیں اور مذمتیں بیان فرمائی ہیں انہیں بھی ایک نظر ملاحظہ فرمائیں:

” عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوذُ بِاللهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا جَعَلَ اللهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ “

(سنن ابی ماجہ:۴۰۱۹)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے

سامنے تشریف لائے، پھر فرمایا، "اے مہاجرین کی جماعت! پانچ کاموں میں جب تم مبتلا کردیے جاؤ گے تو......اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان پانچ کاموں کو پاؤ۔ کسی قوم میں اعلانیہ فحاشی ظاہر نہیں ہوتیں مگر (ان کی پاداش میں) اس قوم کے اندر طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے بڑوں میں نہیں پائی جاتی تھیں، کوئی قوم ناپ تول میں کمی نہیں کرتی مگر قحط سالی، شدید مشقتوں اور حکومتی جبر سے ان کی سرزنش کی جاتی ہے، جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان سے بارش روک لی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر جانور نہ ہوں تو بالکل ہی بارش نہ برسے، جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے توڑتی ہے تو یقیناً اللہ ان پر بیرونی دشمن مسلط کرتے ہیں، جو ان کی بعض ملکیتی اشیاء غصب کرلیتے ہیں، اور جو لوگ اللہ کی کتاب پر فیصلہ نہیں کرتے اور اللہ کے اتارے ہوئے احکام کو پسند نہیں کرتے تو اللہ ان کی لڑائیاں انہی کے درمیان کردیتے ہیں۔"

لیجئے! اس حدیث سے ہمارے اکثر مسائل کا سبب اور حل بھی دریافت ہوگیا، آج سے چند برس پہلے تک حفظانِ صحت کے اصول وضوابط کی رعایت تھی نہ غذا اور خوراک پر کوئی خاص تحقیق، صاف پانی کا اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ ہی جراثیم کش ادویات، اس کے باوجود وہ بیماریاں جو آج ظاہر ہورہی ہیں کبھی سنی بھی نہ گئی تھیں، مہلک اور متعدی بیماریوں کی شرح اور ان کی وجہ سے غیر طبعی اموات بھی نہ ہونے کے برابر تھیں، آج دل، جگر اور گردہ کی بیماریاں وبا کی شکل اختیار کرچکی ہیں، ڈینگی جیسے نئے مرض نے قوم کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے، بعض علاقوں میں ہر تیسرا آدمی کالے یرقان میں مبتلا ہے، یقیناً ان اسقام سیئہ اور خطرناک بیماریوں کا حقیقی سبب وہی ہے جو اس حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہ ہے اعلانیہ بے حیائی، فحاشی اور عریانی۔

اس فحاشی وعریانی کے سدباب کے لئے پوری قوم پر انفرادی واجتماعی طور درج ذیل اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جنہیں پورا کرنا نہایت ہی ضروری ہے، بصورت دیگر جس قدر

دینی ودنیوی انحطاط ہوگا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا:

۱)۔ پوری قوم بے حیائی کے سیلاب کے خلاف صف آرا ہوکر حیاباختہ، نام نہاد ثقافت کا بائیکاٹ کرے۔

۲)۔ فحاشی، عریانی پھیلانے والے اخبارات وجرائد کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے، ایسے اخبارات وجرائد دفاتر اور گھروں میں داخل نہ ہونے دیے جائیں جو فحاشی پھیلانے میں کردار ادا کررہے ہیں۔

۳)۔ ایسے ٹی وی چینل جو مغرب پرستی اور قوم کو مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانے میں مصروف عمل ہیں نہ صرف ان کا بائیکاٹ کیا جائے بلکہ دردمندانِ وطن انھیں اشتہارات اور تعاون دینے سے بھی گریز کریں، تاکہ انہیں یہ احساس دلایا جاسکے کہ وہ ایک برائی کی تحریک کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

۴)۔ باشعور اور دیندار صحافی بھی ایسے چینلز کا بائیکاٹ کریں۔

۵)۔ کمپنیوں کے مالکان اپنی اشیاء کی تشہیر کے لیے اپنے ایمان وعمل اور قوم کے ایمان و عمل کے تحفظ کے لئے غیر شرعی ذرائع استعمال کرکے اپنے رزق کو حرام کے ساتھ آلودہ نہ کریں۔

۶)۔ والدین اپنے بچوں کی مناسب تربیت اور دیکھ بھال کا انتظام کریں، نیز بچوں کو، اخلاق بگاڑنے والی جملہ اشیاء سے حتی الامکان محفوظ رکھا جائے۔

۷)۔ اہل علم، اہل قلم اور اہل لسان اپنی تقریر وتحریر میں فحاشی وعریانی کے نقصانات سے نسل نو کو آگاہ فرمائیں۔

۸)۔ حکومتی سطح پر ایسے اقدامات اٹھائے جانے کی ضرورت ہے جس سے اس سلسلہ کو روکا جاسکے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے اگر مندرجہ ذیل اقدامات پوری نیک نیتی کے ساتھ اٹھائے جائیں تو اس سے نہ صرف یہ کہ پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا بلکہ معاشی طور پر استحکام کے ساتھ ساتھ بیماریوں سے پاک، صحت مند قوم پروان چڑھے گی۔

الف)۔ مخرب اخلاق ویب سائٹس کو بند کرنے کے لئے انٹرنیٹ فلٹریشن کا مضبوط نظام۔

ب)۔ فحش مواد پر مشتمل ٹی وی چینلز اور کیبلز پر پابندی اور بھاری جرمانے کے ساتھ ساتھ لائسنس کی منسوخی۔

ج)۔ پانچویں جماعت سے اوپر مخلوط تعلیم پر پابندی۔

د)۔ اداروں میں مرد و زن کی ملازمتوں کے لئے الگ الگ انتظامات۔

ر)۔ قوم کی نسل نو کے دینی اور قومی تشخص کی حفاظت کے لیے معتبر اور باعمل علماء کا میڈیا پر سلسلہ وار درس کا انتظام۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر عمل کی توفیق نصیب فرمائیں اور ہم سب کو اس مخرب اخلاق اور حیا باختہ تہذیب سے نبرد آزما ہو کر ایمانی، اسلامی، قومی اور تہذیبی اقدار کے تحفظ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" محرم، صفر ۱۴۳۴ھ/ دسمبر، جنوری 2012-13ء)

کیا پیری مریدی شریعت سے مبرا ہے؟

ہدایت وضلالت کا سلسلہ روزِ اول سے جاری و ساری ہے اور تا محشر جاری رہے گا، ہر دور میں رحمانی قوتیں انسانیت کی کامیابی کے لیے کوشاں رہیں تو دوسری جانب شیطانی چیلے راہ شیطان پر گامزن گمراہیاں بانٹتے رہے، شیطان ملعون جب راندہ درگاہ ہوا تو اس نے رب العالمین سے دھمکی آمیز انداز میں کہا تھا:

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ
وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ (النساء:۱۱۹)

"اور میں انہیں راہ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انہیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔"

چنانچہ شیطانی مکروفریب ہر دور میں انسانی گمراہی کا سبب بنا ہے، اہل علم نے شیطان کے مکروفریب کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں، اس عیار و مکار دشمن کا طریق واردات عالم کے لیے الگ اور جاہل کے لیے الگ ہے، یہ لعین مسلمانوں پر وار دیگر طریقے سے کرتا ہے اور غیر مسلموں پر دیگر طریقے سے، اس مردود لعین کا انداز مسلمانوں کے لیے جدا اور غیر مسلموں کے لیے جدا ہے، یہ کبھی فلاسفر کا روپ دھارتا ہے تو کبھی جھوٹے نبی کا، کہیں نقلی مولوی کا روپ اختیار کرتا ہے تو کہیں جعلی پیر کی صورت میں نمودار ہو کر پیری مریدی کے جال میں اپنی گمراہیوں کو چھپا لیتا ہے۔ الغرض اس مردود کے جال بھی بے شمار ہیں اور اس کے شکار کے طریقے بھی بے شمار، یہ عیار و مکار لوگوں کو اپنے دام میں لاتا ہے اور محسوس بھی نہیں ہونے دیتا، انسان اپنے آپ کو راہِ خیر پر گامزن جانتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ راہِ شر پر چل نکلا ہوتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل کے حوالہ سے جو پیشین گوئیاں

فرمائی تھیں ان میں ایسے جعلی مذہبی پیشواؤں کا بھی ذکر ہے جو عوام کو گمراہ کریں گے اس ضمن میں عوام کو ان سے دور رہنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ذیل میں چند احادیث پیش خدمت ہیں:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنَ فِی آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ. يَأْتُوْنَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ، وَلَا آبَاؤُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ، لَا يُضِلُّوْنَكُمْ، وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ

(رواہ مسلم)

''حضرت ابوہریرۃؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آخری زمانہ میں ایسے فریب دینے والے اور جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمھارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمھارے آباء واجداد نے سنا ہوگا!!! لہٰذا ان سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ تاکہ وہ تمھیں نہ گمراہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔''

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا، يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا

(صحیح بخاری:۱۰۰)

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ لوگوں (کے دل و دماغ) سے اسے نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھالے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری زمانہ میں کچھ ایسے بھی مذہبی راہنما نمودار ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے جو پہلے کسی نے نہ کی ہوں گی، ایسی باتیں لوگوں نے سنی ہوں گی اور نہ ہی انکے آباؤ اجداد نے، یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ بظاہر یہ راہبر ہوں گے اور حقیقت میں راہزن، جھوٹ بولنا انکا وطیرہ ہوگا، حق و باطل میں تلبیس اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کرنا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا، گویا کہ یہ شعبدہ باز قسم کے لوگ ہوں گے جہالت میں غرقاب یہ بہروپیے مفتیوں کا روپ دھار کر فتوے بھی دیں گے، ان کے رگ و ریشہ میں خواہش ہوس رچی بسی ہوگی، یہ لوگ خواہش کے بندے اور غلام ہوں گے، خواہشات و لذات کے لیے دین کو بدل دینا ان کے لیے کوئی مشکل مسئلہ نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں عصر حاضر کے حالات کا جائزہ لیں تو یہ پیشین گوئیاں حرف بحرف پوری ہوتی نظر آرہی ہیں، طریقت اور پیری مریدی کے نام پر بے شمار جاہل، فاسق و فاجر، بدعقیدہ و بدعمل لوگ دکانیں سجائے عوام الناس کو گمراہ کن عقائد و اعمال میں منہمک کر کے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں، بعض کی بداعتقادی کا یہ عالم ہے کہ اپنے آپ کو مسجود بنا کر مریدین کے لیے اپنا سجدہ "ادب شیخ" کا لازمی جز قرار دیتے ہیں، اپنے تئیں "شارع" ہونے کا منصب بھی رکھتے ہیں، چنانچہ دین کے مسلمہ اصول وضوابط کی من مانی تشریح کر کے دین کی عمارت یکسر منہدم کر دینے کی جسارت کرتے ہیں، قرآن کریم کے حکم "اقامۃ الصلوٰۃ" میں تاویلیں گھڑ کر خود بھی بے نمازی مرتے ہیں اور جاہل مریدین کو بھی صلوٰۃ و زکوٰۃ سے محروم کر کے بے عمل بناتے ہیں، بعض نے "پیری" کو اگر نبوت سے بڑھایا نہیں تو عملاً نبوت کے برابر ضرور قرار دیا ہوا ہے، گویا کہ جس شخص نے پیر نہیں بنایا وہ کافر ہو کر مرا۔

بعض اپنے معتقدین کو یہ باور کراتے ہیں کہ مرشد اور پیر کے لیے احکام جدا ہوتے ہیں جبکہ عوام الناس کے لیے جدا، لہٰذا پیر صاحب مسجد نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں یا وہ نماز نہ پڑھیں، سود، جوئے، زنا، شراب جیسے جرائم کا ارتکاب کریں تو وہ مرفوع القلم ہیں، ان سے کوئی باز پُرس نہ ہوگی، نیز یہ کہ مرید کے اہل خانہ کا پیر سے کوئی پردہ نہیں ہوتا، پیر کی ہر خواہش کی تکمیل مرید کا فریضہ ہوا کرتی ہے، روز محشر پیر ہی نجات کا باعث ہوگا، پیر صاحب کو بہر حال راضی رکھنا

ضروری ہے، خواہ وہ خلاف شرع امور کا حکم فرمائیں، بعض بدباطن پیروں نے تو اپنے مریدین کی داڑھیاں تک منڈوا دیں، نماز کے متعلق یہ تصور پیش فرمایا کہ نماز دل کی ہوتی ہے نیز یہ کہ پیر صاحب یہاں نہیں بلکہ روحانی طور پر مدینہ میں نماز ادا کرتے ہیں، نیز قرآن میں ''اقامت صلوٰۃ'' کا حکم ہے نماز پڑھنے کا نہیں اور اقامت صلوٰۃ کا مطلب تو نظام قائم کرنا ہے۔ یہ تاثر بھی معاشرہ میں ابھارا گیا کہ شریعت وطریقت کی راہیں جدا ہیں، اہل طریقت نعوذ باللہ شریعت سے ماوراء ہوتے ہیں، مولویوں، ملاؤں کو شریعت کا علم تو ہوسکتا ہے طریقت سے یہ نابلد ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایسے خرافات ہیں جو معاشرہ میں جہلاء کے ذہن میں سمو دیے گئے ہیں، حقیقت میں ان نظریات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلاشبہ طریقت ثابت بالسنۃ اور طریقہ اولیاء ہے، صحبت صالحین اور مرشد کامل سے تعلق بھی اصلاح نفس کا بڑا ذریعہ ہے، ہمارے سلف وخلف اصلاح کے سلاسل اربعہ میں سے کسی نہ کسی سلسلہ میں منسلک ہو کر صاحب نسبت ٹھہرے ہیں، جملہ سلاسل حق اور درست ہیں لیکن یہ سمجھنا کہ ''طریقت، شریعت سے متضاد دیگر شے ہے'' نری جہالت اور ضلالت ہے، شریعت وطریقت کا منبع اور ماخذ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معلم بھی تھے اور مرشد بھی، علم ظاہر سے مالامال بھی اور علم باطن کے حامل بھی، تعلیم وتعلم، فقہ وحدیث، تفسیر وتاویل، استنباط واجتہاد کی جملہ اقسام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کے فیض سے امت کو نصیب ہوئیں، تو ذکر ومراقبہ، مجاہدہ وریاضت، اخلاص وللہیت، احسان وسلوک کی جملہ کرنیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وجود مسعود سے پھوٹی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شریعت وطریقت کی تعلیم کے لیے کوئی الگ الگ جماعتیں تشکیل نہیں دیں بلکہ جملہ صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ شریعت کے بھی حامل تھے اور طریقت کے بھی حامل تھے، گویا دونوں جماعتیں شریعت وطریقت کی حامل تھیں، یہی وجہ ہے کہ ان سے فیض صحبت حاصل کرنے والے لوگ اس گمراہی سے محفوظ رہے کہ ہم طریقت کے حامل ہیں لہٰذا ہمیں شریعت کی ضرورت نہیں، امت کے اندر ہر دور میں اولیاء اللہ اور اصحاب طریقت کی کمی نہیں رہی، آج تک کسی حقیقی بزرگ اور کامل ولی نے اس طرح کے جاہلانہ دعوے نہیں کیے۔ اگر شریعت سے کسی کو

استثناء حاصل ہوتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہوتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم ربانی ہے:۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ○ (العنکبوت:۴۵)

"(اے پیغمبر) جو کتاب تمھارے پاس وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے، اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو۔ بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سب کو جانتا ہے۔"

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا○ (بنی اسرائیل:۷۸)

"(اے پیغمبر!) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو، اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔"

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰی اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰی يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ○ (یونس:۱۰۹)

"اور جو وحی تمھارے پاس بھیجی جا رہی ہے تم اس کی اتباع کرو اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ کوئی فیصلہ کر دے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○

(الانعام:۱۴۵)

"(اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ "جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لیے حرام ہو،

الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا جو ایسا گناہ کا جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور ہو جائے، جبکہ وہ نہ تو لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو، اور نہ ہی ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک آپ کا رب بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○ (الاحقاف:۹)

"میں کسی اور چیز کی نہیں، صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔ اور میں تو صرف ایک واضح انداز سے خبردار کرنے والا ہوں۔"

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ (الحجر:۹۴)

"لہٰذا جس بات کا تمھیں حکم دیا جا رہا ہے اسے علی الاعلان لوگوں کو سنا دو اور جو لوگ (پھر بھی) شرک کریں، ان کی پروا مت کرو۔"

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (التحریم:۱)

"اے نبی جو چیز اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہے تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟ اور اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔"

یہ جملہ آیات بتلاتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ جیسے جملہ احکامات کا پابند بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑا صاحب طریقت کون ہوگا، حضرت علی المرتضیٰؓ سے بڑا بزرگ اور کون ہو سکتا ہے، امت میں سیدنا سلمان فارسیؓ، حضرت اویس قرنیؒ، بایزید بسطامیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جیسے اولیاء میں سے کوئی ایک بھی ایسے نہیں جنھوں نے شریعت کے کسی حکم سے اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھا ہو یا کسی کو مستثنیٰ قرار دیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سمیت سبھی داڑھی رکھتے تھے، سبھی پابند صوم وصلوٰۃ تھے،

سبھی علمِ شریعت سے آشنا تھے، سبھی قرآن کریم کے قاری تھے، سبھی شرک و بدعت سے کوسوں دور تھے، سبھی کبائر وصغائر سے پرہیز کرتے تھے، سبھی کو قربِ خداوندی کی نعمت ملی تھی البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو معصوم اور خاتم المعصومین تھے۔ ان سب فضائل ومناقب کے باوجود کسی ایک شخصیت سے بھی شریعت وطریقت کا یہ من گھڑت فرق ثابت نہیں۔ مشہور بزرگ اور صوفی حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے بھی اسی طرح کے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا، تو انہوں نے حکیمانہ اسلوب میں بڑا خوبصورت جواب دیا، علامہ عبدالوہاب شعرانی نے یہ واقعہ اپنی کتاب ''الیواقیت والجواہر'' میں کچھ اس طرح نقل کیا ہے:

وقد سئل ابو القاسم الجنيد رضي الله عنه عن قوم يقولون بإسقاط التكاليف ويزعمون ان التكاليف انما كانت وسيلة الى الوصول وقد وصلنا فقال رضي الله عنه صدقوا في الوصول ولكن الى ا لسقر، والذي يسرق ويزني خير ممن يعتقد ذالك. ولو اني بقيت ألف عام ما نقصت من اورادي شيأ الا بعذر شرعي

(الیواقیت والجواہر:۱۳۹)

''ابوالقاسم جنید بغدادیؒ سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو شریعت کی پابندیاں ختم ہوجانے کے قائل تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ شرعی پابندیاں تو صرف ''وصول'' (خدا تعالیٰ تک پہنچنے) کا ذریعہ ہیں اور ہم تو پہنچ (واصل بن) چکے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں، یہ واقعی پہنچ چکے ہیں مگر جہنم کی طرف......!!! چوری اور زنا کرنے والا بھی اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے سے بہتر ہے!!! اگر بالفرض میں ہزار سال بھی زندہ رہوں تو اپنے وظائف میں شرعی عذر کے بغیر کچھ بھی کمی نہیں کروں گا۔''

مشہور بریلوی عالم مولانا احمد رضا خان بریلوی اس موضوع پر بڑی وضاحت سے

لکھتے ہیں:

"شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں باہم اصلاً کوئی اختلاف نہیں، اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اگر سمجھ کر کہے تو گمراہ، بددین"

(فتاویٰ رضویہ)

معلوم ہوا کہ جو لوگ مذہبی راہنما بن کر شریعت کے تارک اور باغی ہیں، دوسروں کو احکام شرع سے منع کرتے ہیں حقیقت میں وہ خود گمراہ اور گمراہ کن ہیں، یہی لوگ ہیں جنھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "دجال" فرما کر ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔

گزشتہ دنوں ایک صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ فلاں پیر صاحب کا یہ کہنا ہے کہ:

"تین شخصیتیں لائق اتباع ہیں:

۱)۔ اللہ ۲)۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۳)۔ مرشد (نعوذ باللہ)

اللہ اور رسول تو ایک ہیں نیز رسول وفات پا چکے لہٰذا اب پیر ہی واجب الاتباع ہے۔"

یہ جاہلانہ نظریہ پورے دین کی عمارت کو گرانے کے مترادف ہے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وحدت کا نظریہ عیسائیت کا ہے، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نیز دین کے چار اصول، قرآن، سنت، اجماع اور قیاس شرعی سے یکسر روگردانی کر کے صرف "پیر" کی رٹ لگانا نری گمراہی ہے۔ پیر اور مرشد بھی دین پر جمانے کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ دین سے باغی بنانے کے لیے، پیر و مرشد کا احترام بھی حصول فیض کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا"

(جامع ترمذی ۹۸۷)

"اگر میں کسی کے لیے سجدہ کی اجازت دیتا تو عورت کو شوہر کے سجدہ کی

اجازت دیتا۔"

اہل علم فرماتے ہیں کہ جس پیر کا عمل خلاف سنت ہو وہ ولی نہیں ہوا کرتا، خواہ ہوا میں اُڑتا ہوا ہی کیوں نہ دکھائی دے۔ بعض جہلاء نے پیر و مرشد بنانے کے لیے اپنی طرف سے یہ معیار بنا رکھا ہے کہ "فلاں کی دعا کی وجہ سے میرا کام ہو گیا تھا" پھر ایسے لوگوں کے حکم پر شریعت کے باغی بن جاتے ہیں، حقیقت میں کسی کو شیخ و مرشد بنانے کا یہ معیار نہایت ہی خطرناک ہے، جملہ کام بنانے اور حاجات پوری کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، جو لوگ بتوں کو پوجتے ہیں تو کام ان کے بھی ہو جاتے ہیں، یہود و نصاریٰ، مجوس اور مشرکین جو غیر اللہ سے مانگتے ہیں تو کام انکے بھی ہو جاتے ہیں، کیا اس معیار کے مطابق غیر اللہ کو معبود مان لیا جائے گا؟ دجال لوگوں کی ہر فرمائش پوری کرے گا کیا دجال کو مرشد بنا لیا جائے گا؟ حالانکہ دجال کے فتنہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے، اس طرح کے نام نہاد پیر عام طور پر سحر و جادوگری سے کام لیتے ہوئے اپنے مریدین کو گرویدہ بناتے ہیں، اس لیے اس طرح کے خود ساختہ معیارات سے نہایت ہی خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ شیخ و مرشد بنانے کے لیے معیار اتباع سنت اور تقویٰ ہے جس شخصیت میں جتنا زیادہ تقویٰ، گناہوں سے اجتناب، شریعت پر عمل اور اتباع سنت پائی جاتی ہے وہ اتنا ہی مقرب الٰہی ہے۔

ہمارے یہاں ایک جاہل اور بد عمل پیر نے تو یہاں تک بک دیا کہ "جس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنی ہو وہ میری زیارت کر لے"، یہ ایسی گستاخی ہے کہ اگر اسلامی حکومت قائم ہوتی تو اس شخص کو ارتداد کی شرعی سزا کے تحت قتل کر دیا جاتا۔ مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ہماری ان لوگوں کی خدمت میں گزارش ہے جو کسی جاہل پیر کے دام میں پھنس کر تارک صلوٰۃ بن چکے ہیں یا داڑھیاں منڈوا چکے ہیں، مسجدوں سے بیزار ہیں یا قرآن پاک کو پس پشت ڈال کر خرافات میں مبتلا ہیں وہ سچی توبہ کر کے ایمانی راستہ پر واپس آ جائیں، ایسے شعبدہ باز جو دنیا کے تمام امور میں معاون ہوں لیکن دین کے باغی ہوں یا باغی بنائیں ان سے اظہارِ برأت، اخروی نجات کے لیے بہت ضروری ہے ورنہ روز حشر تو لاتعلقی کا اعلان کرنا ہی پڑے گا لیکن اس وقت یہ برأت بے سود ہوگی، قرآن کریم میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ○ (البقرۃ:۱۶۷)

"اور جنہوں نے ان (پیشواؤں) کی پیروی کی تھی، وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک مرتبہ پھر (دنیا میں) لوٹنے کا موقع دے دیا جائے، تو ہم بھی ان (پیشواؤں) سے اسی طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے لاتعلقی کا اعلان کیا ہے۔"

وَقَالُوْا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○

(الاحزاب:۶۷)

"اور کہیں گے کہ: "اے ہمارے پروردگار! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا، اور انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا۔"

ایسے پیشوا یقیناً اس شعر کے مصداق ہیں:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازیگر کھلا

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/ مارچ 2012ء)

غامدی فتنہ

قرب قیامت میں فتنوں کا ظہور اور گمراہی و بے دینی کے عروج کی پیشین گوئی احادیث میں بکثرت وارد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرب قیامت میں رات کے اندھیروں کی طرح فتنہ کے نزول کی خبر ارشاد فرمائی، نیز فتنہ کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم ہوگا کہ لوگ صبح کو مسلمان اور شام کو کافر ہوں گے۔ چنانچہ جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا ہے، یہ حقیقت عوام و خواص کے مشاہدہ میں آتی جارہی ہے، نت نئے فتنے صادر ہورہے ہیں، راسخ العقیدہ اور راسخ العمل لوگ آنکھ جھپکنے میں فتنوں کا شکار ہورہے ہیں، جاہل تو جاہل ہیں، کئی عالم اور مفتی بھی ان چکا چوند فتنوں میں مبتلا ہونے میں دیر نہیں لگاتے، وہ آنکھ جھپکنے اور رخ پھیرنے کی دیر میں اپنی سابقہ علمی و عملی کاوشیں، اپنے آباؤ اجداد کی ایمانی، فکری، عملی تحقیقات و نظریات کو یکسر نظرانداز کرتے، بلکہ انہیں ردی کے ٹوکرے میں پھینکتے ہوئے فتنوں کے وکیل اور محافظ نظر آتے ہیں۔

"اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذٰلِکَ"

برصغیر پر غیر ملکی تسلط کے بعد سے اب تک آئے روز فتنوں میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے، اہل حق ابھی ایک فتنہ کی علمی سرکوبی میں مصروف ہوتے ہیں تو دوسرا فتنہ سر اٹھالیتا ہے۔ اہل فکر و دانش ابھی اس فتنہ کے افکار و نظریات کا بغور جائزہ لینے میں مصروف ہوتے ہیں تو تیسرا فتنہ منصۂ شہود پر آجاتا ہے، ان فتنوں کو اسلام دشمن عناصر کی مکمل پشت پناہی، غیر ملکی استبداد کی مکمل سرپرستی، پاکستان کے مقتدر طبقوں کی جانب سے مکمل حوصلہ افزائی اور جدید و برقی ذرائع تک مکمل رسائی حاصل ہوتی ہے۔ برق رفتاری سے نت نئے نظریات و افکار فروغ دے کر دین میں تحریف و تبدیلی کا عمل جاری و ساری ہے۔ مقصد اس سب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین، چودہ سو سالہ اجماعی مسائل اور متفقہ نظریات میں تشکیک پیدا کرکے، اہل

ایمان کے ایمان میں نقب لا کر انہیں دین سے برگشتہ کرنا، ماہرین شریعت سے عوام الناس کو دور کرنا، اسلاف واکابر پر بداعتمادی کے ذریعے پورے ذخیرہ علم وعمل کو ناقابل اعتماد قرار دے کر اسلام اور اسلام پسندوں سے مغرب اور مغربی نظریات کو نجات دلانا ہے۔

اٹھارہویں صدی میں برطانوی سامراج کے خلاف برصغیر میں اسلامیان ہند سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے، تو انگریز نے مسلمانوں سے جذبہ جہاد سلب کرنے اور انہیں اپنے راستہ سے ہٹانے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی جیسی شخصیات کو کھڑا کر کے یہ مقاصد حاصل کرنے کی مذموم کوشش کی، مرزا غلام احمد قادیانی نے انکار ختم نبوت کرتے ہوئے، شریعت اسلامیہ سے بغاوت کر کے، ایک طرح کی نئی شریعت پیش کی تو دوسری جانب غلام احمد پرویز، اسلم جیراج پوری، عنایت اللہ مشرقی جیسے ملحدین نے انکار حدیث کا فتنہ بپا کر کے پورے دین کی عمارت ڈھانے کی سعی لاحاصل کی۔ فرقہ پرست مولویوں کی حوصلہ افزائی کر کے تفریق امت کی بھی پوری پوری کوشش کی گئی، چنانچہ ایک طرف تو انگریز کے خلاف برسرِ پیکار علماء ومشائخ پر گستاخی و کفر کے فتوے لگوائے گئے تو دوسری جانب ایک طبقہ سے حلف وفاداری لے کر ایک نئے مسلک کا عنوان ونام رجسٹرڈ کیا گیا اور اس سے انگریزی استعمار کے مقابل ڈٹ جانے والوں کے اسلاف واکابر اور ان کے نظریات کو شرک وکفر قرار دلوایا، گویا کہ اہل حق کو ہر طرح سے تنہا کرنے اور ناکام کرنے کے سارے حربے آزمائے گئے۔

پرانے شکاریوں نے نیا جال لگا کر پھر سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمہ گیر اور ہمہ جہت جنگ شروع کی، یہ جنگ جغرافیائی، نظریاتی، فکری، معاشی اور سیاسی طور پر ہمہ گیر، ہمہ جہت جنگ ہے، جو دنیا بھر میں دہشت گردی، انتہا پسندی، انسانی حقوق کی خلاف ورزی، آزادی اظہار رائے اور جدت پسندی جیسے خوبصورت ناموں سے لڑی جارہی ہے، ان خوبصورت نعروں کے پس منظر میں صرف ایک ہی ایجنڈا کارفرما ہے اور وہ ہے "اسلام دشمنی"۔

اس مقصد کے لیے افغانستان، پاکستان، عراق، بنگلہ دیش، شام، فلسطین، کشمیر، بوسنیا، برما، یمن، لیبیا، الغرض! دنیا بھر میں خون مسلم سے ہولی کھیلی جارہی ہے، تہذیب کی جنگ میں بھی مسلم معاشرہ میں غیر مسلم اور حیاء باختہ مغربی تہذیب کو بزور بازو، بزور دولت اور بذریعہ میڈیا

اور این جی اوز مسلط کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے جنسی تعلیم، مرد و زن کے اختلاط اور آزادی نسواں کے پر فریب نعرے لگائے جا رہے ہیں، خاندانی نظاموں کو تباہ و برباد اور عفت و حیاء پر مبنی معاشرہ کو شکست و ریخت سے دو چار کیا جا رہا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ اصل قرآن اور متوارث سنت، اسلام دشمن عناصر کو کسی صورت قبول نہیں، گویا کہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ہمنواؤں کو شریعت اسلامیہ اور اسلام کے ہاتھوں ماضی کی اٹھائی ہوئی ہزیمتوں نے، اسلام کے خلاف صف آرائی کرنے پر مجبور کیا، اب انہیں ہر طرح سے اسلام کو ختم کرنا ہے اور مسلمان کو بحیثیت مسلمان ختم کرنا ہے، اس لیے دورِ حاضر میں مرزا غلام احمد اور غلام احمد پرویز کی طرح ایک شخصیت درکار تھی، سو انہیں وہ شخصیت جناب جاوید احمد غامدی کی شکل میں دستیاب ہوگئی، جنہوں نے اپنے فن و مہارت کے ذریعہ مستشرقین و ملحدین میں سے متعدد گمراہ شخصیتوں کے افکار اور نظریات کا سرقہ کر کے، ایک نیا فتنہ ترتیب دیا اور پاکستان کے فوجی آمر جناب پرویز مشرف کے عہد میں انہیں میڈیا اور اسلامی نظریاتی کونسل میں لا کر اس فتنہ کی خوب آبیاری کی گئی۔ موصوف نے بڑی مہارت کے ساتھ دین کے نام پر دین کا انکار کیا، شریعت سے بغاوت کر کے ایک نئی شریعت کی تدوین و ترتیب اور قیام کی ضرورت پر زور دیا، سنت محمدیہ مطہرہ کا کھلے عام انکار کر کے گویا اپنی سنت و شریعت کا غیر اعلانیہ دعویٰ کر ڈالا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو کام مرزا غلام احمد قادیانی نے اعلان نبوت کے ذریعے کرنے کی کوشش کی، وہ خدمت جناب غامدی صاحب انکارِ سنت اور شریعت کے نئے ماڈل کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ غامدی صاحب کے ہاتھوں کی صفائی کی داد دیجیے کہ جو باتیں مرزا غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز کی زبانی لوگوں نے نہ مانی بہت سے علم کے دعویداروں نے وہ سب باتیں جناب غامدی کی زبانی تسلیم کر لیں۔ مثلاً:

۱)۔ نزولِ مسیح علیہ السلام اور حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے، مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ نے اس کا انکار کیا اور اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کی کوشش کی، امت نے مرزا کے اس دجل کا پردہ چاک کیا، جناب غامدی صاحب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے دعویدار ہیں اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قطعی قائل نہیں۔

۲)۔ پرویزی، قادیانی وغیرہ زنا کی شرعی سزا ''رجم'' کے منکر ہیں، جناب غامدی بھی اسی فکر کے بے باک داعی اور ترجمان ہیں۔

۳)۔ ملحدین، مرتد اور گستاخ رسول کی شرعی سزا کے منکر ہیں اور یہی فکر جناب غامدی صاحب کی ہے۔

۴)۔ منکرین حدیث، صرف قرآن کریم کی حرام کردہ اشیاء کی حرمت کے قائل ہیں اور بس۔ جناب غامدی صاحب کے عقیدے میں بھی کھانے کی صرف چار چیزیں حرام ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے (۱) خون (۲) مردار (۳) سور کا گوشت (۴) غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور کوئی چیز حرام نہیں۔

۵)۔ شراب نوشی کی سزا کے انکار میں ملحدین کے ساتھ غامدی صاحب بھی پیش پیش ہیں۔

۶)۔ غلبہ دین کی معروف آیات قرآنی ''لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ'' کے مفہوم میں تحریف بارے بھی جملہ ملحدین مساوی ہیں، ان سب کے نزدیک صرف سرزمین عرب میں دین کا غلبہ مراد ہے، دنیا بھر میں دین کا غلبہ اس آیت کا مصداق نہیں۔

۷)۔ منکرین حدیث اور غامدی صاحب دونوں اجماع امت کی حجیت کے منکر ہیں اور قریب قریب یہی طرز قادیانیوں کا بھی ہے۔

۸)۔ غلام احمد پرویز زکوٰۃ کی شرح اور نصاب کو حتمی نہیں سمجھتے اور غامدی صاحب بھی اسی فکر کے حامل و داعی ہیں۔

۹)۔ غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز اور جاوید احمد غامدی، حکم جہاد کے انکار میں بھی مشترک ہیں۔

۱۰)۔ یہ حضرات عورت کے شرعی پردہ کے بھی منکر ہیں۔ غامدی صاحب کے نزدیک تو خواتین کا سر پر دوپٹہ اور حجاب بھی کوئی شرعی حکم نہیں ہے، افسوس! کہ ضلالت و گمراہی کے مذکورہ بالا نظریات کو بعض ایسی شخصیات نے بھی قبول کر لیا، جن کی قادیانیت اور پرویزیت کے خلاف علمی و عملی کاوشوں کی پوری ایک تاریخ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دجال اکبر میں سے بہت سے دجال اصغر جنم لے رہے ہیں، جن کے دجل کی وجہ

سے بہت سے لوگوں کی آنکھوں پر پٹی آگئی ہے، اس وجہ سے انہیں حق اور طریقِ حق نظر نہیں آیا یہ لوگ "لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا" کے مصداق بنتے جا رہے ہیں۔

چند سال قبل ایک صاحب کمپیوٹر کی U.S.B میں ایک ریکارڈنگ لائے اور احقر کو سنائی، یہ جناب غامدی صاحب کا احقر کے ساتھ پہلا تعارف تھا، ریکارڈنگ ایک ٹی وی پروگرام میں سوالات کے جوابات کی تھی، ایک خاتون، منصب شریعت پر فائز، ایک خود ساختہ شارع جناب غامدی صاحب سے گویا ہوئی کہ جنت میں ایک مرد کو بہتر حوریں ملیں گی تو میں خاتون ہوں تو کیا میرا حق نہیں ہے کہ مجھے بھی جنت میں بہتر مرد ملیں؟ اس بے باکانہ اور حیا باختہ سوال پر غامدی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کی خواہش ہوئی تو آپ کو بھی بہتر خاوند ملیں گے (العیاذ باللہ) قارئین! غامدی صاحب کی اس فکر کا اندازہ کیجئے کہ وہ اس غیر فکری، غیر شرعی عمل کو بھی جنت میں روا رکھ رہے ہیں، حالانکہ ایسی کوئی غیر فطری خواہش تو جنت میں پیدا ہی نہیں ہوگی، چہ جائے کہ ایسا غیر فطری عمل جنت میں ہو۔

مغرب کی طرح جناب غامدی صاحب بھی آزادیٔ نسواں کے علمبردار اور گویا کہ مغرب کے ہی نمائندہ ہیں، ان کے نزدیک:

۱)۔ خاتون، مرد حضرات کی امامت کرا سکتی ہیں۔

۲)۔ عورت کے لیے برقعہ/ دوپٹہ کوئی شرعی حکم نہیں۔

۳)۔ عورت کی نصف شہادت کا قرآنی حکم بس دستاویزی شہادت کے لیے ہے، ورنہ واقعات کی شہادت میں خاتون کی شہادت مرد کے برابر ہے۔

۴)۔ خاتون نکاح خواں بھی ہو سکتی ہے۔

۵)۔ دیت میں مرد و زن کا کوئی فرق نہیں وغیرہ۔

جناب غامدی صاحب کے نظریات کا حاصل و خلاصہ چند چیزیں ہیں۔

۱)۔ حضور علیہ السلام کے افعال و اعمال آپ کی ذاتی پسند ہیں یا عرب کا کلچر ہے، لہٰذا یہ صفات، افعال و اعمال نبوی، شریعت و دین نہیں، اسی لیے موصوف مسنون وضع قطع،

لباس، داڑھی، پردہ وغیرہ کے منکر ہیں۔

۲)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور حاکم جو نظام مملکت قائم فرمایا وہ "عرب تمدن" تھا، نہ کہ شریعت کا حکم اور نہ ہی بعد کے لوگوں کے لیے اس پر عمل ضروری، اس عرف اور آج کے "عرف" میں نمایاں فرق ہے، لہٰذا آج کے عرف کے مطابق یہ قانون بدلے جا سکتے۔ العیاذ باللہ!

۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ بس اسی زمانے کے لیے تھی، بعد کے لوگوں کے لیے نہیں، لہٰذا آج کے متمدن زمانہ میں (معاذ اللہ) اس سنت پر عمل پیرا ہونا مشکل ہے۔

۴)۔ خلافت راشدہ کا نظام قبائلی نظام تھا۔

اہل علم نے غامدی صاحب کے مذکورہ بالا نظریات کا علمی انداز میں مدلل رد فرمایا ہے۔

ہم اپنے اس مضمون میں بس اتنا عرض کرنے پر اکتفاء کریں گے کہ غامدی صاحب اور ان کے ملحد و بے دین آقاؤں پر دین اسلام کی جو حقیقت پندرہ سو سال بعد منکشف ہوئی، کیا ان سے پہلے بھی کسی نے اس کو بھانپا؟ قرآن کریم نے اطاعت رسول اور احادیث میں سنت نبوی کی تعمیل کا حکم دیا، کیا قرآن وسنت نے اس مقصد کے لیے زمانہ کی حد بندی فرمائی؟ غامدی صاحب کے مذہب کے مطابق ہر تہذیب وعلاقہ کی الگ شریعت ہوگی، اس لیے کہ ظاہر ہے ہر علاقہ وخطہ کا کلچر جدا ہے، کیا دین کی آفاقیت وہمہ گیریت باقی رہے گی؟ وہ کتنے سال تک کے لیے نئی شریعتوں کی تدوین فرمائیں گے؟۔

کیا غامدی صاحب یا ان کا کوئی نمائندہ یہ بتا سکتا ہے کہ امم سابقہ وشرائع سابقہ میں کوئی نظیر ایسی ہے کہ احکام شریعت کی زمانہ یا علاقہ کے لحاظ سے الگ الگ تقسیم کی گئی ہو؟ غامدی صاحب کے ان افکار کی روشنی میں گویا کہ ایک نیا دین جنم لے گا، جس کا خاکہ غامدی صاحب کی فکر کے مطابق کچھ یوں نظر آتا ہے۔

۱)۔ اسلام محض ایک برکت کی چیز ہوگی، ورنہ تو یہود ونصاریٰ بھی اگر توحید پرست ہوں اور اعمال صالحہ کریں تو وہ بھی جنتی ہی سمجھے جائیں گے، یوں وحدت ادیان کا خواب پورا ہو جائے گا۔

۲)۔ اسلام کا ایک نیا کلمہ اردو، انگلش اور دیگر زبانوں میں تشکیل پائے گا۔

۳)۔ ایک نئی نماز تشکیل دی جائے گی، جس میں شاید ہر کوئی اپنی مادری زبان میں تلاوت وادعیہ واذکار ادا کرے گا۔

۴)۔ زکوۃ کا بھی نیا ڈھانچہ، نیا نصاب اور نئی حد بندی ہوگی۔

۵)۔ حج کے احکام بھی چونکہ غامدی صاحب کے نزدیک پرانے کلچر کے مطابق ہیں، لہذا اپنے کلچر کے مطابق غامدی صاحب ماڈرن حج بھی شاید معروف کرانے کی کوشش فرمائیں گے۔

۶)۔ احکام فری معاشرہ ہوگا، جس میں مردوں کو لباس وشکل کی کھلی آزادی ہوگی، خواتین بھی برقعہ، حجاب، دوپٹہ کی پابندیوں سے مستثنٰی ہوں گی۔ اس رنگین معاشرہ میں مرد بے ریش اور خواتین بے حجاب ہوں گی، مردوں کے تسلط کا خاتمہ ہوگا۔ خواتین بھی امام وخطیب اور نکاح خواں ہوں گی۔

۷)۔ معاشرہ کی رنگینی میں اگر کوئی مے نوشی کرنا چاہے تو شریعت میں کوئی سزا مقرر نہ ہوگی۔

۸)۔ اگر کوئی شخص بارگاہ رسالت میں توہین کا ارتکاب کرے، تو ملاؤں کی بیان کردہ سزائے موت کے خاتمہ کا بھی اعلان ہوگا۔

۹)۔ قادیانی، بہائی، گوہر شاہی، یوسف کذاب جیسے مرتدین غامدی صاحب اور ان کی جماعت کے بھائی قرار پائیں گے، کیونکہ ان کے نزدیک کتنے ہی گمراہ کن نظریات کیوں نہ ہوں کسی کی تکفیر نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ کام نبی کا ہے اور وہ دنیا میں ہیں نہیں۔

۱۰)۔ اسلامی سزائیں بھی غامدی شریعت میں از سر نو تشکیل پائیں گی۔

۱۱)۔ غامدی صاحب کی نئی طبع شدہ تفسیر قرآن سے متصادم امت کا چودہ سو سالہ علمی ذخیرہ بھی شاید دریا برد کیا جائے گا۔

قارئین! یہ ہے غامدی فکر کے مطابق دین کا نیا ڈھانچہ! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ غیر اعلانیہ طور پر شارع بن کر ابھرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فتنہ سے محفوظ فرمائیں۔ آمین!

(تاریخ اشاعت" ماہنامہ صدائے فاروقیہ" صفر المظفر ۱۴۳۶ھ/ دسمبر 2014ء)

شجر کاری
دین و دنیا کے تناظر میں

اہل دانش جانتے ہیں کہ مملکت خداداد "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ان چند ممالک اور خطوں میں سے ایک ہے، جہاں بڑی تیزی سے موسمیاتی تبدیلیاں واقع ہورہی ہیں۔ ان موسمیاتی تبدیلیوں میں چند چیزیں عوام وخواص کے مشاہدہ میں ہیں مثلاً:

۱)۔ گرمی کی شدت میں اضافہ۔

۲)۔ موسم سرما میں بتدریج کمی۔

۳)۔ بارشوں کی قلت۔

۴)۔ بے موسمی بارشیں۔

۵)۔ غیر متوقع سیلاب اور پانی۔

۶)۔ غیر متوازن موسم اور آب وہوا۔

ان سب چیزوں کا اصلی اور حقیقی سبب تو انسانیت کی بڑھتی ہوئی ضلالت، عصیان، حق تعالیٰ کی نافرمانی اور استغفار کا نہ ہونا ہے، بلاشبہ حق تعالیٰ سبحانہ جب اپنے بندوں سے ناراض ہوتے ہیں، تو وہ اپنی رحمت روک لیتے ہیں اور بندہ جب خالق حقیقی کی جانب التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جملہ رحمتیں بھی اسی کی طرف متوجہ ہوجاتی ہیں۔ بارشیں، موسم، زمین سب موافق ہوجاتی ہیں اور انسان کی الٹی بھی سیدھی ہوجاتی ہے، لیکن جب اللہ جل شانہ ناراض ہوتے ہیں تو سب کچھ ناموافق ہوجاتا ہے، یہ تو ہے موسمیاتی تبدیلیوں کا باطنی سبب۔ ان سب امور کا ظاہری سبب تیز رفتاری کے ساتھ جنگلات کا خاتمہ، درختوں کی کٹائی اور نئے درختوں کی کاشت کی

جانب توجہ کا نہ ہونا ہے۔ درخت اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہیں، جن کے ساتھ دنیا میں بھی رفاقت ہے اور جنت کی تو پہچان ہی باغات اور درختوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ درخت جنت کا بھی ساتھی ہے، درخت، انسانوں، جانوروں چرند و پرند بلکہ درندوں کی بھی حقیقی ضرورت ہیں۔ درندوں کی تو زندگی ہی جنگلات اور درختوں کی مرہون منت ہے۔ جب سے جنگلات کا خاتمہ شروع ہوا، یہ درندے آہستہ آہستہ معدوم النسل ہوتے جا رہے ہیں، یہ درخت، انسانی آکسیجن، سایہ، پھل اور ٹھنڈک کا بھی ذریعہ ہیں۔ محققین کے مطابق درختوں کی بدولت انسان سانس لیتے ہیں۔ درخت آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔ نیز چرند و پرند اور انسان، چلچلاتی دھوپ میں درخت کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں، انہیں کی بدولت ہماری غذا و خوراک، ایندھن اور فرنیچر وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ شجرکاری انسانی ضرورت ہے اس لیے قرآن و سنت نے اپنے پیروکاروں کو شجرکاری جیسی عظیم نیکی کی جانب متوجہ کیا ہے۔ ذیل میں اس حوالہ سے قرآن و سنت کی ہدایت پیش کی جا رہی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے درختوں اور در پھلوں کے مختلف ذائقوں کو اپنی نشانی قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ○ (الرعد:۴)

"اور زمین میں مختلف قطعے ہیں جو پاس پاس واقع ہوئے ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں، جن میں سے کچھ دہرے تنے والے (ایک ہی جڑ سے کئی تنے نکلے ہوئے ہیں) ہیں، اور کچھ اکہرے تنے والے۔ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، اور ہم ان میں سے کسی کو ذائقے میں دوسرے پر فوقیت دے دیتے ہیں۔ یقیناً ان سب باتوں میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں"۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے درختوں کو اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت قرار دیا ہے،

ارشاد فرمایا:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ○ (النمل:۶۰)

''بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر ہم نے اس پانی سے بارونق باغ اگائے، تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکتے۔کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ نہیں! بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) ان لوگوں نے ہی حقیقی راستے سے منہ موڑ رکھا ہے''۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شجرکاری کو ایسا نیک عمل قرار دیا ہے جس کا اجر انسان کو دنیا سے جانے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، صحیح مسلم میں حدیث ہے:

"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ"

(صحیح بخاری:۲۳۲۰)

''جو بھی مسلمان درخت لگائے یا کھیت کاشت کرے، پھر اس سے پرندے، انسان یا جانور کھائیں، تو اس کے بدلے اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے''۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ، دمشق میں شجرکاری فرما رہے تھے، ان کے پاس سے ایک شخص گزرا اور کہنے لگا کہ آپ صحابی رسول ہو کر یہ عمل کر رہے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کر، اس سلسلہ میں میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بتاتا ہوں۔میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس شخص نے درخت لگایا اور اس درخت سے انسان یا کسی اور مخلوق نے کھایا تو یہ لگانے والے کے لیے صدقہ ہوگا۔

اہل علم نے شجرکاری کو صرف صدقہ ہی نہیں بلکہ صدقہ جاریہ قرار دیا ہے، صدقہ جاریہ

سے مراد وہ صدقہ ہے جس کا اجروثواب دنیا سے جانے کے بعد بھی جاری رہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش خدمت ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سات اعمال کا اجر مرنے کے بعد قبر میں بھی جاری رہتا ہے۔

۱)۔ علم سکھانا

۲)۔ نہر جاری کروانا

۳)۔ کنواں کھدوانا

۴)۔ کھجور (درخت) لگانا

۵)۔ مسجد کی تعمیر کروانا

۶)۔ کسی کو قرآن کریم دے دینا

۷)۔ ایسی اولاد چھوڑ جانا جو والدین کے لیے ان کے جانے کے بعد بھی استغفار کرتی رہے۔"

(بیہقی)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا وجہ جنگلات یعنی درخت کاٹنے سے منع فرمایا ہے، آپ جب کسی لشکر کو جہاد کے لیے بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے کہ درختوں کو نہ کاٹنا، اور دشمن کے گھروں کو نہ گرانا۔ سنن ابی داؤد اور نسائی میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی بیری کے درخت کو (بلا وجہ) کاٹ ڈالا، اللہ تعالیٰ اس کے سر کو جہنم میں لٹکائیں گے۔ شراح حدیث نے اس حدیث کی وجہ سے دوسرے کے درخت کو بلا اجازت کاٹنے سے منع کیا۔ بعض فقہاء نے فرمایا یہ وعید ایسے درخت کے کاٹنے پر ہے جس کے سایہ اور پھل سے انسان اور جانور نفع مند ہوتے ہوں، اس لیے کہ ایسے درخت کا ظلماً کاٹنا ناجائز ہے۔ بعض اہل علم نے جنگلات اور درخت کاٹنے کو "فساد فی الارض" سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (البقرۃ:۲۰۵)

"اور جب اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا"۔

معلوم ہوا کہ بلا وجہ جنگلات اور درختوں کو کاٹنا "فساد فی الارض اور دہشت گردی" ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ملک بھر سے تیزی کے ساتھ جنگلات کا خاتمہ اور باغات میں کمی ہمارا قومی المیہ ہے۔ اسی وجہ سے گرمی کا اضافہ اور موسمیاتی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ جنگلات کے خاتمے سے حیوانی زندگی کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ بڑھتے ہوئے درجہ حرارت سے نہ صرف زندگی اجیرن بنتی جا رہی ہے بلکہ برف پوش پہاڑ اور گلیشئر بھی تیزی سے پگھل رہے ہیں، جس سے ایک طرف غیر متوقع اور غیر موسمی سیلابوں کا خطرہ بڑھ رہا ہے تو دوسری جانب درجہ حرارت میں بھی مزید اضافہ ہونے لگا ہے، ایسے میں ضروری ہے کہ شجرکاری کی مہم کو تیز سے تیز تر کیا جائے، نیز جنگلات کی حفاظت کا مؤثر انتظام ہو اور بلا وجہ سرسبز وشاداب جنگلات کو کاٹنے اور انہیں ہاؤسنگ کالونیوں میں بدلنے پر سخت پابندی لگائی جائے، خلاف ورزی کرنے والوں کو قانونی شکنجہ میں جکڑا جائے، نیز درخت لگانا صرف حکومت کی ہی نہیں بلکہ عوام کی بھی ذمہ داری ہے، شجرکاری اپنے گھروں کی فارغ زمین، خالی پلاٹوں اور زرعی زمینوں میں بھی کی جا سکتی ہے، یہ سلسلہ آخرت کے ساتھ دنیا کے لیے بھی رزق اور نفع کا ذریعہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اپنے بیٹوں کو حکم کرو کہ "کاتنے" کی کاشت کریں اس سے فقر دور ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو دنیا میں رہتے ہوئے جنت میں بھی شجرکاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔ شب معراج کے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا: اپنی امت کو میری طرف سے سلام دیجیے اور انہیں بتائیے کہ جنت چٹیل میدان ہے، اس کے درخت اور پودے "سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ" اور "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنت میں بھی شجر کاری کی ضرورت ہے، اگرچہ وہ شجر کاری ذکر اللہ کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔ نیز احادیث میں ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے نتیجے میں جنت کے اندر طویل ترین سایہ دار درخت اگنے کا ذکر ہے، جس کے نیچے عربی گھوڑا ایک سو سال تک دوڑتا رہے تو بھی اس کا سایہ ختم نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ شجر کاری دنیا کی بھی ضرورت ہے اور آخرت اور جنت کی بھی، اس لیے بحیثیت قوم اور بحیثیت مسلمان، ہمیں اس قومی اور دینی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم خود بھی اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی موسمیاتی تبدیلی کی ان تباہ کاریوں سے بچانے کا انتظام کر سکیں۔

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ/ اگست 2018ء)

توہین قرآن کریم بائبل کی بھی توہین ہے

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی سیاسی، معاشی، اخلاقی، معاشرتی پستیاں، ناکامیاں اور ذلتیں دیکھنے کے بعد بالآخر وہ دن بھی دیکھنا پڑا کہ ان کی مقدس کتاب، آسمانی صحیفہ، اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام، کتابِ انقلاب، امتِ مسلمہ کے آئین ودستور اور ایسی کتاب جو اہلِ اسلام کے نزدیک کائنات میں سب سے مقدس، واجب الاحترام ولائق صد تکریم ہے، جس مقدس کلام کو مسلمان طہارت و وضو کے بغیر مس کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں، جس کی تلاوت و سماعت کو عبادت اور زیارت کو باعثِ اجر وثواب گردانتے ہیں، جسے پستی کا واحد علاج، اقوامِ عالم کی دینوی، اُخروی ہدایت کا ذریعہ، امن کا چارٹر، انسانی حقوق کا پیغام، عدل وانصاف کا سرچشمہ، معیشت ومعاشرت کا متوازن ومساوی ضابطہ، علم ورُشد کا منبع ومورد، کتبِ سابقہ، توراۃ، زبور، انجیل اور تمام صحیفوں کا خلاصہ اور نچوڑ، ادیانِ سابقہ کی مسخ شدہ تعلیمات کا احیاء، اقوامِ عالم کی تاریخ کا خلاصہ، روزِ حشر تک کے حالات وواقعات کا اشارہ، حق وصدق، وحی وتنزیل، احسن الحدیث، قرآن وفرقان سمجھتے ہیں، ایسی مقدس کتاب کو امریکی پادریوں نے نہایت ہی دریدہ دہنی اور ڈھٹائی کے ساتھ ایک گھنٹہ تک مٹی کے تیل میں ڈبوئے رکھنے کے بعد اپنے تئیں سزائے موت سناتے ہوئے آگ لگادی اور جلتے ہوئے قرآنی نسخے کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنائیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

اس سلسلہ میں روزنامہ اسلام مورخہ ۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ بمطابق ۲۲؍مارچ ۲۰۱۱ء بروز منگل کی خبر ملاحظہ ہو:

"فلوریڈا (آن لائن) امریکی ریاست فلوریڈا میں چرچ کے اندر قرآن پاک کے نسخے کو (نعوذ باللہ) نذرِ آتش کردیا گیا۔ بھارتی ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق ستمبر میں قرآن پاک کو نعوذ باللہ جلانے کا اعلان کرنے والے ملعون

عیسائی مبلغ ٹیری جونز نے اپنے ناپاک منصوبے پر عمل درآمد کر دیا۔ رپورٹ کے مطابق فلوریڈا کے ایک چھوٹے چرچ میں عیسائیوں کی جیوری نے 10 منٹ تک قرآن پاک کے سزا و جزا کے احکام کے حوالے سے بحث کی جس کے بعد اس جیوری نے خباثت کا اظہار کرتے ہوئے نعوذ باللہ قرآن پاک پر مقدمہ چلایا اور فردِ جرم عائد کرتے ہوئے پھانسی کی سزا سنائی۔ اس موقع پر کلام اللہ کو ایک گھنٹے تک مٹی کے تیل میں ڈبوئے رکھا گیا اور نکال کر پیتل کے ایک ٹرے میں چرچ کے عین درمیان رکھا گیا۔ چرچ کے پادری نے ملعون ٹیری جونز اور چند دیگر ملعونوں کی موجودگی میں قرآن پاک کے نسخے کو آگ لگا دی۔ اس موقع پر چند لوگوں نے جلتے قرآن مجید کے نسخے کے ہمراہ فوٹو بھی بنوائے۔ ملعون ٹیری جونز کا کہنا ہے کہ میں نے ستمبر میں مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ وہ اپنی کتاب کی حفاظت کر لیں اور اس کا دفاع کریں لیکن مجھے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تو میں نے سوچا کہ حقیقی سزا دیے بغیر حقیقی ٹرائل نہیں ہو سکتا اس لیے میں نے قرآن پاک کو (نعوذ باللہ) سزا دے دی ہے۔ واضح رہے کہ اس ناپاک تقریب میں شرکت کے لیے عوام کو بھی دعوت دی گئی تاہم صرف 30 لوگوں نے شرکت کی جبکہ گینز ویلے شہر میں زندگی معمول کے مطابق چلتی رہی۔''

اس خبر کو سن اور پڑھ کر تب سے اب تک پورا عالمِ اسلام مضطرب، پریشان اور دل گرفتہ ہے، دنیا میں ڈیڑھ ارب مسلمان کرب و الم سے دوچار ہیں۔ پچاس سے زائد اسلامی ممالک کے باشندگان غم و غصہ کی وجہ سے انگلیاں کاٹ رہے ہیں۔ اسلامی سکالر، قائدین، راہنمایانِ امت اسے کھلی دہشت گردی قرار دے رہے ہیں، پوری دنیا میں اس اندوہناک واقعہ کے خلاف احتجاج کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔

اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی بے حسی پر ان ممالک کے اپنے شہری خود بھی حیران و پریشان ہیں۔ اتنی بڑی جسارت کے ارتکاب پر بھی ان امریکی غلاموں کو غیرت نہیں آئی، کسی بھی ملک نے باضابطہ قابلِ ذکر احتجاج نہیں کیا، کسی بھی اسلامی ملک سے امریکی سفیر کو دیس نکالا نہیں

دیا گیا، کسی بھی حکومت نے اس خونخوار بھیڑیے کو روکنے کی ہمت نہیں کی، کسی ملک نے بھی سفاک دشمن پر اپنی مصنوعات کے دروازے بند نہیں کیے، بلکہ بھی اپنی اپنی نوکری بچانے کی دھن میں مصروف و مگن ہیں۔ اے کاش!...... امتِ مسلمہ کے قائدین، امتِ مسلمہ کی ترجمانی کا صحیح فریضہ سرانجام دیتے ہوئے اس ''عالمی دہشت گرد'' کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر جھنجھوڑتے تو شاید اسلامیانِ عالم اس زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

امریکی پادریوں کی یہ نام نہاد جیوری اور اس میں چلایا جانے والا مقدمہ اور العیاذ باللہ سنائی جانے والی سزا کیا عدل وانصاف کے تقاضے پورا کرتی ہے؟ دنیا کے کسی بھی مذہب و قانون میں اس طرزِ عمل کی گنجائش موجود ہے؟ اس انداز کو کسی بھی ملک کا انصاف پسند شہری، شرافت سمجھتا ہے؟

اس جیوری میں مدعی کون ہے؟ مدعا علیہ کون ہے؟ کیا آسمانی صحیفہ پر دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے؟ اگر دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے تو دعویٰ اس کتاب کو نازل کرنے والے پر کیوں نہ دائر کیا گیا؟ کیا کوئی بدبخت اللہ تعالیٰ کے خلاف مقدمہ دائر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو بھی نعوذ باللہ سزا سنانے کی جسارت کرے گا؟ ''إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ'' ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب وانتقام والے ہیں''، کیا فیصلہ صادر کرنے والا جج باقاعدہ جج ہے؟ اسے ٹرائل کا اختیار کس نے دیا؟ سنائی جانے والی سزا کس قانون کا حصہ ہے؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں جن کا امریکی کبھی جواب نہیں دے سکیں گے۔

امریکیوں کی یہ قرآن دشمنی پہلی دفعہ ہی دنیا کے سامنے نہیں آئی اس سے قبل بھی امریکی فوجی متعدد بار توہینِ قرآن کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابوغریب، عراق کی جیل میں قرآن کریم کو بیت الخلاؤں میں پھینکا گیا، افغانستان میں بھی امریکیوں کی جانب سے توہینِ قرآن کے واقعات ریکارڈ ہوئے۔ امریکی تحریفِ قرآن کی بھی کوششوں میں مصروف ہیں۔ امریکہ اور اس کے گماشتوں نے قرآن کریم کی ان سورتوں کو جو احکامِ جہاد پر مشتمل ہیں، قرآن کریم سے نکال دینے کا مطالبہ بھی بعض اسلامی ممالک سے کیا تھا، یہ لوگ آج بھی افغانستان میں قرآنی نظام

کے خاتمہ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ سینکڑوں عیسائی ادارے آج بھی قرآن کریم پر اعتراضات کر کے تشکیک پھیلا رہے ہیں۔ ان وجوہ واسباب کی بنیاد پر ہم یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ مسلم حکمرانوں کی طرف سے علاقی طور پر امریکیوں کے خلاف مذمتی قرار دادیں صرف منافقت اور مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے ہیں، حقیقت میں جو کچھ بھی ہوا ہے یا آئندہ ہوگا یہ امریکی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔

....

پادریوں کی جیوری نے قرآن کریم کے جزا وسزا کے قانون کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے اور قرآنی سزاؤں کی بنیاد پر قرآن کریم کو نعوذ باللہ دہشت گرد قرار دے کر آگ لگائی، آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا جرم وسزا کا قانون صرف قرآن میں ہے یا سابقہ کتب سماویہ (بائبل سمیت) کا تسلسل ہے۔ قرآن کریم نے چند معاشرتی جرائم کی سزا کا تعین کیا ہے۔ جن جن معاشرتی جرائم کی سزا قرآن کریم نے متعین کی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ قتل وجراحت

۲۔ زنا

۳۔ چوری

۴۔ قذف (پاک دامن مردوزن پہ زنا کی تہمت)

۵۔ محاربہ (ڈکیتی ودہشت گردی)

قتل وجراحت:

قرآن واسلام کی نظر میں کسی بے گناہ کا قتل یا ضرب انتہائی سنگین اقدام ہے۔ قرآن کریم نے ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ

(المائدۃ: ۵:۳۲)

''جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں، تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا اس نے سب لوگوں کو۔''

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اس آیت میں جہاں ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے، وہاں ایک آدمی کی زندگی بچانے کو پوری انسانیت کی زندگی بچانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اسلام نے قتل عمد کی صورت میں قصاص کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى، فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّآ اُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

(البقرۃ: ۱۷۸، ۱۷۹)

''اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، پھر جس کو معاف کیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی چاہیے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ، یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی، پھر جو زیادتی کرے اس فیصلے کے بعد تو اس کے لیے ہے عذاب دردناک۔ اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو! تاکہ تم بچتے رہو۔''

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

قصاص کا معنی برابری یعنی قتل کا بدلہ قتل ہے، لیکن قتل کا بدلہ لینے کے لیے شریعت اسلامیہ نے مقتول کے ورثاء کو از خود انتقام لینے کا حکم نہیں دیا بلکہ قصاص کے لیے اسلامی عدالت میں مقدمہ کا اندراج، شہادت یا اقرارِ جرم وغیرہ کے بعد جج و قاضی یہ حکم نافذ کیا کرتا ہے۔

کیا قتل کا بدلہ قتل ناانصافی ہے؟ اگر قاتل کو قتل کرنا ناانصافی ہے تو پھر اس قاتل کو معاشرہ کے دیگر بے گناہ افراد پر مسلط کر کے تخریبی سرگرمیوں کی اجازت دے دینا انصاف ہے؟؟...... یاللعجب......

امریکی پادریوں اور دانشوروں کو قاتلوں سے نامعلوم کیوں ہمدردی ہوگئی کہ وہ قتل کے بدلے قتل کو دہشت گردی سمجھتے ہیں، قرآن قتل کو دہشت گردی لیکن "قتل کے بدلے" کو عین انصاف اور معاشرہ میں قیامِ امن کا ذریعہ سمجھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کو معاشرہ کی زندگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر چند قاتلوں کو ٹرائل کر کے قتل کر دیا جائے تو معاشرہ چند دنوں میں ہی امن کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

قرآن کریم کا قصاص کا قانون صرف قرآنی قانون ہی نہیں بلکہ کتبِ سابقہ میں بھی یہ قانون موجود تھا۔ قرآن کریم نے تو اسی سابقہ قانون کو ہی اپنے انداز میں جاری رکھا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ (المائدہ:۴۵)

"اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر، پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا، سو وہی لوگ ہیں ظالم۔"

(ترجمہ: شیخ الہندؒ)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ "تفسیر ماجدی" میں تحریر فرماتے ہیں:

[''موجودہ توریت میں اپنے تحریفی انقلابات کے بعد بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود رہ گیا ہے۔ اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو جان کے بدلے میں جان لے اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ۔''

(خروج:۲۱:۲۳:۲۵)

''اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگادے، سو جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا، توڑنے کا توڑنا، آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے''۔

(احبار:۲۴-۲۰)

''اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا۔''

(استثناء:۱۱۹:۱۱)(تفسیر ماجدی ص ۹۲۰،۹۲۱)

گذشتہ سطور سے قارئین یہ اندازہ کر چکے ہوں گے کہ جرمِ قتل کی قرآنی سزا اور حکمِ قصاص دراصل تورات کا حکم ہے جسے قرآن کریم نے باقی احکامِ توراۃ کی طرح منسوخ کرنے کی بجائے باقی رکھا ہے۔ البتہ غالباً تورات میں مقتول کے ورثاء کے لیے قاتل کو معاف کر دینے کا حکم نہیں تھا، قرآن کریم نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر ورثاء معاف کرنا چاہیں تو قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

قارئین خود فیصلہ کریں کہ اس بنیاد پر قرآن کریم کی توہین دراصل تورات اور تمام کتب سماویہ کی توہین ہے۔ مذکورہ بالا پادری صرف قرآن کے منکر و گستاخ نہیں بلکہ بائبل وغیرہ کے بھی منکر و گستاخ ہیں۔

زنا:

قرآن کریم نے زنا کی سزا کے متعلق اول سورۃ نساء میں حکم نازل فرمایا، اس میں کوئی

متعین سزا ذکر نہیں فرمائی گئی بلکہ وقتی طور پر صرف یہ حکم دیا گیا کہ زنا کار عورتوں کو گھروں میں بند کر دیا جائے تاوقتیکہ انہیں موت آ پہنچے یا اللہ تعالیٰ انکے لیے کوئی حکم نازل فرما دے، نیز مرتکبین زنا کو ایذاء دینے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ○ وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ○ (النسآء:۱۵،۱۶)

"اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے، پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے انکو موت یا مقرر کر دے اللہ تعالیٰ انکے لیے کوئی راہ اور جو دو مرد کریں تم میں سے وہی بدکاری تو ان کو ایذا دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان کا خیال چھوڑ دو بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

سطر کی ابتداء سے پھر سورۂ نور میں زنا کی با قاعدہ سزا بیان کی گئی، ارشاد باری تعالیٰ یوں نازل ہوا:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ (النور:۲)

"بدکاری کرنے والی عورت اور مرد، سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو دُرّے اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان۔"

اس آیت میں سو کوڑوں کی سزا اس زانی اور زانیہ کے لیے بیان فرمائی گئی جو غیر شادی

شدہ ہوں۔ شادی شدہ مرد و عورت اگر جرم زنا کے مرتکب ہوں تو ان کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رجم کی سزا مقرر فرمائی اور اپنے عہد مبارک میں سزاء رجم عملاً نافذ بھی فرمائی۔ چنانچہ صحیح مسلم، مسند احمد، سنن نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی روایت منقول ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خُذُوْا عَنِّیْ خُذُوْا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا اَلْبِکْرُ بِالْبِکْرِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَّ تَغْرِیْبُ عَامٍ وَالثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَّالرَّجْمُ۔

”مجھ سے لے لو...... مجھ سے لے لو......! اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ نکال دی، غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی جبکہ شادی شدہ مرد و عورت کے لیے سو کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔“

ابتداء سے خلاصہ یہ کہ زنا جیسے معاشرتی جرم کی سزا تین مراحل میں نازل ہوئی۔

۱۔ سورہ نساء میں صرف قید و ایذاء کی سزا کے بیان کے ساتھ مستقل سزا کا عندیہ دیا گیا ہے۔

۲۔ اس عندیہ کے مطابق سورۃ نور میں سو کوڑوں کی سزا بیان کی گئی۔

۳۔ حدیث میں سورہ نساء میں دیے گئے عندیہ کے مطابق زنا کی مکمل سزا بیان کر دی گئی۔

زنا کی بعینہ یہی سزا تورات میں بھی مذکور ہے، چنانچہ کتب حدیث میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ایک بااثر یہودی جوڑے نے زنا کا ارتکاب کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس فیصلہ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس سوال پر کہ ایسے مجرم کے لیے تورات میں کیا سزا مذکور ہے؟ یہودیوں نے کذب بیانی کرتے ہوئے کہا ہم ایسے مجرمین کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں، مارتے اور پیٹتے ہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، نے فرمایا تم جھوٹ بول رہے ہو، تورات میں ایسے مجرم کی سزا رجم بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ تورات لا کر کھولی گئی تو ان میں سے ایک یہودی نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا، اور رجم کی آیت سے پہلے اور بعد کو پڑھنے لگا اس پر حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے فرمایا اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت موجود تھی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا چنانچہ دونوں مجرموں کو رجم یعنی سنگسار کیا گیا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث نمبر ۳۴۳۶)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زنا ایک سنگین معاشرتی جرم ہے جسے کسی بھی آسمانی مذہب نے برداشت نہیں کیا، یہ جرم معاشرے کی تباہی و بربادی کا باعث اور نسب و نسل کے فساد کا ذریعہ ہے، اس سنگین جرم کی سزا بھی سنگین مقرر کی گئی اور یہ سنگین سزا قرآن کریم نے بعض حالات میں سو کوڑے اور بعض حالات میں سنگسار کے ذریعے سزائے موت مقرر کی ہے۔ لیکن افسوس کہ اسلام دشمنی اور قرآن فوبیا میں مبتلا عقل کے اندھے پادریوں کو اپنی کتاب بائبل بھی نظر نہیں آئی اے کاش! یہ متعصب پادری قرآن کریم جلانے سے قبل قرآنی سزاؤں کا بائبل سے موازنہ ہی کر لیتے تو شاید انہیں اپنا بغض باطن کسی اور طرح سے نکالنے کی تدبیر کرنا ہوتی۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل نے زنا کی سزا کیا بیان کی ہے!

بائبل میں عہد نامہ قدیم کے احبار ب ۲۵ میں مذکور ہے۔

"اور جو شخص دوسرے کی بیوی یعنی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے وہ زانی اور زانیہ دونوں ضرور جان سے مار دیے جائیں، اور جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے صحبت کرے اس نے اپنے باپ کے پردے کو چاک کیا وہ دونوں ضرور جان سے مار دیے جائیں انکا خون انہی کی گردن پر ہوگا، اگر کوئی شخص اپنی بہو سے صحبت کرے تو وہ دونوں ضرور جان سے مار دیے جائیں انہوں نے اوندھی بات کی ہے انکا خون انہی کی گردن پر ہوگا۔"

(احبار ب ۲۰۔ ۱۰۔۱۱۔۱۲)

قارئین غور فرمائیں...... اگر زنا کی سزا بائبل سزائے موت مقرر کرے تو نا قابل گرفت ٹھہرے اور اگر قرآن اس سزا کو تفصیل سے بیان کرے تو دہشت گردی قرار دی جاتی ہے، یا للعجب......! یہ انصاف کا خون نہیں تو اور کیا ہے!

سرقہ (چوری):

قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا بیان فرمائی ہے ان میں تیسرا جرم سرقہ یعنی چوری ہے۔ سرقہ و چوری بھی ایک معاشرتی ناسور ہے جو فساد امن اور استحصال کا ذریعہ ہے، اس جرم کی

وجہ سے معاشرہ میں معاشی ناہمواری سمیت کئی ایک مفاسد جنم لیتے ہیں۔اس لیے شریعت اسلامیہ نے اس جرم کی سزا یوں بیان کی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (المائدۃ:۳۸)

”اور جو چوری کرے، مرد ہو یا عورت، ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے، اور خدا زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے۔“

چوری کی اس سزا کی حکمت بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالحق حقانی ”تفسیر حقانی“ میں فرماتے ہیں:

”یہ سزا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں دی ہے۔جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے اربعہ سے خلفائے بنوالعباس تک بھی اس قانون الٰہی پر عملدرآمد ہوتا رہا ہے۔ شاہانِ اسلام ہندوستان و دیگر بلاد اپنے تمام علماء و قضاۃ کے فتوے کے بموجب اس پر عمل کرتے آئے ہیں، کتب تواریخ شاہد عدل ہیں اور اس میں حکمت بھی ہے کیونکہ جس ہاتھ سے اس نے یہ بدکام کیا تھا اسکی سزا میں ایسی نعمت سے محروم کردینا پورا انصاف ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ سزا اس جرم کے انسداد کے لیے اکسیر اعظم کا حکم رکھتی ہے۔اور کیوں نہ ہو آخر جس نے قرآن نازل کیا ہے وہ حکیم و علیم ہے جس کے علم و حکمت کے آگے بندوں کے علم و دانش کو کیا نسبت ہے؟ کوئی تو حکمت سمجھی ہے جو ایسا حکم جاری کیا ہے۔ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص الہام کو فرضی ڈھکوسلا سمجھے یا اپنی عقل کو اللہ تعالیٰ کے علم پر ترجیح دے۔“

(تفسیر حقانی سورۃ مائدہ صفحہ ۲۷۳)

آیئے بائبل سے چوری کی سزا دریافت کرتے ہیں۔لیجیے بائبل خروج باب ۲۲ ملاحظہ کیجیے۔

"اگر چور سیدھ مارتے ہوئے پکڑا جائے تو اس پر ایسی مار پڑے کہ وہ مر جائے اسکے خون کا کوئی جرم نہیں"

(خروج باب ۲:۲۲)

اسی طرح بائبل استثناء باب نمبر ۲۴ میں مذکور ہے:

"اگر کوئی شخص اپنے اسرائیلی بھائیوں میں سے کسی کو غلام بنائے یا بیچنے کی نیت سے چراتا ہوا پکڑا جائے تو وہ چور مار ڈالا جائے یوں تم ایسے برائی اپنے درمیان سے دفع کرنا"

(خروج ۲:۲۴)

قارئین کو یہ جان کر یقیناً تعجب ہوگا کہ دور حاضر کے عیسائی پادری اور یہودی احبار اور ان کے نمک خوار سکالر، شب و روز ان اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ، وحشیانہ سزاؤں کا راگ الاپتے رہتے ہیں انہیں بائبل میں مذکور شریعت موسوی کی سزائے سرقہ نظر نہیں آتی جو قرآن کریم کی بیان کردہ اس سزا سے بھی سخت ہے۔ شریعت موسوی اور بائبل نے چوری کی سزا قتل بیان کی ہے۔ ان عقل و خرد سے عاری انسان نما جانوروں سے کوئی سوال کر سکتا ہے کہ قطع ید کی سزا زیادہ سخت ہے یا جان سے مار دینے کی؟ اگر جان سے مار دینا اور قتل کرنا زیادہ سخت سزا ہے تو پھر قرآنی سزاؤں پر تبرّا کیوں؟ قرآن دشمنی کیوں؟ قرآن کو کیوں کر جلایا جاتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو شروع سے ہی اسلام فوبیا ہو گیا تھا اور آج تک وہ اپنے اس بغضِ باطن کو دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ آج بھی وہ دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کے خلاف اور انسانی حقوق کے نام پر اسلام کے خلاف صف آراء ہیں اور رکیک الزامات لگا کر شریعت اسلامیہ اور قرآن کریم سے اپنے طبقے کو دور رکھنا چاہتے ہیں انشاءاللہ انکا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا اور اسلام عالمگیریت اختیار کر کے رہے گا۔ ان شاءاللہ۔

(مضمون ہذا دو حصوں میں قسط وار شائع کیا گیا۔) (حصہ اول: تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ/اپریل 2011ء، حصہ دوم: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ/مئی 2011ء)

روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو!

ایک زمانہ تھا کہ اسلام بمقابلہ شرک نمودار ہوا تھا، تب عالم عرب میں مشرکین ایک مستحکم مذہبی قوت کے حامل تھے، شرک اور شرکیہ اطوار لوگوں کے رگ و ریشہ میں رچے بسے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات عالی صفات کو شرک کے خلاف مزاحمتی تحریک بنا دیا تھا، پھر ہجرت مدینہ کے بعد اسلام بمقابلہ یہودیت نمودار ہوا، یہودیت کی مذہبی بالادستی، فرسودہ نظریات، معاشرتی ناہمواریوں، مذہب کے نام پر چیرہ دستیوں اور کتاب اللہ کے نام پر مذہبی راہنماؤں کی من مانیوں کا خاتمہ قرآن کریم اور پیغمبر اسلام کا مطمح نظر ٹھہرا، ایک عرصہ کے بعد منکرین ختم نبوت اور مرتدین نے اسلام کی راہ روکنے کی کوشش کی، لیکن منہ کی کھائی۔ چلتے چلتے دنیا میں اسلام بمقابلہ عیسائیت نمودار ہوا، ایک عرصہ تک اسلام اور ہندومت کا بھی معرکہ رہا، بحمد اللہ! جملہ نظریاتی میدانوں میں روز اول سے تا امروز اسلام فائق و فاتح نظر آیا۔

پھر موجودہ زمانے میں روس کی شکست و ریخت اور امریکہ و یورپ کی بالادستی کے بعد اب مغربیت کو اسلام کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ مغربیت چاروں جانب سے اسلام کے عقائد، اعمال، اخلاق، تہذیب و تمدن، نظریات و افکار، حتیٰ کہ عادات و اطوار پر حملہ آور ہے۔ مزید براں مسلم ممالک کے جغرافیہ پر بھی شب خون مارا جا رہا ہے۔

اسلام کے خلاف اس عالمی تحریک نے مذہبی لبادہ اوڑھنے کی بجائے انسانی لبادہ اوڑھنے کی کوشش کی ہے، پندرہ صدیوں کی اسلامی تاریخ میں بطور مذہب اسلام کو مغلوبیت سے دوچار نہ کر سکنے پر اب مغرب کے تھنک ٹینکس (Think Tanks) نے شاید اسلام دشمنی کو یہ نیا لبادہ اوڑھا کر پرانے جال کو نئے شکاریوں کے ہاتھ میں دیدیا۔

مغربیت سے مراد مذہب بیزاری، انسانی آزادی اور اظہار رائے کا نعرہ ہے، انسان آزاد ہے وہ جو چاہے کھائے، جو مرضی آئے کرے، جس سے چاہے جنسی تعلقات قائم کرے، وہ مذہب و دین کی پابندیوں سے آزاد اور حلال و حرام کے تصور سے نعوذ باللہ مبرا ہے، اسے آزادی اظہار رائے بھی حاصل ہے لہٰذا وہ جس کی چاہے توہین کرے، گستاخی کرے اسے کوئی نہیں روک سکتا، اس لیے مغربی ممالک میں آئے روز توہین انبیاء اور توہین قرآن کریم کا سلسلہ جاری ہے، اسی سلسلہ کے تحت ہم جنس پرستی، نکاح سے چھٹکارا اور بے راہ روی کو بھی معاشرے میں فروغ دیا جارہا ہے۔

مغربیت یا انسانیت (Humanity) کو اسلامی دنیا میں درآمد کرنے کے لیے فوجی، اقتصادی، ریاستی، سیاسی، ابلاغی اور قانونی قوتیں فراہم کردی گئی ہیں، انسانی حقوق کے نام پر اسلام دشمنی، لبرل ازم کے نام پر مذہب دشمنی، آزادی اظہار رائے کے نام پر مقدس شخصیات و کتب کی توہین، عورت کی آزادی کے نام پر خاندانی نظام پر شب خون، فحاشی و عریانی کی ترویج، زنا اور بدکاری کا پھیلاؤ، فطری حقوق کے نام پر ہم جنس پرستی، نکاح جیسی مقدس سنت انبیاء سے نہ صرف انحراف بلکہ نکاح کے خلاف دشنام طرازی اور پروپیگنڈہ، معیشت کے نام پر سود کی ترویج، یکساں نصاب تعلیم کے نام پر مذہبی و دینی تعلیم کا خاتمہ، مدارس اصلاحات کے نام پر دینی مدارس و اداروں کا قلع قمع، جمہوریت کے لبادہ میں آمریت اور من پسند حکمرانوں کا تقرر، دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر پرامن ملکوں اور لوگوں پر یلغار، منی لانڈرنگ کے نام پر اہل اسلام کے اوقاف پر قبضہ اور رفاہی اور دینی اداروں کی معاشی شہ رگ کاٹنا، مذہبی عدم امتیاز کے نام پر ختم نبوت اور ناموس رسالت کے قوانین کا خاتمہ، گستاخوں کی جیلوں سے رہائی اور غیر ملکی شہریت جیسی متعدد چیزیں مغربیت اور نام نہاد انسانیت کی تحریک کے اہم مقاصد ہیں۔

مذکورہ بالا مقاصد صرف اور صرف اسلام سے عداوت، مسلمانوں سے دشمنی اور قرآن و سنت سے بغض میں طے کیے گئے ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے دشمنان اسلام دھونس، دھاندلی، قتل و غارت گری، طمع و لالچ، ہمہ قسم ریاستی و غیر ریاستی ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں، مغرب نے اپنے ان اہداف کے حصول کے لیے باقاعدہ افغانستان، عراق، فلسطین، لیبیا، مصر،

شام، یمن، تیونس وغیرہ میں نہ صرف مسلمانوں کا قتل عام کیا، بلکہ بیشتر ممالک میں اپنے طے کردہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے من پسند حکومتیں بھی قائم کیں، اپنے نمک خوروں سے یقین دہانیوں کے بعد انہیں جائز وناجائز آئینی وغیر آئینی راستوں سے مسند اقتدار تک لے آئے، پاکستان کی حالت بھی مذکورہ ممالک سے کم نہیں، بلکہ شاید قدرے زیادہ ہے، یہاں مغربیت کی کامیابی اور اسلام دشمنی کے لیے متعدد اقدامات اٹھائے گئے ہیں:

۱)۔ من پسند حکومتوں کا قیام اور ان سے عہد وفا، تاکہ مغربیت کو ملک بھر میں سرکاری سرپرستی میں لاگو کیا جاسکے۔

۲)۔ اقتدار کی ہما سر پر بٹھانے اور حکومت دینے کے لالچ کے بدلے مختلف سیاسی جماعتوں سے مغربیت کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے ماحول کا قیام، اس کے نتیجے میں بڑی سیاسی جماعتیں، اسلام دشمنی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ میں اور بعض لادین جماعتیں اور ان کے قائدین، یقین دہانیوں کی کوششوں میں مگن ہیں اور اقتدار کی ہوس میں اپنا ضمیر مغرب کو فروخت کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، عیار دشمن ایک جماعت کو اقتدار میں لاتا ہے اور دوسری کو انتظار کرواتا ہے، ایک حکومت سے اپنے اہداف حاصل کر کے اسے چلتا کرتا ہے اور اگلے اہداف کے لیے نئی حکومت قائم کرا دیتا ہے، یوں سب اسلام دشمنی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں مصروف کار نظر آتے ہیں، جمہوری حکومتیں ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں تو فوجی حکومتیں قائم کردی جاتی ہیں اور جب ان سے مقاصد پورے ہوجائیں تو عوام کو پھر جمہوریت کا خواب دکھا دیا جاتا ہے، جمہوریت سے بھی اگر دل نہ بھرے تو آمریت پر جمہوریت کا خوبصورت لباس چڑھا دیا جاتا ہے۔

۳)۔ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں این جی اوز قائم کر کے اپنے چند باشندوں کو ان ممالک میں بھیج دیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ملکی افراد جوڑ کر ڈالروں اور یورو کی بارش کردی جاتی ہے، یہ این جی اوز ملک کے متوازی اپنا ایک نظام اور بجٹ رکھتی ہیں، سر بازار آئین وقانون کی دھجیاں اڑاتی نہیں تھکتیں، یہی این جی اوز اسلام دشمن مردود

خواتین کو چن چن کر یکجا کرتی ہیں، ملکی اداروں، اعلیٰ سرکاری افسروں، وزیر و مشیر، میڈیا، مذہبی راہنما اور ہر طبقہ فکر کے چیدہ چیدہ افراد پر مال و زر کی بارش کر کے انہیں رام کرتی ہیں، ان کے منہ میں بھی "دانہ" ڈال کر انہیں نہ صرف خاموش کرایا جاتا ہے بلکہ اپنا ہمنوا بھی بنا دیا جاتا ہے۔

یہ این جی اوز مغرب کی سرپرستی میں ملک دشمنی میں بھی ملوث نظر آتی ہیں، ان کی رضا مغرب کی رضامندی اور ان کی ناراضگی مغرب کی ناراضگی سمجھی جاتی ہے، اس لیے حکمران طبقہ اور اشرافیہ انہیں نہ صرف خوش کرتے ہیں، بلکہ ان کی ناراضگی سے لرزاں اور پریشاں رہتے ہیں، یہ این جی اوز اتنی مستحکم ہو گئی ہیں کہ اہم پالیسی ساز اجلاسوں اور قانون سازیوں میں نہ صرف شریک ہوتی ہیں، بلکہ سب کچھ انہیں کے ایماء اور چاہت پر ہو رہا ہے، عوامی ترجیحات کے برعکس این جی اوز کی مرضی کے قوانین بنانا روز کا معمول بن گیا ہے، یہ قوانین ہماری ثقافت، مذہب، ملک کی سالمیت کے بالکل برعکس اور عوامی نفرت کا مظہر ہوتے ہیں، مغربی ایجنڈے پر مشتمل قوانین کے بارے میں عوامی رائے عامہ استوار کرنے کے لیے این جی اوز کی میڈیا اور میڈیا پرسنز پر بھی سرمایہ کاری کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

الغرض این جی اوز اتنی خود مختار بنا دی گئی ہیں کہ ان کے سامنے ریاست، حکومت، سرکاری افسران، قانون نافذ کرنے والے ادارے، میڈیا حتیٰ کہ عدلیہ تک نہ صرف بے بس نظر آتے ہیں بلکہ مرعوب ہوتے ہیں، یہ مغربی این جی اوز اپنے راتب خور حضرات و خواتین کو سڑکوں پر لا کر حیا اور اخلاق سوزی کا مظاہرہ کراتی ہیں اور پھر ننگی پر گنی جانے والی ان خواتین کو میڈیا پر کوریج دلا کر نہ صرف انہیں کی ثقافت کو ترویج دینے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ مغربی تہذیب کی حامل ان ایمان فروش خواتین کو ملک کی ثقافت کا علمبردار ہونے کا تاثر بھی پیدا کیا جاتا ہے، گویا یہ این جی اوز ملک میں مغربی اہداف کے حصول اور اسلام دشمن اقدامات کے لیے کھلے بندوں مغرب کی نمائندگی کرتی ہیں۔

(۴)۔ ترقی پذیر ممالک کے ملحد و گمراہ لوگوں کو چن چن کر میڈیا پر لا کر ماڈرن اسلام کی ترویج کی کوشش بھی مغربیت کے ایجنڈے کا حصہ ہے، چنانچہ ایک عرصہ سے ایسے اسکالر

میڈیا اور سوشل میڈیا پر متعارف کروا کر انہیں گھنٹوں وقت دلایا جا رہا ہے، جو عوامی مجلس کا انعقاد کریں تو سو آدمی بھی انہیں سننے کے لیے نہ آئیں، ان ملحدین نے جہاد اور دیگر اسلامی احکام کے خلاف ہرزہ سرائی اور تاویلات باطلہ کا ایک بازا گرم کر رکھا ہے، اس سب کا مقصد لوگوں کو ذہنی طور پر اسلام سے دور کرنا ہے۔

۵)۔ مغربیت کی ترویج کے لیے ملک سے، ایک ایجنڈے کے تحت، کچھ لوگوں کو یورپ میں بلوا کر ان کی ایک جانب برین واشنگ (ذہنی تربیت) اور دوسری جانب دنیا بھر میں ان کی پذیرائی کرا کر ان سے خلاف اسلام بیان دلوائے جا رہے ہیں، ماضی میں سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور حال میں ملالہ یوسف زئی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ ملالہ یوسف زئی کی طرف سے نکاح جیسے پاکیزہ حکم کے خلاف غلیظ و بدبودار بیان اور زنا و بدکاری کی اعلانیہ حمایت اسی کا حصہ ہے، اس بیان سے ایک طرف تو نکاح کے خلاف شروع کی گئی مذموم مہم کی تقویت اور دوسری جانب اس لڑکی کی جانب سے مستقبل میں پاکستان کی حکمرانی کے لیے اس کے اہل قرار ہونے کا خاموش پیغام ہے۔

۶)۔ مذہب اور اسلام کو دہشت گردی سے جوڑنا، مذہبی قوتوں کو ہر وقت کٹہرے میں رکھنا، علماء، صلحاء کی توہین و تذلیل پر مبنی قوانین، فورتھ شیڈول، افغان ٹرینڈ بوائے اور مذہبی اشتعال انگیزی وغیرہ چیزیں بھی اسی ایجنڈے کا حصہ ہیں، ان قوانین اور رویوں کی وجہ سے عزت دار طبقے کو ذلیل کرنے، دینی مدارس و مساجد کو کوائف طلبی کے نام پر ہراساں کرنے، طلباء و اساتذہ کے ناموں کی بار بار فہرستیں اور فون نمبر مانگنے جیسے اقدامات بھی اسلام کے ان مراکز اور اسلام کے خدام کو کمزور کرنے اور لوگوں کو دینی علوم سے دور رکھنے کے بہانے ہیں۔

۷)۔ مغربیت کے مقاصد کے حصول کے لیے پاکستان جیسے ممالک پر ایف اے ٹی ایف (F.A.T.F) کو مسلط کر کے من پسند اقدامات کروانے کا سلسلہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، گزشتہ دو سالوں میں گرے لسٹ سے نکالنے کے لیے عوام کش، مذہب کش حتی کہ ملکی سالمیت کے خلاف قوانین بنوائے گئے ہیں، بوقت تحریر ایک ہی دن میں

21 بل بغیر بحث و تمحیص، پارلیمانی قوانین کے برعکس شور شرابہ میں منظور کر لیے گئے۔ ان بلوں میں پاکستان دشمن بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو کی رہائی کے لیے اسے نظر ثانی کا حق دینے کا بل بھی شامل ہے، جسے عجلت میں منظور کرا لیا گیا، حیرت تو اس امر پر ہے کہ کسی پاکستانی کو اس طرح کی اپیل کا حق نہیں، صرف ملک دشمن فرد کو اسمبلی کی تمام کاروائی معطل کر کے یہ حق دیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں بی بی سی اردو ڈاٹ کام مورخہ ۱۷ جون ۲۰۲۱ء) یہ سب ملک دشمن اور اسلام دشمن اقدامات مغربیت کے ایجنڈے کا حصہ ہیں۔

۸)۔ مغربیت کی راہ میں حائل ہمہ قسمی رکاوٹوں کو رفتہ رفتہ کر کے ہٹایا جا رہا ہے، گویا اسلام اور پاکستان کی محبت رکھنے والے مقتدر لوگوں کو مختلف حیلوں اور چالوں سے سنگ راہ سمجھ کر راستے سے ہٹایا جا رہا ہے۔

ہم گزشتہ ایک عرصے سے کی گئی قانون سازیوں، حکومتی اقدامات، خواتین مارچ جیسی حیا باختہ تقریبات، اطلاعات کے مطابق لمز (LUMS) یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کی صدیق آباد (ربوہ) جا کر قادیانیت سے اظہار ہمدردی، توہین رسالت کے بڑھتے واقعات، مغربی یونین کی پاکستان سے متعلق قرارداد، کنیڈا میں پاکستانی مسلمان فیملی کو گاڑی کے نیچے کچل دینے اور جملہ مسالک کے دینی مدارس کے بورڈوں کے اتحاد، اتحاد تنظیمات مدارس پر مدارس کش اقدامات کرنے کے لیے دباؤ اور دباؤ میں نہ آنے پر مسالک کے نئے نئے بورڈوں کے قیام کے ساتھ باہمی تفریق کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ایجنڈے کا حصہ ہیں۔ اگر یہ اقدامات اسی طرح جاری رہے تو مستقبل میں پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی پہچان کیا ہوگی؟ اس کا اندازہ ہر ذی شعور کر سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے انہیں حالات کی جانب، بہت پہلے کھلے بندوں اشارہ کیا تھا:

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زناریوں کو دیر کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو
اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

مغرب اور اس کے آلہ کاروں کا مقصد انسانیت کے نام پر صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے، اس ایجنڈے میں ان کے ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہمنوا لوگوں کو ہم مغربیت کے پرچارک اور غدار مسلمان سمجھتے ہیں، جنہیں تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی، اسلام وکفر کی کشمکش میں بالآخر اسلام کو فتح ہی نصیب ہوگی، ماضی کی طرح اعداء اسلام شکست وریخت کا شکار ہوں گے۔ سردست اہل اسلام کے لیے صبر، تحمل، تدبر اور بصیرت سے حالات کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں نہ تو تشدد کی راہ پر چلنا ہے اور نہ ہی اسلام سے اپنا ناطہ کمزور کرنا ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر کاربند رہنا ہے:

"اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الاعراف:۱۲۸)

"اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔"

(تاریخ اشاعت "ماہنامہ صدائے فاروقیہ" ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ/ جولائی 2021ء)

تمت بالخیر

نقوشِ اسلام













المفتي محمد تقي العثماني

MUFTI MUHAMMAD TAQI USMANI

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد :

مکتبہ رشیدیہ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد